☆☆☆☆☆ولایت کا بیان☆☆☆☆☆

اتباعِ رسول اللہ ﷺ اولین شرطِ ولایت ہے: (کہ اس کے بغیر ولایت کا حصول ناممکن ہے)

☆ ولایت اور تصوف کی شرطِ اول! وہ (یعنی ولی اللہ) حضرت رسولِ مکرم ﷺ کا قولاً، فعلاً اور ازروئے اعتقاد لازماً اور کلی طور پر تابع ہو۔ (بمطابق قرآن) **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی**۔ (ترجمہ) اے رسول اکرم ﷺ فرما دیجیئے۔کہ! (اگر) تم اللہ تعالیٰ کو دوست رکھنا چاہتے ہو۔تو میری (حضرت نبی اکرم ﷺ کی) پیروی کرو۔ پس (اس آیت سے ثابت ہوا کہ) سلوکِ طریقت میں آنحضور ﷺ کی پیروی کے راستے کو طے کرنے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی نہیں برتنی چاہیئے۔ولی کو اپنے متبوع کے حکم کا ہروقت تابع اور پابند ہونا چاہیئے۔انہی لوگوں کے حق میں ہے۔کہ! ماسوٰی سے کلی طور پر اعراض کرے۔اور خواہشات سے قطعی گریزاں رہے۔اسی طرح دنیاوی خیر وشر کی طرف بھی قطعاً التفات نہ کرے۔کیونکہ ولی کی نظر میں کونین کا وجود اور عدم دونوں یکساں ہیں۔اور جس کو یہ دولتِ دارین (یعنی ولایت) نصیب ہوگئی۔اُس کو تختِ سلطنت پر جلوس فرمانے کی مطلقاً خواہش نہیں رہتی۔☆ ولی کی شرائط یہ بھی ہیں۔ وہ عالم ہو جاہل نہ ہو۔منفصل ہو متصل نہ ہو۔(کیونکہ) جب وہ منفصل ہوجائے گا۔تو پھر متصل بھی ہو جائے گا۔جیسا کہ (اسی ضمن میں) حضرت شیخ ابو بکر شبلیؒ نے فرمایا۔کہ (حصولِ) طہارت انفصال ہے۔جبکہ (ادائیگی) نماز اتصال ہے۔اگر طہارت میں غیراللہ سے منفصل نہ ہوگا۔تو نماز میں اللہ تعالیٰ سے متصل بھی نہ ہو گا۔اور جب اتصال، انفصال ہی کا نتیجہ ہے۔تو منفصل صاحبِ کشف ہوگا۔اور صاحبِ کشف عالم ہوگا۔جبکہ جاہل نہ ہوگا۔اور عالم ربانی ولی ہوتا ہے۔اور حق تعالیٰ کا ولی (دوست کبھی بھی) جاہل نہیں ہوسکتا۔کیونکہ! **ان اللہ لا یتخذو لیا جاھلا قط**۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ہرگز کسی جاہل کو اپنا دوست نہیں بناتا۔

☆ ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔کہ! **الجاھل عدوی والعاقل صدیقی** ۔ جاہل میرا دشمن اور عاقل میرا دوست ہے۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح وعیاں ہے۔کہ! مسلمان کے لئے کشف وکرامات یا خوارقِ عادات کی کوئی خاص اہمیت و وقعت نہیں۔ بلکہ! اصل میں تو اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ اور ترکِ بدعات ہی دین ودنیا کی جملہ خوبیوں اور بھلائیوں کی جڑ ومغز ہیں۔اور آنحضرت نبی مکرم ﷺ کا بہترین اسوہءحسنہ ہی درحقیقت مرکزِ حیات اور ایمان وایقان اور عرفان کا اصل سرچشمہ ومشعلِ راہ ہے۔یاد رہے۔کہ! اہل اللہ متقدمین ومتاخرین نے اُمتِ محمدیہ ﷺ میں سے جو بھی کچھ ازروئے مدارج ومراتب یا مقاماتِ اعلیٰ وارفع پایا ہے۔تو صرف اور صرف اتباعِ رسول اللہ ﷺ ہی سے فقط پایا ہے۔عبدیت، صدیقیت، امامت، خلافت، فردیت، شہادت، ابدالیت، قطبیت، غوثیت، غرضیکہ ولایت کا کوئی بھی درجہ ومقام یا مرتبہ ہو۔سبھی کچھ فقط اتباعِ رسولِ مقبول ﷺ ہی کا نتیجہ وثمرہ ہیں۔جو شخص درست معنوں میں اتباعِ شریعتِ محمدی ﷺ کا ہی حامل نہیں۔وہ ہزار ہا ولایت کے دعوے کرے، کشف وکرامات اور خوارقِ عادات کا بادشاہ بن جائے۔پانی پر چلے، ہوا میں پرواز کرے، سیفِ زبان ہو۔تب بھی وہ ولی تو درکنار، بلکہ اُس کی مسلمانی میں بھی شک وشبہ کی کثیر گنجائش ہوسکتی ہے۔بقولِ شاعر!

خلافِ پیمبر کسے را گزید ہرگز نخواھد منزل رسید

جب کوئی مکاشفاتِ ولایت سے گزرتا ہے۔تو اُسے حقیقتِ توحید اور معرفت شناسائی حق حاصل ہوتی ہے۔وہ اُس مقام ومرتبہ پر پہنچتا ہے۔کہ! اس کو اپنی انتہا ابتداء معلوم ہوتی ہے۔اس مقام پر ایسے سالک وطالبِ صادق کا طریقہء امامت اور اقتداء صحیح ہو جائے گا۔اور ارشاد وبیعت وخلافت وسندِ خلافت وسندِ بیعت وسلسلہء طریقت بھی درست رہے گا۔اسے مرید ہونے اور مرید کرنے کے آداب وتعلیمات، حقیقتِ بیعت اور انتخابِ شیخ کے اصول وضوابط اور اس کی محبت میں بے ارار رہنے کے اسباب مفصل طور پر معلوم ہوجائیں گے۔تاکہ وہ خود بھی سالکین وطالبینِ صادق کو شناسائی ووقوف کا ادراک کراسکے۔(ان شاءاللہ)

واضح ہو کہ! پہلے حق تعالیٰ کی طرف سے مخلوق پر ولایت کا ظہور ہوا۔اور ہر ولی اللہ (اللہ کا دوست) اس لباسِ ولایت میں ملبوس ہوکر عالمِ وجود میں آیا۔(بمصداقِ آیتِ کریمہ **وایدنٰہ بروح القدس**۔اس کی مدد کی روح القدس کے ذریعہ سے) یاد رہے۔کہ! انسان کی تخلیق کوئی آسانی یا بلامحنت نہیں ہوئی۔ بلکہ! (بمصداقِ آیتِ کریمہ **لقد خلقنا الانسان فی کبد**۔درحقیقت ہم نے انسان کو مشقت میں تخلیق فرمایا۔) پھر انسانی جثہ کو تخلیق فرمایا۔(بمصداقِ آیتِ کریمہ **ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون**۔اور ہم نے انسان کو سڑے کو گارے کی کھنکھناتی مٹی سے تخلیق فرمایا) اور پھر روحانیت بصورتِ انسانیت (بمصداقِ آیتِ کریمہ **لقد خلقنا الانسان فی احسنِ تقویم**) اس میں ودیعت فرمائی۔اور پھر (بمصداقِ آیتِ کریمہ **وعلم ادم الاسمآء کلھا**) کا ظہور ہوا۔اور پھر انسان کو جملہ مخلوقاتِ سماوی وارضی پر شرف وفضیلت حاصل ہوئی۔(بمصداقِ آیتِ کریمہ **انی جاعل فی الارض خلیفة**) جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے خلیفہ ہونے کا تقرر فرمایا۔تو عدم سے اسے وجودِ ہستی عطا فرمایا۔اور (بمصداقِ آیتِ کریمہ **ولقد کرمنا بنی اٰدم**) اس کی شان کو چار چاند لگا دیئے۔اور پھر عالمِ ارواح میں پس پردہءغیب ارواح، مثالی جسمانی شکل وصورت اختیار کر کے خاص الخاص فیضِ نبوت ورسالت حاصل کیا۔جس کی پیغمبرِ زمان خاتم النبیین ﷺ نے خبر عطا فرمائی۔(بمصداقِ حدیثِ نبوی ﷺ **کنت نبیا وادم بین المآء والطین**) اور اس فیضِ مخفی کی تجلیات کو عیاں فرما دیا۔اور پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے بہترین انسان کو تاجِ محبوبیت پہنایا۔(بمصداقِ آیتِ کریمہ **وانک لعلٰی خلق عظیم**۔اور یقیناً! آپ ﷺ اخلاق کے علیٰ درجے پر فائز ہیں) اور آپ ﷺ کا ارض وسماء میں خوب چرچا فرمادیا۔(بمصداقِ آیتِ کریمہ **ورفعنا لک ذکرک**۔اور ہم نے آپ ﷺ کی خاطر آپ ﷺ کے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا) انبیاء ورسلؑ کی معاونت واستعانت کرنے والوں کو بھی رحمتِ کاملہ میں سے وافر مقدار میں حصہ وانعام سے سرفراز کیا گیا۔اور ان انعاموں میں سے پہلا انعام ولایت یعنی اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنا حبیب ورفیق بنانا ہے۔ولایتِ مجردہ کو ہزار صد ہزار

صورتیں عطا کیں ۔ عالمِ غیب وشہادہ نمایاں ہوئے ۔ لوازمہء باطن میں جو کچھ بھی تھا ۔ بفیض ابوالارواح تمام ارواح اس کے حصول سے مشرف ہوئیں ۔ اور مجسم ہونے کا انتظار کرنے لگیں ۔ تو اسی روح الارواح نے سب سے پہلے لباسِ جسمانی پہنا ۔ اور ابوالاجساد کا نام روحِ مجسم ہو گیا ۔ (بمصداقِ **ارواحنا اجسادنا ۔ اجسادنا ارواحنا لا تمیز فیھا بعدہ**) اور پھر خالقِ کائنات نے تمام مخلوقات کو خلعتِ جسمانی سے سرفراز فرمایا ۔ کون ومکان آراستہ ہو گئے ۔ (بمصداقِ آیتِ کریمہ **کانتا رتقا ففتقنھما** ۔ دونوں بند تھے ۔ پس ہم نے کھول دیا) اس طرح دونوں شاخیں ظاہر ونمودار ہوئیں ۔ اور ملک و ملکوت کا نام پڑا ۔ فایض ومفیض بن گئے ۔ غیب وشہادہ نے آرام پایا ۔ وجوب وامکان آراستہ ہوئے ۔ حضرت وجوب محض ولایت ہے ۔ جبکہ امکانِ ارتسام فیض ولایت ۔ جاننا چاہیئے ۔ کہ ! اگر لباسِ شہادت میں معرفت حاصل ہو جائے ۔ تو عارف دریائے محیط میں خود کو پہچان لے ۔ (بقولِ شاعر)

مردی باید کہ باشد شہ شناس تا بہ بیند شاہ را در ہر لباس

اَب اگر نہ پہچانے ۔ تو محروم رہے ۔ اور اس کی پیدائش بے سود رہے ۔ اور محبوبیت کے پردوں میں ابدالا باد تک رہے ۔

(**برائے تعلیم اللخلق**) حق تعالیٰ کے جلوے کہاں سے کہاں تک عیاں ہوئے ۔ (بمصداقِ حدیث **انا احمد بلا میم**) برائے ہدایت خلق لباسِ بشریت پہنا ۔ اور انعامی طور پر شیوہء رسالت اختیار کر کے ہر زمانے میں آیا ۔ پھر امر ونہی کی خبر دی ۔ ماہیتِ ذات وصفات خلق پر عیاں کیا ۔ اور فیضِ باطن اس کا ایسا مفیض ہوا ۔ کہ ہر طبقہ اور ہر قوم میں ہزروں انبیاءؑ پیدا فرما کر مبعوث فرمائے ۔ اور ہر نبیؑ نے اپنی اپنی قوم کی رہبری ورہنمائی فرمائی ۔ اور ان کو اپنی اُمت قرار دیا ۔ اللہ تعالیٰ ہر نبیؑ ورسولؑ کو کمندِ عشق سے اپنی جانب کھینچتا ہے ۔ اس کے بعدُ سے راہ سلوک دکھاتا ہے ۔ جس نے جس حال میں سبقت کی ۔ اور اس دور کے احکامِ آثار کو پا لیا ۔ پس اُس پر نبوت صادق آئی ۔ کیونکہ اس کا پہلا قدم جذبہء عشقِ الٰہی جبکہ دوسرا قدم سلوک کا ہوتا ہے ۔ جب تک اُس کو عطایائے ولایت نہیں ملتیں ۔ مُطاعِ نبوت نہیں ہوتا ۔ مشہور قول ہے ۔ کہ ! **الولایۃ افضل من النبوۃ** ۔ اور اس قول کا اشارہ اسی خاص ولایت کے ساتھ ہے ۔ اور مرتبہء نبوت کا حصول اسی ولایتِ خاص پر موقوف ہے ۔ جس دور میں نبوت رہی ۔ تو جسے حق تعالیٰ نے چاہا ۔ اُسے ولایتِ خاص سے سرفراز کر کے نبیؑ بنا دیا ۔ کیونکہ خاتم النبیین پردہء غیب لاریب میں تھے ۔ جہاں نبیؑ آیا ۔ وہاں اس نے اپنی شریعت پر خود بھی عمل کیا ۔ اور اپنی اُمت سے بھی کرایا ۔ جیسے مجتہد اپنے اجتہاد پر چلتا ہے ۔ ایسے ہی انبیاءؑ کو اپنی شریعت کے احکام جاری کرنے کا اختیارِ کلی ہوتا ہے ۔ ان کے اور مجتہد کے درمیان صِرف یہی فرق ہے ۔ کہ مجتہد کے اجتہاد احتمالِ خطا ہے ۔ اور ہر نبیؑ کا ہر حکم کمالِ صواب پر مبنی ہے ۔ کیونکہ خطا ان کی شانِ شایان نہیں ۔ اُن سے جو کچھ ظہور میں آتا ہے ۔ اور بے ولایت نبوت نہیں ملتی ۔ لیکن مجتہد جو کہتا ہے ۔ وہ لفظ کے معنیٰ لُغت سے سمجھتا ہے ۔ جبکہ نبیؑ لفظ میں معنیٰ پیدا کرتا ہے ۔ پس ایک نبیؑ اور مجتہد میں بڑا فرق یہ ہے ۔ کہ ! نبیؑ تو ویسے بھی ولی اور مجتہد ہوتا ہے ۔ مگر ایک ولی مجتہد تو ہو سکتا ہے لیکن نبیؑ نہیں ۔ اسی طرح شریعت پر عمل کئے بغیر کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۔ جب تک کہ آنحضرت رسالت مآب ﷺ کا یا اُن کی نبوت کا اظہار نہیں ہوا تھا ۔ اُس دور میں بھی اولیاء اللہ بعینہٖ موجود تھے ۔ بلکہ کتبِ تاریخ وآثار میں اِس بات کے شواہد بھی موجود ہیں ۔ کہ ! ہر دور میں چار صحیح العقیدہ مسلمان موجود رہے ہیں ۔ تمام اولیائے عالمین کا اولیاء اللہ کے وجود پر مراتب کا یقین کامل ہے ۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ، عبدالرحیم اور غوث وقطب ونقباء ونجباء وابدال واوتاد وغیرہم تمام اولیاء اللہ خفیہ طریقہ سے موجود تھے ۔ اور ان کے کمالات ظاہر تھے ۔ اور ہر ولی کی ولایت اُس وقت کے نبیؑ کے نور سے تھا ۔ اور تمام انبیاءؑ کی ولایت ونبوت میں آنحضرت نبی مکرم ﷺ کا نور موجود رہا ہے ۔ جس سے کہ اُن کے علم وعمل اور ولایت میں کثیر اضافہ ہوتا تھا ۔

ولی کون ہوتا ھے ؟ رسالہ قشیریہ میں ہے ۔ بے شک ! ولی کے دو معنیٰ ہیں ۔ ایک فعیل کے وزن پر بمعنی مفعول یعنی کہ وہ شخص جس کے امر کا متولی اللہ تعالیٰ ہے ۔ (بقولِ قرآن) **وھو یتولی الصالحین** ۔ (ترجمہ) اور وہ صالحین کا ذمہ دار ہے ۔ اور وہ (اللہ تعالیٰ) اس (اپنے ولی) کو ایک لحظہ کے لئے بھی اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ذمہ داری کی رعایت فرماتا ہے ۔ جبکہ دوسرے معنی فعیل یعنی فاعل کے ہیں ۔ یعنی وہ (اللہ تعالیٰ) اپنی بندگی ، اطاعت اور عبادت کا ذمہ دار ہے ۔ اور اس (ولی اللہ) پر تواتر کے ساتھ یہ ذمہ داری جاری ہے ۔ بغیر اس کے کہ نافرمانی درمیان میں آئے ۔ پس انسان میں یہ دونوں اوصاف (فعیل بمعنی مفعول اور فعیل بمعی فاعل) میں موجود ہونے چاہیئں ۔ تاکہ وہ ولی بن جائے ۔ یعنی اس کا حق تعالیٰ کی ادائیگی پر تمام وکمال قائم ہو جانا اور حق تعالیٰ کا ہمیشہ اس کا محافظ ہونا ، خواہ خوشی ہو یا غم ۔ (اور اسی طرح سے) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ''سرالاسرار'' مٰیں فرماتے ہیں ۔ کہ ! ولی وہ ہے ۔ جو اپنے حال میں فناء ہو ۔ اور مشاہدہ حق میں باقی ہو ۔ اسے اپنی ذات پر کوئی اختیار نہ ہو ۔ اور نہ اسے غیر خدا کے ساتھ سکون نصیب ہو ۔

معرفتِ ولی کے بیان میں : حضرت سید عبدالعزیز دباغؒ کے ملفوظات میں ہے ۔ کہ ! ولی اور غیر ولی کے مابین اس وقت تک فرق معلوم نہیں ہو سکتا ۔ جب تک کہ ولی کی ذات اور روح کے مابین کا وسطی حجاب اُٹھ نہ جائے ۔ لہذا جس شخص کی ذات پر روح کے اسرار کھل جائیں ۔ اور اُن کے درمیان کا پردہ زائل ہو جائے ۔ وہی ولیء عارف اور صاحبِ فتح کہلائے گا ۔ لیکن جس شخص کی ذات روح سے حجاب میں ہے ۔ وہ ایک عامی شخص ہے ۔ خواہ وہ ہوا میں اُڑتا ہو یا پانی پر چلتا ہو ۔ (حضرت سیدی دباغؒ فرماتے ہیں ۔ کہ) روح کے اوصاف یہ ہیں ۔ ذوق تمیز ، بصیرت ، عدمِ غفلت ، قوتِ سریان اور جسم کا آزار رساں اشیاء کو محسوس نہ کرنا ۔ لہذا جو بھی شخص ان اوصاف کو سمجھ لے ۔ اور ان کے معانی کو اچھی طرح سے جان لے ۔ وہ روح کو جان گیا ۔

حضرت سیدی دباغؒ فرماتے ہیں ۔ کہ ! ایک ولی (کامل) کو یہ قدرت حاصل ہوتی ہے ۔ کہ اگر وہ کسی کے کان میں کوئی بات کہہ دے ۔ اور جب کہہ کر اُٹھ جائے ۔ تو وہ شخص اور ولی بغیر کسی قسم کے فرق کے معارف میں برابر ہو جائیں ۔ (یعنی کہ) ولی کامل ایک عامی انسان (مسلمان) کو ایک ہی لحظہ کے اندر واصل باللہ

(ولی اللہ) بنا سکتا ہے۔ **لیکن** اس کا دارومدار اس گوند پر ہے۔ جس سے کہ یہ راز چسپاں کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ذات انسانی میں یہ گوند ہی نہ پائی جائے۔ تو سِرّ اپنی اصل کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کہ کوئی ہوا پر شلوار، قمیص اور عمامہ پہنا دے۔ کیونکہ ظاہر ہے۔ کہ! یہ چیزیں ہوا پر تو قائم نہیں رہ سکتیں۔ (گوند کیا ہے۔ تو فرمایا) گوند موتِ نفس ہے۔ اور موتِ نفس کی یہ علامت ہے۔ کہ! بندہ کے جملہ افعال خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہوں۔ اگر (خدانخواستہ) اعمال غیراللہ کے لئے ہوں گے۔ تو یہ نفس کے زندہ وقوی ہونے کی علامت ونشانی ہوگی۔ اور بندہ کے دل میں وساوس پیدا ہونا بھی نفس کے زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ اور جس قدر نفس زندہ وفربہ ہوگا۔ اسی قدر وساوس زیادہ ہوں گے۔ (پھر حضرت سیدی دباغؒ نفس کو مارنے کی ترکیب بتاتے ہیں۔ کہ) جب کسی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور مشاہدہ نصیب ہوگا۔ اور بندے کا قلب اللہ تعالیٰ کی معرفت سے معمور ہوگا۔ اور اسے یقین ہوگا۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے جملہ اقوال وافعال کو دیکھ اور سن رہا ہے۔ (تو اس میں اُسی قدر تقوٰی یعنی اللہ تعالیٰ کا ہمہ وقت ڈر وخوف پیدا ہوگا) اور یہ بھی کہ اس بندے کی ہر حرکت کا محرک اللہ تعالیٰ خود ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اس پر جو انعامات چاہتا ہے۔ کرتا ہے۔۔۔ جب وہ ہمہ وقت انہیں باتوں کو سوچتے ہوئے تدبر وتفکر کرے گا۔ تو اسے یقین ہو جائے گا۔ کہ! وہ اپنے آپ کو یا کسی اور کو نہ تو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی نقصان یا گزند۔ نہ اس دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء شاملِ حال نہ ہو وہ کچھ بھی کرنے کا قطعاً اہل نہیں۔ پھر وہ بندہ اوروں کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس طرح سے اُس کا وہ قوی وفربہ نفس مرجاتا ہے۔ پھر حضرت سیدی دباغؒ دُعا فرماتے ہیں۔ کہ! اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے ہمیں اپنا نفس مارنے کے اسباب عطا فرمائے۔ آمین۔

ولایت کی علامت: حضرت سیدی دباغؒ ولایت کے ضمن میں فرماتے ہیں۔ کہ! اگر کسی کے اندر ''ولایت'' کی رگ موجود ہو۔ تو چاہے وہ بدکاروں میں بھی رہے۔ تو جب کسی ولی الصفت شخصیت کا گزر اِس بندے کے پاس سے ہو۔ اور وہ شخص اس وقت بھی بدکاروں میں موجود ہو۔ تو بھی اُس کی رگِ ولایت زندہ ہو جاتی ہے۔ اور اسے ایک روحانی وفطرتی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس کا سینہ (نیکی کے لئے) جاری ہو جاتا ہے۔ یہ اثر تو محض ولی کے (اس بندے کے پاس سے) گزرنے سے ہوتا ہے۔ خواہ وہ شخص اس ولی اللہ کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو۔ یا اس ولی سے گفتگو بھی نہ کی ہو۔ تب بھی ولایت کے اثرات اس شخص میں منتقل ہو جائیں گے۔

لیکن اگر اُس ولی اللہ اور اس شخص کے مابین میل جول ہو جائے۔ اور آپس میں جان پہچان بھی ہو جائے۔ تو پھر اس رگِ ولایت کی زندگی کا کیا ہی کہنا۔ کہ ہر لحظہ خیر وبرکت میں کثیر اضافہ اور روحانی درجات ومقامات میں ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ اور برخلاف اس کے اگر کسی کے اندر شَر کی رگ موجود ہو۔ اور شر میں چوری کی رگ زیادہ ہو۔ تو وہ شخص چاہے برسوں اولیاء میں ہی رہے ان کی خدمت بھی کرتا رہے۔ تو پھر جب کبھی بھی کوئی چور اس کے پاس سے گزرے۔ تو اس کی رگ زندہ ہو جائے گی۔ اور بدی کے لئے اس کا سینہ کھل جائے گا محض چور کے پاس سے گزرنے سے اس کا یہ حال ہوا۔ اور اگر اس شخص اور چور میں میل جول اور جان پہچان ہو جائے۔ تو شَر بھی اپنے کمال کو پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے۔ **وَکُلّ مُیَسَّر لِمَا خُلِقَ لَہ** ۔ یعنی جو شخص جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہوتا ہے۔ وہ اس کے لئے آسان کر دیا جاتا ہے۔ (بہرحال) حضرت کبیرؒ نے شرائطِ ولی کے بارے میں عرض کیا کہ ان کی صراحت فرمائیں۔

قال الاشرف: الولی قلبه مستانس بالله متوحش عن غیر الله ۔ (ترجمہ) حضرت اشرفؒ نے فرمایا۔ کہ ولی وہ ہے۔ کہ جس کا قلب (دل) حق سبحانہ تعالیٰ سے انسیت رکھے۔ اور غیرِ حق سے متوحش اور گریزاں ہو۔ اس ارشاد کے بعد حضرت قدوۃ الکبرٰیؒ نے شرائط ولی کے سلسلے میں ارشاد فرمایا کہ! شرطِ ولی یہ ہے۔ کہ! گناہوں سے محفوظ ہو۔ جس طرح کہ (کسی بھی) نبیؑ کی شرط یہ ہے۔ کہ وہ معصوم (عن المعصیت والخطاء) ہو۔ اور جس کسی پر بھی از راہ شریعت اعتراض ہو۔ (للشرع علیہ اعتراض) پس وہ مغرور اور فریب خوردہ ہے۔ (ولی نہیں)

بہرحال! حصولِ مقام ومرتبہ یا ولایت کے ضمن میں آنحضور ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے۔ کہ! جب بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص رُتبہ مقدر ہوتا ہے۔ کہ جس کو وہ اپنے کسی عمل سے حاصل نہ کر سکتا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کے جسم یا اس کے اہل یا اس کے مال کو کسی بلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر وہ (بندہ) صبر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس مرتبے کو حاصل کر لیتا ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوا تھا۔ ولی درحقیقت خود کو اللہ تعالیٰ کا اصلی فقیر سمجھتا ہے۔ یہاں پر ''ولی'' کے بارے میں بزرگوں کے اقوال بطور تبریک پیش کئے جاتے ہیں۔

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے … کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

ولایت کی تحقیق: حضرت داتا صاحبؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں۔ کہ! لفظ ولایت کی تحقیق میں اولیائے کرام اور مشائخِ عظامؒ نے بہت سے رموز (مفاہیم اور اصطلاحات) بیان کئے ہیں۔ جیسے کہ! ☆ حضرت ابو علی جرجانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! ولی وہ ہے۔ کہ وہ اپنے حال سے فانی اور مشاہدہ حق کے ساتھ باقی ہو۔ اس کے لئے ناممکن ہے۔ کہ وہ اپنے حال کی کسی کو کچھ خبر دے سکے۔ اور سوائے ذاتِ حق کے غیر سے آرام پائے۔ ☆ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! ولی وہ ہے۔ کہ! جس کو خوف نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ خوف تو اس چیز سے ہوتا ہے۔ کہ جس کے آنے سے دل کراہت محسوس کرتا ہے۔ کہ یہ آئندہ زمانہ پر وارد ہو۔ یا اس سے خائف ہے۔ کہ زمانہ آئندہ میں وہ جو محبوب اس وقت موجود ہے۔ چلا جائے گا۔ ولی ابن الوقت یعنی صاحب الوقت ہوتا ہے۔ اس کو آئندہ ایسا وقت (درپیش) نہیں۔ کہ جس سے وہ ڈرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود قرآنِ حکیم میں فرماتا ہے۔ **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ۔ (سورہ یونس۔ آیت نمبر 62) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ! خبردار رہو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء (دوستوں) کو نہ خوف ہے نہ غم۔ جس طرح کہ ولی کو خوف نہیں ہوتا۔ اسی طرح ولی کو (اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی سے کسی قسم کی کوئی) اُمید بھی نہیں

ہوتی۔اس لئے کہ رجا وہ اُمید ہے۔جس میں آئندہ محبوب کے ملنے کی امید ہو۔یا پھر اس امر کی امید ہو۔کہ جو سختیاں (بصورتِ مصائب ومشکلات اور آزمائشیں) آرہی ہیں۔وہ اس سے ٹل جائیں۔اور ولی کا یہی وہ وقت ہوتا ہے۔(کہ اِن مصائب ومشکلات اور آزمائشوں کے باوجود) اسے کوئی غم نہیں ہوتا۔اس لئے کہ غم تو کدورت سے ہوتا ہے۔تو جو رضا کی روشنی میں آگیا۔اور موافقت کے باغ میں متمکن ہوگیا۔اسے (بھلا) کب غم ہوسکتا ہے۔ ☆ حضرت ابوعثمان مغربیؒ فرماتے ہیں۔کہ! ولی مخلوق میں مشہور (تو) ہوتا ہے۔لیکن مخلوق کے ساتھ مبتلا نہیں ہوتا۔ ☆ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے بارے میں ایک حکایت ہے۔کہ! آپؒ نے ایک شخص کو فرمایا۔کہ کیا تو چاہتا ہے؟ کہ تُو اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ولی ہو۔اُس شخص نے عرض کیا۔ہاں! میں چاہتا ہوں۔تو آپؒ نے فرمایا۔کہ! دنیا اور عقبیٰ (آخرت) کی کسی شئے سے رغبت نہ کر۔اس لئے کہ دنیا سے رغبت کرنا اپنے رب کریم ورحیم سے اعراض کر کے باقی شئے کی طرف جانا ہے۔ ☆ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں۔کہ! ولی وہ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے امرونہی پر صبر کرے۔

ولی کی حقیقی تعریف : ولی وہ ہوتا ہے۔جو حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کی عظیم ترین ذات اور اُس کی ذاتی صفات کا عارف ہو۔طاقتِ بشری کے مطابق اور اِس عرفان کے باوجود ظاہری وباطنی طاعت وعبادت کا مکمل پابند ہو۔اور ظاہری وباطنی معصیت سے اجتناب کرتا ہو۔(لیکن یاد رہے۔کہ) ولی کے لئے کرامات وخرق عادات کا ظہور اُس کی ولایت کی نشاندہی کے لئے شرط نہیں ہے۔مگر عصمت شرطِ ولایت ہے۔لیکن ولی محفوظ ہوتا ہے۔جبکہ نبی معصوم۔ہمارے پیارے نبی مکرم ﷺ تین مرتبے رکھتے ہیں۔ 1۔ ولایت۔ 2۔ نبوت۔ 3۔ رسالت۔

کیونکہ انحضرت امام المرسلین ﷺ نے فرمایا۔**اول ما خلق اللہ نوری**۔(ترجمہ) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔پس تمام انبیائے کرامؑ اور اولیائے عظام کے انوار نورِ محمدی ﷺ سے پیدا ہوئے ہیں۔نیز تمام اولیاء اہلِ کشف اِس بات پر متفق ہیں۔کہ تمام حضراتِ انبیائے کرامؑ وجمیع رُسُلؑ دراصل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نائب تھے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔کہ! **کنت نبیاوآدم بین الماء والطین**۔ میں (اُس وقت بھی) نبی تھا۔جب حضرت آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ یعنی کہ رسول اللہ ﷺ کے کہنے کا مفہوم ہے۔کہ! میں اُس وقت بھی بفضلِ خدا اپنی نبوت ورسالت سے بخوبی آگاہ وآشنا تھا۔جبکہ آپ ﷺ ایجادِ اجسام سے قبل جب حالتِ روح میں تھے۔اور دنیا میں تمام انبیائے کرامؑ (از حضرت آدمؑ تا حضرت عیسیٰؑ) درحقیقت آنحضرت نبی مکرم ﷺ کا نور اور عکس ہیں۔جو آپ ﷺ کی روحانیت سے ہر زمانے تک جو بھی رسولؑ پہنچتا رہا۔اور اپنے دور کے رسولؑ کی شریعت میں ظاہر ہوا۔چونکہ اُس وقت ہمارے نبی اکرم ﷺ اس دنیا میں ظاہر تو نہیں ہوئے تھے۔لیکن اُن کے زمانے کی شریعت بھی آنحضور ﷺ ہی کی شریعت کا عکس تھی۔جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔**علمت علم الاولین والآخرین**۔(یعنی کہ! مجھے اولین وآخرین سب کا علم دیا گیا ہے۔)اور روزِ قیامت تک سب آپ ﷺ کا ملک ہے۔اور دنیا کے وجود سے ہمیشہ تک آپ ﷺ کا حکم چلے گا۔جیسے کہ موجودہ دور میں چند اولیائے عظام کا حکم چلتا ہے۔چونکہ حضورِ پاک ﷺ کی اس عظیم المرتبت اُمت کے اولیائے کرامؒ حقیقی وارث ہیں۔اِسی لئے جو بھی ولی اللہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت کا وارث ہو۔اُسے محمدی کہتے ہیں۔اور جو حضرت عیسیٰؑ کی ولایت کا وارث ہوا۔اُسے عیسوی کہا جاتا ہے۔**علی ھذا القیاس**۔۔

1۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔کہ انہوں نے کہا۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا۔کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ جس نے میرے کسی ولی (دوست) سے دشمنی کی۔اِس سے میرا اعلانِ جنگ ہے۔اور میرے بندوں میں سے جس نے مجھ سے تقرب چاہا۔اور اس نے کسی ایسی شئے کو مجھ سے تقرب کا ذریعہ نہیں بنایا۔اس چیز کے مقابلے میں، جو مَیں نے اس پر فرض کیا ہے۔اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے قرب (نزدیکی) حاصل کرتا ہے۔یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔پس جب اس کو دوست رکھتا ہوں۔تو اس کی شنوائی (کانوں سے سننے کی اہلیت) ہوجاتا ہوں۔جس سے وہ سنتا ہے۔اور اس کی بینائی ہوجاتا ہوں۔جس سے وہ دیکھتا ہے۔اور اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں۔جس سے وہ پکڑتا ہے۔اور اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں۔جس سے وہ چلتا ہے۔اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے۔تو (مَیں یعنی اللہ) پورا کروں گا۔اور (وہ) پناہ مانگے۔تو پناہ دوں گا۔اور حدیث نبوی ﷺ میں ''**استعاذ ربی**'' بھی مروی ہے۔اور حدیث میں'' **اذ نتہ با لحرب**'' کے معنی ہیں۔کہ میں خود اس سے جنگ کرنے والا ہوں۔

2۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔کہ! انہوں نے کہا۔کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ بہت سے ایسے پراگندہ منہ ہیں۔جو دروازوں سے دھکے دیئے جاتے ہیں۔اس مرتبہ کے ہیں۔کہ وہ کسی بات کے لئے قسم کھالیں۔تو اللہ تعالیٰ اِن کے قول کو سچا کر دیتا ہے۔ 3۔حضرت ابی ہریرہؓ سے مروی ہے۔کہ انہوں نے کہا۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ میری اُمت باراں کی مانند ہے۔کہ معلوم نہیں ہوتا۔کہ اس کا اول اچھا ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔

اِس (آخری حدیثِ نبوی ﷺ) کی حقیقتِ جامعہ سے یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔کہ! یہ اُمت محمدی ﷺ کسی زمانہ میں کسی وقت بھی اولیائے مشائخ اور علمائے راسخین سے خالی نہیں رہے گی۔جو شریعتِ ظاہری کے علمبردار اور بطونِ حقیقت کے مظاہر ہیں۔اور یہ اپنی عمدہ باتوں یا اچھے کاموں سے اُمت کو آدابِ شریعت وطریقت کا پابند کرتے ہیں۔اور کہا گیا ہے۔کہ اس طائفہ مقدسہ کے اسلاف کا طریقہ عمل یہ رہا ہے۔کہ انہوں نے اپنے اعمال وافعال کے انوار کو اُن ریاضات ومجاہدات سے کہ جن کی شریعت میں ممانعت نہیں ہے۔حاصل کر کے اپنے مریدین اور استفادہ کرنے والوں کے بطون کو متاثر اور منور کیا۔وہ حکایات وروایات میں مشغول نہیں ہوتے تھے۔اس دور میں تصنیفات بھی کم تھیں۔اور'' **لسان الحال انطق من لسان المقال**'' یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔کہ! زبانِ حال سے زبانِ قال زیادہ گویا ہوتی ہے۔اور یہی حضرات حقیقت میں انبیاء ورسلؑ کے واقعتاً ورثاء وخلفاء ہیں۔اور

یہی اربابِ حقائقِ توحید ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو صادق فراست سے اور الہامات سے نوازے گئے ہیں۔ اور قیامِ قیامت تک رسولِ اکرم ﷺ کی مبارک سنتوں پر عمل پیرا رہنے والے ہوں گے۔ اور عالم ہمیشہ ان کے نورِ ولایت سے منور اور روشن رہے گا۔ اور ہر ایک زمانہ میں اس گروہ کے برگزیدہ اشخاص کو روشن نشانیوں (انعامات وکرامات اور فیوض و برکات) کے ساتھ مہم پر نصب کیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اس عظیم اُمت کی رہبری ورہنمائی کریں۔ اور لوگوں کو انسانی خواہشات کی پستی سے نکال کر خالقِ کائنات کی بندگی کی بلندی پر پہنچائیں۔

اہلِ تحقیق کی اصطلاح میں یہی طائفہ صوفیہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں۔ جو رسولِ مکرم ﷺ کی کامل اتباع اور پیروی کے باعث مرتبہ وصول تک پہنچ گئے ہیں۔ اور اس کے بعد یہ حضرات اس منصب پر بطریقِ متابعت ماذون و مامور کئے گئے ہیں۔ کہ اتباعِ شریعت کی لوگوں کو دعوت دیں۔ جیسا کہ حضرت امام ابوالقاسم القشیریؒ نے (اپنے رسالہ قشیریہ میں) فرمایا ہے۔ کہ! عہدِ اسلام میں کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا۔ کہ اس میں اس گروہ صوفیہ کے مشائخ میں سے کوئی شیخ جو کہ توحید ومعرفت کے مرتبہ عالی پر فائز المرام ہو۔ موجود نہ رہا ہو۔ اور اس نے عوام کی امامت کا فرض ادا نہ کیا ہو۔ اور اس زمانہ کے آئمہ اور علماء اس شیخ کے مطیع نہ رہے ہوں۔ اور اس کے حضور میں انہوں نے عجز وانکساری نہ کی ہو۔ اور اس سے برکتیں حاصل نہ کی ہوں۔

علمِ وراثت : اگر علم کا چراغ (کسی) ولی کے قلب میں نہ ہو۔ تو اُسے شرکی خبر نہیں ہوسکتی۔ اور وہ صحرائے ظلمت اور دشتِ کدورت میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔ ہاں اس علم سے مراد علمِ مدرسہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ علم ہے۔ کہ جس کو علمِ وراثت کہا گیا ہے۔ یاد رہے۔ کہ! اولیائے محمدیہ ﷺ ہی درحقیقت انبیائے کرامؑ کے حقیقی وارث ہیں۔ یہ علم تصرفاتِ الٰہیہ اور اس کی لامتناہی عنایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

مرضی مولا میں جو انسان ڈھل جاتا ہے وہ نظر کر دے اگر تو پتھر بھی پگھل جاتا ہے

واقعہ نبویہ : ایک روز حضرت رسالت مآب ﷺ حضراتِ صحابہءکرامؓ کے مجمع میں تشریف فرما تھے۔ حضرت عمر ابن خطابؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا۔ کہ یارسول اللہ ﷺ! ولی کو کیسے پہچانا جائے؟ حضرت نبی مکرم ﷺ نے جواب میں **حکایۃ عن اللہ** فرمایا۔ **اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری**۔ پھر حضرت علی المرتضیٰؓ نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ! بات سمجھ میں نہیں آئی۔ تو آنحضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ! **الولی یعرف الولی**۔ پھر حضرت علی المرتضیٰؓ عرض کیا۔ اُن کے احوال کیا ہوتے ہیں۔ تو حضور انور ﷺ نے فرمایا۔ **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ اور ہمیشہ اپنے اوقاتِ عزت میں عزیز ہیں۔ اس سے زیادہ مزید بیان کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ مزید کوئی نشانی نہیں بتانی چاہیئے۔ اس کے بعد آنے والے دور میں اولیاءاللہ ظاہر ہو جائیں گے۔ دیگر یہ بھی کہ جب تک دورِ نبوتؐ تھا۔ انبیاءؑ ورسلؑ آتے رہے۔ اس کے بعد جب خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ اس عالم میں جلوہ گر ہوئے۔ تو آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے ایوانِ نبوت کی تکمیل ہوگئی۔ اور قیامت تک کے لئے انبیاءؑ کی آمد کا سلسلہ دائماً ختم ہوگیا۔ آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبیؑ ورسولؑ نہیں آئے گا۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ بھی پہلے کے نبی ورسولؑ تھے۔ اور قربِ قیامت میں وہ دوبارہ جب تشریف لائیں گے۔ تو آنحضرت نبی مکرم ﷺ ہی کی شریعت کی اطاعت و پابندی کریں گے۔ البتہ نائبِ رسول ﷺ اور اُمتی ہونے کی حیثیت سے علماء واولیاءاللہ کا سلسلہ برابر قیامت تک جاری رہے گا۔ (ان شاءاللہ) شجرہءمتین کو قرآنِ مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ **ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السمآء تؤ تی اکلھا حین م باذن ربھا۔ ویضرب اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون**۔ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ایک پاکیزہ درخت کی ذات، کہ جس کی جڑ زمین میں گہری جمی ہوئی ہے۔ اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ (کہ) ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہے۔ ایسی مثالیں اللہ تعالیٰ اس لئے بیان فرماتا ہے۔ تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ (سورہ ابراہیم۔25)

میرے مطابق (شاید) یہاں پر **شجرۃ** سے مراد ''ذاتِ رسولِ مقبول ﷺ'' ہے۔ اور **کلمہءطیبہ** سے مراد ''دینِ رسول ﷺ'' ہے۔ اور **اصلھا ثابت** سے مراد ''اس کی ماہیت وحقیقت اور اسی کی ذات کا شعور'' ہے۔ اور **و فرعھا فی السمآء** سے مراد'' اس کا ظہورِ علوی وسفلی ہے۔ وہ ہر حسن میں ظاہر ہوا۔ اور ہر حال میں پردہءغیب سے اُس نے فیض پہنچایا۔ ولایت کو اپنے رنگ میں رنگ دیا۔ اور خود ہی صورت ومعنیٰ میں رابطہ ہوگیا۔ اور ہماری (یعنی اُمتِ محمدی ﷺ کی) جانب پہلے اُس نے دائرہ بنا دیا۔ اور پھر آخر میں ہماری (یعنی اُمتِ محمدی ﷺ کی) طرف دروازہءولایت کھول دیا۔ اور عام وخاص کا اِس سے گزر ہوا۔ فیوضِ ربانی کے نہایت جامع اور عظیم ترین خزانے ولایتِ مطلق اور ولایتِ خاص کے ہیں۔ جو کہ سراسر شریعت کی حدود میں ہی ہیں۔ ہر خاص وعام کو ولایت ہی سے فیض ہے۔ مگر یہ بے پردہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی لئے اس پر شریعت کا پردہ ڈال دیا گیا۔ جاننا چاہیئے۔ کہ! معرفت کے دوہی دروازے ہیں۔ دروازہءظاہر اور دروازہءباطن۔ دروازہءظاہر سے شریعت میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ دروازہءباطن سے کمالِ ولایت نصیب ہوتا ہے۔ کیونکہ! فیض بے پردہ ظاہر نہیں ہوا کرتا۔ اگر اس پر پردہ نہ ہو تو گرد وغبار کی طرح منتشر ہوتا رہتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ! ولایت ایسی چیز یعنی بے بہا نعمتِ عظیمہ ہے۔ کہ! جس سے ظہور حاصل کر کے ظاہر ومظاہر ہو جائے۔ ولایت اکثر جہاں نمودار ہوتی ہے۔ کتنوں ہی کو خدا تک پہنچا دیتی ہے۔ اَب ولایت ونبوت ایک ہی زندان میں مقید ہو کر یک جسم و جان ہو جاتی ہیں۔ جو تین چیزوں کا جامع ہے۔ ولایتِ مطلق، ولایتِ خاص اور شریعتِ معظم۔ یاد رہے۔ کہ! جب تک یہ تینوں یکجا نہیں ہوتیں۔ نقصان پیدا ہوتا ہے۔ جب ولایتِ مطلق میں جاتا ہے۔ تو وہاں قید نہیں ہے۔ تو حجتِ متین کہاں ہوگی۔ اور جب شریعت میں مجرد رہتا ہے۔ تو وہ ایک پوست ہے۔ مغز نہیں بن سکتی۔ کیونکہ مغز بھی تو پوست نہیں ہوتا۔ سالک جب ولایتِ خاص کو اختیار کرنا چاہے۔ تو وہ اس کے لئے مشکل ہوگا۔ کیونکہ ولایتِ خاص نے صورتِ اشخاص اختیار کی

ہے۔اوراس کالوازمہ وحدت ہے۔جس کا زینہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ ہیں۔اوراس کے خاتم ولایت حضرت امام مہدی ؓ ہیں۔ ولایتِ خاص کے اکبر زمانہ حضرت غوث پاک شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ ہیں۔اسی طرح ولایتِ خاص کے اصغر زمانہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اندلسی ؒ ہیں۔لیکن خاتمِ ولایتِ مطلق وشریعت مطلق حضرت روح اللہ عیسیٰ ؑ ہیں۔ اگر مسیحا چلے بھی جائیں۔تو بھی اس کا فیض اسی طرح سے جاری رہتا ہے۔اوراصل مدعا حاصل ہوتا ہے۔تقلیدِ ولایت کی طرف سب کی توجہ ضروری ہے۔اورولی کوشرف تین فعلوں سے حاصل ہوتا ہے۔ایک تو یہ کہ شریعتِ محمدی ﷺ پر برابر عمل پیرا رہے۔اوراس کے احکامات کونہایت اَدب سے قبول کرے۔تواس سے اس کا ظاہر آراستہ ہو۔دوسرا یہ کہ ولایتِ خاص میں استحقاق ظاہر کرے۔کہ یہ تعین وتجلی اول ہے۔جو دوسری امتوں کے مقابلہ میں زیادہ اولیت رکھتی ہے۔تیسری ولایت مطلق کہ تقیدِ وحدت میں ہے۔اوراسی سے پیدا ہوکرظہور حاصل کرتی ہے۔جس خوش نصیب نے ان تینوں فیوض وبرکات کے ساتھ تربیت حاصل کی۔وہ ضرور تکمیلِ کلی پاکروارثِ مصطفےٰ ﷺ ہوجائے گا۔(ان شاءاللہ)اورجامع شریعت وولایت ہوجائے گا۔(ان شاءاللہ)اورآنحضرت نبی مکرم ﷺ کے نقشِ قدم پر چلے گا۔(ان شاءاللہ) کیونکہ! فیضِ ولایتِ مطلق ولایتِ خاص بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے براہ راست حاصل ہوگا۔(ان شاءاللہ)اوردرمیان سے حجابات اُٹھ جائیں گے۔(ان شاءاللہ)کوئی بھی پردہ حائل نہ رہے گا۔(ان شاءاللہ)

ہر کہ او را معرفت حاصل نشد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہیچ با مقصودِ خود واصل نشد

ہر کہ عارف شد خدائے خویش را ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ در فنا بیند بقائے خویش را

طالبِ صادق کوچاہیئے۔کہ!اپنے آپ کوکسی مرشدِ کامل کے سپرد کرے۔کہ اس کے توسل وتوسط سے خود بھی مستحقِ ولایت ہوجائے۔کیونکہ! (بمصداقِ حدیثِ نبوی ﷺ) **الشیخ فی قومہ کا لنبی فی امتہ**۔اسی طرح سے علمائے ولایت کے لئے بھی ایک حدیثِ نبوی ﷺ کا یہ مفہوم ہے۔کہ! میری امت کے علماء کی مثال بنی اسرائیل کے انبیاء ؑ جیسی ہے۔ اسی طرح سے اگرکوئی شخص شریعت کی اتباع میں توراسخ ہے۔مگرطریقت سے بے خبر۔توکیا فائدہ۔اوراگرکوئی شخص طریقت میں توراسخ ہے۔مگرشریعت (ادائیگی فرائض) کا پابند نہیں۔تو بھی اُسے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔کیونکہ! اللہ تعالیٰ کا یہ ایک اٹل وحتمی فیصلہ وقانون ہے۔کہ!**ان الدین عنداللہ الاسلام**۔(یقیناً! نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے)اسی لئے تو دینِ اسلام محض دریافتِ ولایت کا نام ہے۔کیونکہ! ہرمسلم ومسلمہ پراس کی تعلیم عین فرض ہے۔تاکہ رشتۂ ولایت سے خودکووابستہ کرکے ظاہرکوشریعت سے آراستہ کرے۔اورباطن کونورِ معرفت سے مزین ومنور کرے۔حضرت نبی مکرم ﷺ نے ظاہری وباطنی معاملات کے عظیم ترین اسرارکوشایانِ شان طریقہ سے بیان فرماکرتمام عالمین تک پہنچا دیا۔اورخوداس سے عہدہ برآ ہوکراَب یہ ذمہ داریاں دوسروں (علمائے ولایت اورعلمائے حق) کے حوالے کردی ہیں۔اورقیامت تک مشائخینِ طریقت اسی راہ پرگامزن رہیں گے۔اورآنحضرت نبی مکرم ﷺ کی حق وسچ تعلیمات کی روشنی میں راہ راست سے بھٹکنے اوربہکنے سے محفوظ ومامون رہیں گے۔(ان شاءاللہ) بلکہ دوسروں کوبھی اسی راہ راست پرچلاتے رہیں گے۔**سخن الآخرون السابقون** سالکانِ طریقت اسی راہِ حق میں آگے بڑھتے رہیں گے۔(ان شاءاللہ العظیم) جب آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے سندِ طریقت کوعزت ورفعت بخشی۔اورخلفائے راشدین ؓ کوعطافرمائی۔خلفائے راشدین ؓ کے متعلق کتاب''الدیلمی شریف''میں ایک حدیثِ نبوی ﷺ دال ہے۔

انا مدینۃ العلم۔ وابوبکر اساسھا۔ وعمرحیطانھا ۔و عثمان سقفھا۔ و علی بابھا۔

ولایتِ محمدی ﷺ کی اقسام : ولایتِ محمدی ﷺ کی تین اقسام ہیں۔پہلی قسم کی ولایت تمام تصرفات کی جامع ہے۔جوکہ قطب کا خاصا ہے۔دوسری قسم کی ولایت ظاہری ہے۔اس ولایت کے تصرف ظاہری کی دواقسام ہیں۔جوکہ سلاطین کا خاصہ ہے۔اِس ولایت کی تین اقسام ہیں۔ایک وہ جومقرون بخلافت ہو،دوسری وہ جومقرون بخلافت نہ ہو۔اورتیسری قسم کی ولایت وہ ہے۔جوتصرف ظاہری اورباطنی کی جامع نہ ہو۔

مگروہ ولایتِ محمدی ﷺ جوکہ درحقیقت تمام انبیاء والمرسلینؑ کی ولایت کی جامع ہے۔اس ولایت کی صاحب فتوحاتِ مکیہ(حضرت شیخ اکبرابنِ عربی ؒ) کے قول کے مطابق چاراقسام ہیں۔جبکہ ہرقسم کی ولایت کے لئے ایک خاتم ہوتا ہے۔جن کی مختصرمگر جامع تفصیل یہ ہے۔کہ! ولایت کی پہلی قسم، جوظاہری و باطنی تصرف کی جامع ہے۔اورمقرون خلافت ہے۔اِس ولایت کے خاتم خلیفہء چہارم جناب حضرت مولاعلی المرتضیٰ ؓ ہیں۔اسی ضمن میں حضرت عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے۔کہ! رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ **انا خاتم الانبیاء و انت یا علی خاتم الاولیاء۔** (جیسے کہ) میں خاتم الانبیاء ؑ ہوں۔اوراے علی ؓ! (بالکل اسی طرح سے) تُم خاتم الاولیاء ہو۔پس اِس خاتم کوخاتمِ کبیر کہتے ہیں۔جوحضرت علی ؓ کی شخصیت بابرکت ہیں۔

ولایتِ محمدی ﷺ کی دوسری قسم، جوظاہری وباطنی تصرف کی جامع ہے۔اورمقرونِ خلافت نہیں ہے۔اِس ولایت کے خاتم جناب حضرت امام مہدی ؓ ہیں۔جودراصل آخری زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔آپ ؓ کا اسم گرامی''محمد'' ہوگا۔اورخلق میں حضرت محمدِ مُصطفےٰ ﷺ کی صورت کے مانند ہوں گے۔خلق اِن کے تابع فرمان ہوں گے۔اِن کے بعد کوئی بادشاہ نہ ہوگا۔پس یہ ولایت اِنہیں پرختم ہوگی۔ولایت کی یہ قسم خاتم صغیر کہلاتی ہے۔ ولایتِ محمدی ﷺ کی تیسری قسم، جوظاہری وباطنی تصرف کی جامع تونہیں ہے۔بلکہ صرف تصرف معنوی (باطنی) سے مخصوص ہے۔اورمقرونِ خلافت بھی نہیں ہے۔اِس ولایت کے خاتم جناب حضرت شیخ اکبرمحی الدین ابنِ عربی ؒ ہیں۔ولایت کی یہ قسم خاتم اصغر کہلاتی ہے۔ ولایتِ محمدی ﷺ کی چوتھی قسم، جو ظاہری وباطنی تصرفات کی مکمل جامع ہے۔بلکہ صرف تصرفاتِ ظاہری وباطنی اورارض وسماء سے مخصوص ہے۔اِن کے بعد کوئی ولی اللہ نہیں ہوگا۔اوراس قسم کی ولایت اِن کے ساتھ ہی ختم ہوجائے گی۔اس ولایت کے خاتم جناب حضرت روح اللہ عیسیٰ ؑ ہیں۔ولایت کی یہ قسم خاتم اکبرکہلاتی ہے۔

اقسامِ خلافت : خلافت و امامت کی چار اقسام ہیں ۔ اصالتًا ۔ وراثتًا ۔ اجازتًا ۔ اجماعًا ۔

چراغ و مسجد و منبر ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

اصالۃً : خلافتِ اصالت ایسی خلافت کو کہا جاتا ہے ۔ جو بلا واسطہ (براہ راست) حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہو ۔ یہ خاصہ ہے صرف انبیائے کرامؑ کا ہے ۔ **وراثتًا** : خلافتِ وراثت ایسی خلافت کو کہا جاتا ہے ۔ کہ کوئی پیغمبر یا شیخ اپنے اہل و قابل لڑکے یا بھائی کو اپنی جگہ مقرر کرکے خلیفہ بنائے ۔ جیسے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو مسندِ خلافت و نیابت عطا فرما کر طورِ سیناء تشریف لے گئے ۔ وغیرہ ۔ ۔

اجازتًا : خلافت اجازت ایسی خلافت کو کہا جاتا ہے ۔ کہ جب کوئی پیغمبر یا شیخ اپنے کسی رشتہ دار یا بیگانہ، یا دوست، یا مرید، یا اُمتی یا شاگرد کو اِس کا اہل سمجھتے ہوئے اُسے اپنا خلیفہ ء مجاز بنائے ۔ جیسے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت عمرِ فاروقؓ کو اور حضرت حسن بصریؒ نے حضرت حبیبِ عجمیؒ کو اپنا خلیفہ ء مجاز بنایا ۔ **اجماعًا** : خلافتِ اجماعی ایسی خلافت کو کہا جاتا ہے ۔ کہ جس میں کسی شیخ نے اپنا جانشین کسی کو مقرر نہ کیا ہو ۔ بلکہ اُس شیخ کے وصال کے بعد چند لوگوں نے جمع ہو کر متفقہ طور پر کسی کو اُس فوت شدہ شیخ کا خلیفہ مقرر کردیا ہو ۔

ہر ہر قدم پر جلوہ رنگین ہے نو بہ نو خود تنگی نگاہ جو زنجیر پا نہ ہو

چار چیزیں : جب کوئی مبتدی "محبت" کی مشق شروع کرتا ہے ۔ تو اسے چار چیزیں پیش آتی ہیں ۔ خلق ۔ دُنیا ۔ نفس ۔ شیطان ۔

مُرید : ایسا شخص جو اپنے پیرومرشد، ہادی و رہبر اور پیشوا کی جناب سے صدق قلب سے ارادت رکھتا ہو ۔ عبادات و ریاضات، حسنِ اخلاق، مشاغل و مراقبات کے ذریعے اپنے پیرومرشد کی خوشنودی کو حاصل کرنے کی صدق دل سے بھرپور سعی کرے ۔ اور اپنا سارا وقت احکامات شریعت اور پیرومرشد کی رضا میں صَرف کرے ۔ پیرومرشد اپنے مرید کو تین قسم کے غسلوں سے مغسول کرواتا ہے ۔ غسل شریعت ۔ غسل طریقت ۔ غسل حقیقت ۔

☆ **غسل شریعت** : مرید ایسا غسل کرے ۔ جیسے کہ جنابت سے پاکی کے حصول کا غسل کیا جاتا ہے ۔ اور تمام ظاہری صغیرہ کبیرہ گناہوں سے خود کو پاک کرلے ۔ اور آئندہ کوئی گناہ نہ کرنے کا مصمم عہد کرلے ۔ ☆ **غسل طریقت** :: مرید ایسا غسل کرے ۔ کہ تجرد اختیار کرے ۔ خلوت گزین ہوجائے ۔ اور اپنا وقت احکاماتِ شریعت میں صَرف کرنے کی بھرپور کوشش کرے ۔ ☆ **غسل حقیقت** :: مرید غسل کرے ۔ باطنی توبہ اختیار کرے ۔ خود کو اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور عشق میں دائمًا محو و مستغرق کرلے ۔ نیز اِس غسل میں یہ بھی شرطِ عین ہے ۔ کہ پیرومرشد کی ہر بات کو حرف آخر سمجھ کر اُس پر یقین کرتے ہوئے عمل پیرا ہو ۔ کسی بھی قسم کا شک دل میں نہ لائے ۔ کیونکہ پیرومرشد اپنے مرید کے لئے بمنزلہ ترقی و عروج اور سنوارنا ہے ۔ جو کچھ وہ کہتا ہے ۔ مرید کی کمالیت کے لئے کہتا ہے ۔ تاکہ مرید کو ولایت میں عروج حاصل ہوسکے ۔ (یادرہے ۔ کہ!) مرید دو اقسام میں منقسم ہوتا ہے ۔ مرید رسمی ۔ مریدِ حقیقی ۔

اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

☆ **مُریدِ رسمی** : ایسا مرید جس کو پیرومرشد یہ تلقین کرے ۔ کہ نادیدنی کو نہ دیکھے ۔ اور ناشنیدنی کو نہ سنے ۔ اور اپنا تمام وقت اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول میں لگاتا رہے ۔ خلوت میں رہ کر خود کو ذکرواذکار، مشاغل و مراقبات میں ہروقت مشغول رکھے ۔ نمازِ پنج گانہ اور تہجد و اشراق و چاشت کی پابندی لازم کرلے ۔ ایسے مرید کو پیرومرشد ہروقت اپنے نگاہ کرم میں رکھتا ہے ۔ اور اُسے سلوک و معرفت کی منازل بھی طے کرواتا رہتا ہے ۔

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ ہر لحظہء ہے سالک کا زماں اور مکاں اور

☆ **مُریدِ حقیقی** : ایسا مرید جس کو پیرومرشد سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھے ۔ اور منازل سلوک و معرفت بھی اُسے طے کرواتا رہے ۔ ایسا خوش قسمت مرید ہروقت اپنے پیرومرشد کی نگاہوں کے سامنے رہتے ہوئے بہت جلد سلوک و معرفت کی منازل کو طے کرتے ہوئے روحانی ترقی کے مدارج کو جلدی جلدی طے کرتا چلا جاتا ہے ۔ اگر پیرومرشد واقعی ولایت کے بلند مقام پر ہوگا ۔ تو مرید بھی ولایت کی انتہا بلندی کی پر جلدی پہنچ جائے گا ۔ انشاء اللہ ۔

فنا کا ہوش میں آنا، زندگی کا دردِ سر جانا اجل کیا ہے؟ خمارِ بادہء ہستی کا اُتر جانا

نتیجہ زندگانی کا ہے، کچھ دنیا میں کر جانا خیالِ موت بے جا ہے، وہ آئے جب تو مر جانا

بہر حال مرید صادق وہ ہے ۔ کہ جس کو دنیا میں ماسوا اپنے شیخ کے کوئی اور محبوب نہ ہو ۔ اور وہ اپنے پیرومرشد کو ہروقت، ہر جگہ پر حاضر و ناظر خیال کرے ۔ مرید کے دل و دماغ میں جو بھی نیک و بدتخیلات گزریں ۔ وہ اپنے پیرومرشد سے لازمی اظہار خیال (Discuss) کرے ۔ اگر مرید کے دل میں اپنے پیرومرشد کے بارے میں ذرہ بھر بھی کوئی شک و شبہ پیدا ہو ۔ تو وہ مرید صادق نہیں کہلا سکتا ۔ اِس ضمن میں یہ **فقیر محمد عبدالرؤف البلوشی** قارئین کی خدمت میں یہ ضرور عرض کرنا چاہے گا ۔ کہ پیرومرشد کو بھی ایک انسان (سچا مومن) خیال کریں ۔ پیرومرشد سے بھی غلطی ممکن ہے ۔ جیسے کہ ایک عام انسان غلطی کرتا ہے ۔ مگر یہ لازمی ہے ۔ کہ شریعت کے بَرخلاف اُسے مسلسل کوئی کام کرتا دیکھے ۔ تو اپنی ارادت کا سلسلہ منسوخ و منقطع کرسکتا ہے ۔

☆ **ولایت کی دو اہم اور بڑی اقسام** : (بقولِ حضرت قطبِ وقت قدوۃُ الکبرٰی ۔ ولایتِ عامہ ۔ ولایتِ خاصہ ۔)

☆ **ولایتِ عامہ** : ولایت عامہ تو تمام اہل ایمان میں مشترک ہے ۔ اور ہر صاحب ایمان اس میں شریک ہے ۔ ولایت عامہ کو لطفِ الٰہی سے قرب ہے ۔ اور اسی طرح تمام مؤمنین حق سبحانہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے قریب ہوئے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے استغفار کے ذریعے کفر سے ان کو نکال دیا ۔ اور نورِ ایمان عطا

فرما دیا۔اوروہ اس کے قریب ہوگئے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **الله ولي الذين امنوا يخرجهم من الظلمت الى النور** ۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے۔جو ایمان لائے۔اوران کو وہ تاریکی (ظلمت) سے روشنی (نور) میں نکال کرلایا۔

نہیں ساحل تیری قسمت میں اے موج ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

☆ **ولایتِ خاصه :** ولایت خاصہ اربابِ سلوک میں جو حضرات واصلانِ حق ہیں۔ان کے لئے مخصوص ہے۔

وهي عبارة عن فناء العبد في الحق وبقائه. قالوا الولي هو الفاني فيه والباقي به ۔ ترجمہ۔ اوراس سے مراد بندے کے حق میں اوراس کی بقاء میں فناء ہونا ہے۔اورولی (اللہ تعالیٰ کا دوست) وہ ہے۔جو اللہ تعالیٰ میں فانی ہو۔اوراس کے ساتھ باقی ہو۔ سیر الی اللہ کا اختتام اس وقت ہوتا ہے۔کہ درویش بادیہ وجود کو صدق کے قدموں سے یک بارگی طے کرلے۔اور سیر فی اللہ اس وقت متحقق ہوگی۔کہ اللہ تعالیٰ بندے کو وجودی اور ذاتی فنائے مطلق کے بعد تمام آلائش حدوث سے پاک فرما دے۔تاکہ وہ اس عالم میں اوصافِ الٰہی اوراخلاقِ لاتناہی سے متصف ہوکر ترقی کرے۔شیخ ابوعلی جرجانیؒ فرماتے ہیں۔کہ" **الولي هو الفاني من حاله والباقي في مشاهدة الحق لم يكن له عن نفسه اخبار لا مع غير الله قرار** ۔(ترجمہ) ولی وہ ہے۔جو اپنے حال سے فانی ہوا۔اورمشاہدہ حق میں اس طرح باقی ہو۔کہ نہ اس کو اپنے نفس کی (کوئی) خبر ہو۔اورنہ ہی غیر اللہ کے ساتھ کوئی قرار ملے۔

☆ **ولایتِ خاصه (صاحبانِ اَمر)** : ولایت کی قسم چند مخصوص اولیاء اللہؒ کو ہی حاصل ہوتی ہے۔اِس ولایت کا حامل بزرگ مشیتِ ایزدی اور تقدیرِ الٰہی کے موافق دیگر لوگوں کو بھی پلک جھپکتے میں کامل بنا دے۔بلکہ جو کشف وکرامات اورعلم لدنی اپنے پاس رکھتا ہے۔وہ مرید کو بھی اُسی لمحے عطا کردے۔اوریہ بزرگ بعداز وِصال اوربھی زیادہ فیض رساں اورمنتفع ہوجاتا ہے۔اوراپنی قبر سے لوگوں کو بھرپور فیض سے نوازتا ہے۔

☆ حضرت ابراہیم بن اُدھمؒ نے ایک شخص سے فرمایا۔کہ! کیا تم ولی (اللہ تعالیٰ کے دوست) بننا چاہتے ہو؟ اس (خوش نصیب شخص) نے کہا۔جی ہاں! تو آپؒ نے فرمایا۔تو پھرتم دنیا یا عُقبیٰ کی کسی بھی چیز کے ساتھ رُغبت نہ رکھو۔اوراپنے نفس کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے فارغ بنالو۔اوراس (ذات متعال) کی طرف متوجہ ہوجاؤ۔ یادرہے۔کہ! ولایت خاصہ مخصوص لوگوں اورواصلینِ حق کے لئے ہے۔جو کہ ایمان،ایقان اوراحسان کے ماہر ہیں۔انہی کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ! **و لكل وجهة هو موليها** ۔۔۔ ولایت خاصہ میں دوانواع ہیں۔ **وَلایَت** ۔ **وِلایَت** ۔

☆ **وَلایَت :** ولایت (بفتح واؤ) سے مراد وہ ولایت ہے۔کہ جس میں بندہ کو حق تعالیٰ کی جانب سے وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں۔جن سے طلبِ الٰہی کی استعداد رکھنے والوں پر اثرات ڈالے جاتے ہیں۔اورسالکانِ راہ طریقت کو مقاماتِ قرب تک پہنچایا جاتا ہے۔

☆ **وِلایَت :** ولایت (بکسر واؤ) سے مراد وہ ولایت ہے۔کہ جس میں بندہ کو حق تعالیٰ کی جانب سے وہ تصرفات عطا ہوتے ہیں۔جو خلق میں مقبولیت کا باعث بنتے ہیں۔مثلاً خوارقِ عادات،کرامات اورتصرفاتِ تکوینی۔ بعض حضرات کو ان میں سے کوئی ایک ولایت نصیب ہوتی ہے۔جبکہ بعض خوش نصیب اولیاء اللہ کو دونوں ولایتیں عطا کی جاتی ہیں۔بہرحال! کمالاتِ ولایت کی کوئی حد نہیں۔کیونکہ! نزول کی تو ایک حد ہے۔جو جسم پرآ کررک جاتی ہے۔مگرعروج کی کوئی حد نہیں۔اسی لئے اولیاء اللہ کے مراتب غیر متناہی ہیں۔حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ فرماتے ہیں۔کہ! ولایت کی چار اقسام ہیں۔خاتم کبیر درولایتِ محمدی۔خاتمِ صغیر درولایت محمدی۔خاتمِ اصغر درولایت محمدی۔خاتم اکبر درولایت عیسوی۔

☆ **ولایتِ مطلقه اور ولایتِ مقیده :** اِسی طرح سے بقول حضرت شیخ جہانگیر سمنانیؒ ولایت کی چاراقسام ہیں۔

☆ اول ولایت مطلقہ (جونبوت کا باطن ہے) ☆ دوئم ولایت مقیدہ ہرنبیؑ (جوہرنبیؑ کی انفرادی شان وحقیقت پرمبنی ہے) ☆ سوئم ولایتِ مطلقہ ہرنبیؑ ☆ چہارم ولایتِ مطلقہ عامہ۔

☆ پہلی قِسم کی ولایت کا خاتمہ حضرت علیؓ خود ہیں۔اِسی لئے ہی تو آپؓ نے یہ فرمایا۔کہ! اگرچاروں آسمانی کتابوں والے جمع ہوجائیں۔تو میں اِن میں سے ہرایک کو اِس کی اپنی ہی کتاب سے حکم کرسکتا ہوں۔☆ دوسری قِسم کے ولایت کے خاتمہ یعنی خاتمِ ولایت مقیدہ بہ محمد ﷺ،بقول حضرت شیخ اکبرامام محی الدین ابنِ عربیؒ خود ہیں۔☆ تیسری قِسم کے ولایت کے خاتمہ یعنی خاتمِ ولایت مطلقہ محمدی ﷺ حضرت امام مہدیؓ ہوں گے۔جو دراصل آنحضور ﷺ کی نسل میں سے ہوں گے۔☆ چوتھی قِسم کے ولایت کے خاتمہ یعنی خاتمِ ولایت مطلقہ عامہ کے خاتم حضرت عیسیٰؑ ہیں۔کہ جن کے زمانی بابرکت میں حضرت امام مہدیؓ ہوں گے۔ اِسی ضمن میں حضرت میرسید علی ہمدانیؒ فرماتے ہیں۔کہ خاتمِ ولایت مقیدہ بہ محمد ﷺ قطبِ وقت جب مقامِ محمدی کے مرتبہ پرپہنچتا ہے۔اورخاتمِ ولایت مطلقہ محمدی درحقیقت آنحضور ﷺ کے مرتبہءولایت درقدمِ محمدی پرہی پہنچتا ہے۔

خاتم کبیر درولایتِ محمدی : ولایتِ محمدی جامع ہے۔درمیان تصرفِ صُوری ومعنوی کے اورمقرون بہ خلافت ہے۔خاتم اس ولایت کے حضرت علی المرتضیٰؓ ہیں۔لہذا آپؓ کو حاملِ خاتمِ کبیر کہا جاتا ہے۔**خاتم صغیر درولایتِ محمدی :** ولایتِ محمدی جوکہ جامع ہے۔درمیان تصرفِ صُوری ومعنوی کے۔لیکن یہ مقرون بہ خلافت نہیں۔خاتم اس ولایت کے حضرت امام مہدیؓ ہیں۔آپؓ کا ظہور آخری زمانہ میں ہوگا۔آپؓ کے بعد کوئی ولی سلطان نہیں ہوگا۔اسی لئے آپؓ کو حاملِ خاتمِ صغیر کہا جاتا ہے۔**خاتم اصغر درولایتِ محمدی :** ولایتِ محمدی جوکہ جامع ہے۔درمیان تصرفِ معنوی کے ساتھ تصرفِ صُوری جمع نہیں ہوں گے۔خاتم اس ولایت کے حضرت شیخ اکبرمحی الدین ابن العربی اندلسیؒ ہیں۔اسی لئے آپؒ کو حاملِ خاتمِ اصغر کہا جاتا ہے۔

☆ **خاتم اکبر درولایتِ عیسوی** :ولایتِ محمدی ہی کا خاصہ ہے۔جوکہ جامع ہے۔کیونکہ! یہ زمانہ اوروقتِ نبوت آنحضور نبی مکرم ﷺ ہی کا چل رہا ہوگا۔ہرنبی ورسول کا ایک زمانہ ہوا کرتا ہے۔اور قیامت تک کا زمانہ آنحضرت ﷺ کے سپرد کیا گیا ہے۔درمیان تصرفِ صُوری ومعنوی کے ہے۔ خاتم اس ولایت کے حضرت عیسیٰ روح اللہ ہیں۔اسی لئے آپؑ کو حاملِ خاتمِ اکبر کہا جاتا ہے۔آپؑ کے بعد اصلاً کوئی بھی ولی نہ ہوگا۔آپؑ کے بعد بس قیامت ہے۔ایک تقسیم اولیاء اللہ کی مستورین اورظاہرین کی بھی کی گئی ہے۔اولیائے مستورین میں یہ لوگ شامل ہیں۔ قطبِ مدار،اقطاب،اثناعشر،چہل ابدال ،چہار اوتاد،چہل نجباء،سی صدنقباء،ابدالِ اقالیم سبعہ۔(یادرہے۔کہ!)ان لوگوں کے پاس یہ تصرفات اور کرامات ہوتی ہیں۔طی الارض،طی اللسان،مشی علی الماء،طیران فی الھواء اختفاءعن الناس،کیمیاءگری(عام دھات یا پتھر و مٹی سے سونا چاندی بنانا) وغیرہا۔یہ لوگ بلندآواز سے قرآنِ حکیم کی تلاوت کرتے ہیں۔ اشعار بھی پڑھتے ہیں۔مگرعوام ان کی آواز سننے سے قاصر ہیں۔جہاں سے گزرتے ہیں۔وہاں پر ٹھنڈی ہوا اور میٹھی بھینی خوشبو کا احساس کراتے ہوئے جاتے ہیں۔جس کو ہم عام لوگ بھی کبھی کبھار محسوس کرتے ہیں۔ان میں سے کچھ وجد اور رقص بھی کرتے ہیں۔کشف ومغیبات انہیں ہمیشہ یا اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت خضر نبیؑ اور حضرت الیاسؑ بھی اسی جماعت میں سے ہیں۔اولیائے ظاہرین میں یہ لوگ شامل ہیں۔قطبِ ارشادِ مطلق،قطبِ ارشادِ ناجیہ،اولیائے ابرار ،عارفین،عاشقین،موحدین،محققین،اویسیہ،ملامتیہ،طالبین،مریدین،سالکین،سائرین،طاہرین،عابدین اور واصلین۔

بندهء عشق شدی ، ترک نسب کن جامیؒ   که دریں راه فلاں ابنِ فلاں چیزے نیست

ان میں سے بعض اپنی ولایت کی اور بعض دوسروں کی ولایت کی تکمیل میں مصروف رہتے ہیں۔ان کے خوارق مستورین کے خوارقات سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔مستورین کے بعض خوارقِ عادات کو یہ حضرات خوارق ہی قرار نہیں دیتے۔بلکہ یہ لوگ کہتے ہیں۔کہ! قوائے ساویہ کو قوائے ارضیہ پر غلبہ ہونے کی وجہ سے خلافِ عادت واقعات ظہور پذیر ہوجاتے ہیں۔اور یہ کرامت فی اللہ کا نتیجہ نہیں۔اولیائے مستورین کو بیشتر کشفِ کونی ہوجاتا ہے۔جسے کشفِ صُوری بھی کہا جاتا ہے۔جبکہ اولیائے ظاہرین کو کشفِ حقائق حاصل ہوتا ہے۔جسے کشفِ معنوی بھی کہتے ہیں۔علاوہ ازیں کشف وکرامات تو عالمِ جبروت کی چیزیں ہیں۔اور عالمِ جبروت ایک درمیانی منزل ہے۔انتہائی منزل تو تسلیم ورضا اور تفویض کی ہے۔جہاں کشف وکرامات سے مطلق کسی قسم کا کوئی سروکار ہی نہیں رہتا۔کیونکہ! سالک منتہی فنائے احدیت میں مستغرق ومشغول ہوتا ہے۔اسے تو اپنا بھی ہوش نہیں رہتا۔تصرفات کرے بھی تو کون اور کس پر۔(بقولِ شاعر)

تُو زِ تُو گم شود ایں ست و بس   تُو مباش اصلا کمال ایں ست و بس

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں واضح طور پر فرمادیا ہے۔کہ! **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا یحزنون۔**(ترجمہ) خبردار ہو۔بے شک! اللہ تعالیٰ کے دوستوں (یعنی اولیائے عظام) پر کوئی خوف اور غم نہیں۔(سورہ یونس۔آیت نمبر **62**) اور فرمایا۔**نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ** ۔(ترجمہ) ہم تمھارے دنیا اور آخرت کی زندگی میں مددگار ہیں (سورہ فصلت۔آیت نمر **31**)۔اور فرمایا۔ **اللہ ولی الذین آمنوا**۔(ترجمہ)۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا مددگا (یعنی دوست) ہے۔جو ایمان لائے (سورہ بقرہ۔آیت نمبر **257**)

☆ **حدیث** : آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسے بھی ہیں۔جن پر انبیائے کرامؑ اور شہدائے عظامؓ غبط (یعنی رشک ۔برابری کی خواہش) کریں گے۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ ! وہ کون ہیں؟ان کی صفات بیان فرمائیں۔شاید ہم ان سے محبت کریں۔فرمایا۔وہ ایک قوم ہے۔جو بغیر مال ومنال کو حاصل کئے اپنے رب کی خوشنودی میں خوش (خوشحال) رہتی ہے۔ان کے چہرے منور ہیں۔اور نوری منبروں پر بےفکر بیٹھے ہیں۔وہ خائف نہیں ہوتے۔جبکہ انہیں لوگ ڈرائیں۔اور غمگین نہیں ہوتے۔جبکہ لوگ انہیں غمگین کرتے ہوں۔اور عوام گھبرارہے ہوں۔ ایک حدیثِ قدسی میں حضور مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔(کہ) جس نے میرے کسی ولی کو ایذادی۔اس نے اپنے لئے میری (جانب سے) جنگ جائز کرلی۔

یادرہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے برہانِ نبوتؐ (نبوت کی حجت) کو آج تک باقی رکھا ہوا ہے۔اور اولیائے کرام کو اس برہان کے اظہار کا سبب بنادیا ہے۔تاکہ ہمیشہ حق کے نشانات اور حضرت سید المرسلین ﷺ کی سچائی کی دلیل ہمیشگی کے ساتھ قائم ودائم رہے۔(انشاء اللہ تعالیٰ) اور ایسے خاص اولیاء اللہ کو عالم کا متصرف کردیا ہے۔یہاں تک کہ وہ تنہا اللہ تعالیٰ کی بات کے لئے وقف ہوگئے ہیں۔یعنی اولیائے کرام کے اقوال اللہ تعالیٰ کی تائید میں ناطق ہیں۔اور نفس کی متابعت کا راستہ ان پر بند ہوگیا ہے۔تاکہ آسمان سے بارش انہیں کے قدموں کی برکت سے نازل ہو۔اور ان کے احوال کی صفائی کی وجہ سے زمین سے نباتات اُگیں۔اور مسلمان کی ادعیہ کی برکت و بدولت کفار پر نصرت وسبقت اور کامرانی حاصل کریں۔

(بقولِ حضور داتا صاحبؒ)! مجھے خود بھی بحمد للہ اس بحث میں متعدد احادیثِ نبوی ﷺ واضح طور پر پہنچی ہیں۔لیکن وہ ان چار ہزار اولیائے کرام میں جو اربابِ حل وعقد ہیں۔جنہیں سرہنگانِ درگاہِ حق تعالیٰ کہا جاہے۔جو پوشیدہ رہتے ہیں۔اور ایک دوسرے کو پہچانتے بھی نہیں۔حتیٰ کہ اپنے حال کی خوبی سے بھی ناواقف ہیں۔اور تمام حالات میں خود اپنی ذات اور خلقت سے چھپے رہتے ہیں۔بلکہ اس کے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں۔اور اولیاء اللہ کا کلام اس پر ناطق ہے۔ مجھے (داتا صاحبؒ) خود بحمد للہ اس بات کے متعلق بھی خبر ملی ہے۔جو لوگ عالم میں اہل تصرف اور درگاہ حق کے سرلشکر ہیں۔وہ **300** ہیں۔جن کو اخیار کہتے ہیں۔ **40** دوسرے ہیں۔جن کو ابدال کہا جاتا ہے۔**7** اور ہیں۔کہ جن کو ابرار کہا جاتا ہے۔**4** اور ہیں۔کہ جن کو اوتاد (اوتادالارض) کہا جاتا ہے۔**3** اور ہیں۔کہ جن کو نقیب (نقباء) کہا جاتا ہے۔**1** اور ہے۔کہ جس کو غوث اور قطب کہا جاتا ہے۔یہ سب ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔اور نظام معاملات وامورِ تصرف میں ایک دوسرے کے اِذن واجازت کے محتاج ہیں۔اور اس پر احادیث ناطق ہیں۔اور اربابِ حقیقت بھی اس بات پر متفق ومتحد ہیں۔

☆ حضرت شیخ قطب الدین دمشقیؒ کی بلند پایہ کتاب ''**ارشاد الملوک**'' ترجمہ **امداد السلوک**، ماخوذاز **رسالہ مکیہ** کے فصل نمبر 20 کے تحت رقم طراز ہیں۔کہ! جان لے کہ سرورِ کائنات ﷺ کی اُمتِ مرحومہ باقی تمام اُمم میں معزز ومقبول ہے۔چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ! **کنتم خیر امۃ**۔(اے اُمتِ محمدیہ ﷺ) تم سب اُمتوں میں بہتر ہو۔نیز ارشاد فرمایا۔کہ! **و کذلک جعلنکم امۃ و سطا** ۔(ترجمہ) می اوراسی طرح ہم نے تم کو اُمتِ وسط (یعنی عادل) بنایا۔ (ماشاء اللہ وسبحان اللہ) لہٰذا قیامِ قیامت تک اِس اُمت میں ولایت قائم رہے گی۔چنانچہ فخرِ رسل ﷺ نے فرمایا ہے۔کہ! ''میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِن کی مدد کی جائے گی۔اور کسی کا مدد نہ کرنا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔''

☆ وہ جماعت دین اور علم کے حاملین کا عظیم گروہ ہے۔سچ تو یہ ہے کہ آنحضرت رسالت مآب ﷺ نے بھی انہی کے لئے یہ دعا فرمائی ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے۔جس نے میرا کلام سُن کر اُسے محفوظ رکھا۔اور پھر جیسا سنا۔ویسا ہی ادا کردیا۔اور دوسروں کو پہنچا دیا۔جو کہ محدثینِ عظام کا خاصہ ہے۔نیز حضور ﷺ نے ان کو عدول فرمایا۔اوران کو تبلیغ کے احکام کا حکم دیا۔(حدیث ہے۔کہ) تم میں سے حاضرین کو چاہیئے۔کہ غائبین کو پہنچا دیں۔اور ظاہر ہے۔کہ تبلیغ بدوں عدالت وثقاہت کے صحیح نہیں۔اور اس اُمت میں سب سے بہتر حضورِ انور ﷺ کے صحابہ کرامؓ کی عظیم جماعت ہے۔اِن کے بعد تابعین کی جماعت۔پھر تبع تابعینؒ کی جماعت اور پھر اولیائے عظام کی جماعت ہے۔چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔کہ! سارے زمانوں میں بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔(یعنی دورِ نبوت) پھر وہ جو اس کے متصل ہے۔(یعنی دورِ صحابہ) پھر وہ جواُن کے متصل ہے۔(یعنی دورِ تابعین)

ولی کو ولی کی پہچان ہونا : (بمطابق لطائفِ اشرفی)

ایک دن حضرت شیخ محمد ابن کبیرؒ (المعروف حضرت درِّ یتیمؒ) نے حضرت قدوۃُ الکبریٰؒ کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا۔کہ! اقوالِ مشائخ میں آیا ہے۔کہ! **ولی را ولی می شناسد** ۔(ولی کو ولی پہچانتا ہے) اور ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔ **اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری** ۔(ترجمہ) میرے اولیاء (یعنی اولیاء اللہ) میری قُباء کے نیچے ہیں۔اِن کو سوائے میرے کوئی نہیں پہچانتا۔اولیاء اللہ کے مذکورہ قول سے عدمِ انحصار ثابت ہوتا ہے۔یعنی کہ جس کے پاس نورِ ولایت موجود ہے۔(صرف) وہی اولیاء کو دیکھ سکتا ہے۔اور اصفیاء تک بھی اس کی رسائی ہوسکتی ہے۔اور حدیثِ قدسی سے حصر وانحصار کا اظہار ہوتا ہے۔کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی دوسرا اِن اولیائے کرام کو جو قبائے عزت کے ساکنین ہیں۔نہیں دیکھ سکتا۔اِن **مختلفُ المعانی کلمات** میں تطبیق کیسے ہوسکتی ہے۔

☆ **اطاعتِ ظاھری اور اطاعتِ باطنی** ۔ اطاعتِ ظاہری دراصل مرتبہءِ نبوت ورسالتؐ سے متعلق ہے۔جبکہ اطاعتِ باطنی مرتبہءِ ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔یاد رہے کہ! مرتبہ ولایت میں تمام صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اولیاء اللہؒ شامل ہیں۔

مرتبہءِ نبوت ورسالت ﷺ سے غایت ومُراد یہ ہے۔کہ! آنحضرت نبی اکرم ﷺ، حضرت جبرائیلِ امینؑ کی وساطت سے احکامِ خداوندی حاصل کرکے خلقِ خُدا تک پہنچاتے ہیں۔جبکہ! مرتبہءِ ولایت یہ ہے کہ! مقام ''**لی مع اللہ** '' کے وقت حضرت جبرائیلِ امینؑ کی وساطت کے بغیر آنحضرت ﷺ براہِ راست (**Direct**) حضرتِ حق سبحانہ تعالیٰ سے اُخذِ فیض کرتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

لوگوں کی اکثریت حضرت رسولِ خدا ﷺ کی اطاعتِ ظاہری میں رہ گئی۔اور بہت ہی کم لوگ قرآنِ پاک کی آیتِ کریمہ ''**یھدی من یشآء الی صراط مستقیم** ''وہ (اللہ تعالیٰ) جسے چاہتا ہے۔ سیدھے راستے کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔(بقرہ۔142) کی منشاء کے عین مطابق اسرارِ ولایت سے بہرہ ور ہوکر اطاعتِ باطنی میں مشغول ہوئے ہیں۔یہی حضرات اہلِ باطن کہلاتے ہیں۔جبکہ فرقہ اوّل الذکر کو اہلِ ظاہر کہا جاتا ہے۔

اہلِ ظاہر کا دارومدار (بعداز ادائیگیءِ فرائض وسنن) اجماع ودلائل اور رائے وقیاس پر ہے۔جبکہ اہلِ باطن کا دارومدار خوش خلقی، اخلاص وتقوی وتوکل وراضی بر رضائے الٰہیہ پر منحصر ہوتا ہے۔جن کا حصول بطریقِ **کسبی** اور **وھبی** دونوں طرح سے ہوسکتا ہے۔کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہی ممکن ہوتا ہے۔اِسی ضمن میں حضرت قدوۃ الابرار خواجہ عبیداللہ احرارؒ اپنے رسالہ اشغال میں فرماتے ہیں کہ! آنحضرت رسالت پناہ ﷺ اِس بات پر مامور تھے۔کہ اسرارِ مرتبہءِ ولایت بغیر طلبِ صادق کسی کو تعلیم نہ فرمائیں۔اور یہی سنت درحقیقت اہلِ باطن کا معمول ومروج رہی ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب**۔

(**بقولِ البلوشی**) جب رسول اللہ ﷺ جملہ نسلِ انسانی بلکہ تمام مخلوقات میں معزز ومکرم اور برگزیدہ ٹھہرے۔تو کمالِ انسانی کا انحصار بھی آپ ﷺ ہی کے اتباع پر رہے گا۔اور پھر اُن مقدس ہستیوں (فقہاء ومجتہدین) کے اتباع پر جنہوں نے آپ ﷺ کی پیروی میں پوری صداقت اور پورے استقلال اور ثابت قدمی کا اظہار فرمایا۔مثلاً خلفائے راشدینؓ وآئمہ اطہارؓ وصحابہ کرامؓ واولیائے متقدمینؒ ومتاخرین۔اس اتباع کی بھی دو اقسام ہیں۔ظاہری اور باطنی۔متابعتِ ظاہری مرتبہءِ نبوت سے متعلق ہے۔اور متابعتِ باطنی مرتبہءِ ولایت سے تعلق رکھتی ہے۔چونکہ نبوت کا باطن ولایت ہے۔ظاہر کو باطن سے مدد ملتی ہے۔اور باطن سے ہی ظاہر کی پرورش ہوتی ہے۔اور باطن ہی کی جانب سے ظاہر کو فیضان پہنچایا جاتا ہے۔باطنی پہلو یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ سے تعلق قوی ہو۔اور اس میں استغراق وفنائیت حاصل کی جائے۔اسی کا انعام ولایت ہے۔جبکہ ظاہری پہلو یہ ہے۔کہ! اس باطنی تعلق کی بناء پر جو کچھ عالمِ قدس سے حاصل کیا گیا ہو۔اُسے خلق تک بطریق مناسب ومفید پہنچایا جائے۔یہ نبوت ہے۔اور نبوت سے اُن احکاماتِ شریعت کی جانب اشارہ ہے۔جو آنحضور نبی مکرم ﷺ عالمِ قدس سے بواسطہءِ حضرت جبرائیلِ امینؑ حاصل فرما کر خلق کو پہنچاتے ہیں۔ولایت درحقیقت وہ فیضانِ اسرارِ توحید ہے۔جو حضور سرورِ کائنات ﷺ کے مقامِ لی مع اللہ میں بلا وساطتِ حضرت جبرائیلؑ براہ راست حق سبحانہ تعالیٰ سے اُخذ فرماتے ہیں۔عارفین کے اس قول میں کہ! ''**الولایۃ افضل من النبوۃ** ''یعنی

ولایت نبوت سے افضل ہے۔ چونکہ ہر نبی و رسول ولی ہوتا ہے۔ مگر آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی چاہے کتنا ہی بڑا ولی اللہ کیوں نہ ہو۔ وہ مرتبہ نبوت و رسالت کو کبھی چھو بھی نہیں سکتا۔ نبوت یا رسالت تو سرکاری رحمانی عطائی عہدوں کے نام ہیں۔ جبکہ ولایت ذاتِ حق سے ایک ذاتی تعلق کو کہا جاتا ہے۔ آنحضور نبی مکرم ﷺ کے بعد سلسلہ ءنبوت تو ویسے بھی ہمیشہ کے لئے بند ہو چکا ہے۔ لہٰذا جو ولی نبی نہیں ہوتا۔ وہ انوارِ ولایت کا استفاضہ کمالاتِ نبی سے حاصل کرتا ہے۔ لیکن ہر نبی نورِ نبوت اور کمالات نبوت کو اپنی ہی ولایت کے آفتاب سے اُخذ کرتا ہے۔ اور کسی غیر کا محتاج اور تابع نہیں ہوتا۔ نبیؑ مثلِ آفتاب کے ہے۔ جو خود بھی روشن ہے۔ اور دوسروں کو بھی روشنی (نور) بخشتا ہے۔ جبکہ ولی مثل ماہتاب کے ہے۔ جو آفتابِ نبوت سے نور اُخذ کرتا ہے۔ اسی لئے اس پر متابعتِ آفتاب اُس پر لازم ہوتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ ولایت کمال کو نہیں پہنچتی۔ نبوت ظاہر نہیں ہوتی۔ قوتِ نبوت حسبِ قوتِ ولایت ہوتی ہے۔ جیسے کہ حضرت آدمؑ جنت میں ولیء کامل تھے۔ لیکن جب وہ زمین پر تشریف لائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُنؑ کو مقام و مرتبہءنبوت پر فائز المرام فرمایا۔ کیونکہ! نبوت تشریع و تکلیف کا نام ہے۔ دنیا تکلیف کا گھر ہے۔ جبکہ جنت تو کرامت و مشاہدہ کی جگہ و قیام گاہ ہے۔

عشق رومیؒ عشقِ جامیؒ عشقِ کوہِ طُور عشقِ حبشیؓ عشقِ قرنیؓ عشق ہے منصورؒ

اَولیائے مکتوم : حضرت قدوۃُ الکبریٰؒ نے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ احتمال ہے۔ کہ ان اولیائے کرام سے مراد اولیائے مکتوم ہیں۔ یعنی وہ چار ہزار اولیاء اللہ جو باری تعالیٰ کے قبائے عزت میں محجوب ہیں۔ اور حق تعالیٰ کے ماسوا کوئی دوسرا ان سے آگاہ نہیں۔ اِن کے احوال کا جمال ہمیشہ غیروں سے مخفی رہتا ہے۔ اور یہ گمان غالب ہے۔ کہ غیروں سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اسرارِ ولایت سے محروم ہیں۔ اور انوارِ ہدایت سے مہجور ہیں۔ اور وہ حضرات جو اپنے اوصاف جمیلہ کی فنائیت کے بعد یعنی اپنی قدرت، ارادت سمع اور بصر کو حق تعالیٰ کی قدرت، ارادت، سمع و بصر میں فنا کر چکے ہیں۔ اور قربِ نوافل کی منزل (جس میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کی زبان، کا ہاتھ، پاؤں اور فعل بن جاتا ہے) پر فائز المرام اور متمکن ہیں۔ یا اس گروہ کے برعکس وہ حضرات جو قربِ فرائض حاصل کر چکے ہیں۔ یعنی اربابِ قربِ نوافل وصاحبانِ قربِ فرائض میں سے کوئی بھی گروہ ہو۔ وہ اغیار میں داخل نہیں ہیں۔ حضرت قدوۃُ الکبریٰؒ نے فرمایا۔ کہ اولیائے مکتوم دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں۔ جن کے بارے میں ابھی بیان کیا گیا ہے۔ اور ایک طائفہ ایسا بھی ہے۔ کہ وہ ہمیشہ یکانگی کے پیراہن میں ملبوس رہتے ہیں۔ (یعنی کہ عام اولیاء اللہ اور فقراء کے ظاہری احوال کی طرح ان کی حالت و کیفیت نہیں ہوتی) چنانچہ جو غیر ہیں۔ وہ انہیں نہیں پہچان سکتا۔

حکایت : (اسی ضمن میں) شیخ محمد شنگرف سے منقول ہے۔ کہ! جب سلطان محمود غزنویؒ کے والدِ محترم جناب امیر سبکتگینؒ ہرات شہر میں پہلے مرتبہ تشریف لائے۔ تو اس کے لشکریوں میں سے ایک سپاہی نے ایک دہقان (کسان) سے گھاس کا گٹھا خریدا۔ اور اس کی پوری قیمت ادا کی۔ اور نہایت مہربانی سے پیش آیا۔ اور اس دہقان سے کہا۔ کہ تم میرے گھوڑے کے لئے پھر گھاس لے کر آنا۔ اسی طرح سے جب گھاس کی خرید و فروخت (سپاہی اور دہقان کے مابین) جاری رہی۔ تو اس دہقان کے والد کی اس سپاہی سے دوستی ہوگئی۔ اسی زمانہ میں عید قرباں (عیدالاضحیٰ) کا یوم عرفہ (یوم حج) آ گیا۔ اس دہقان نے کہا۔ کہ آج کے دن لوگ حج ادا کر رہے ہوں گے۔ کاش میں بھی آج وہاں ہوتا۔ تو سپاہی نے کہا۔ کہ اگر تم چاہو۔ تو میں تمھیں وہاں پر پہنچا دوں؟ لیکن شرط یہ ہے۔ کہ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ اس نے وعدہ کر لیا۔ کہ وہ اس بات کا کسی سے ذکر نہیں کرے گا۔ اس لشکری (سپاہی) نے اسی دن اسے عرفات کے میدان میں (بکرامتِ طی الارض بحفاظت پہنچا دیا۔ دونوں نے حج ادا کیا۔ اور پھر واپس آ گئے۔ دہقان نے (حسرت و حیرت سے) کہا۔ کہ مجھے سخت تعجب ہے۔ کہ آپؒ اس حال (بزرگی و کرامت) کے مالک ہیں۔ اور سپاہیوں میں شامل ہیں۔ صاحبِ حال سپاہی نے کہا۔ کہ اگر مجھ جیسے لوگ لشکر میں نہ ہوں۔ تو پھر تم جیسے کمزور اور ضعیف لوگوں کی دادرسی کون کرے گا؟ اگر لشکری کسی عورت کو زبردستی لے جائیں۔ تو اس عورت کو اِن ظالموں کے ہاتھ سے کون چھڑائے گا؟ (اسی لئے تو ہم عوام الناس کی خدمت اور دادرسی و معاونت کے لئے شاہی لشکر کی سپاہ میں بطور سپاہی شامل ہیں) پھر آپؒ نے ارشاد فرمایا۔ کہ لوگوں کو چشمِ حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دوست (اولیائے مکتومان) محجوب رہتے ہیں۔ جب تک کہ (کسی میں اہلیت و خاصیت) بصیرت و فراست صادق نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اختیار نہ جتاؤ۔ کہ شاید نتیجہ میں خود اپنے ہی اوپر ظلم کرو۔ تقریباً زبان کو ہر فشاں سے فرمایا۔

(پھر) حضرت قدوۃُ الکبریٰؒ نے مزید ارشاد فرمایا۔ کہ! مَیں نے حضرت شیخ علاؤالدین سمنانیؒ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے۔ کہ! جو کوئی ولایت کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ اور مخلوق کی نگاہوں سے اس کو چھپا دیتا ہے۔ پس ''**اولیاء تحت قبائی**'' کے بھی یہی معنی ہیں۔ اور یہ قبا بشریت کی صفت ہے۔ کپڑے وغیرہ کا پردہ نہیں۔ اور بشریت کا خاصہ نہیں۔ کہ ان کا عیب بیان کرے۔ یا ان کے ہنر کو لوگوں کی نظر میں بشکلِ عیب ظاہر کیا جائے۔ (کیونکہ) **لا یعرفھم غیری** کے یہی معنی ہیں۔ کہ جب تک کسی کے باطن کو اللہ تعالیٰ نورِ ارادت سے منور نہیں فرماتا۔ اس وقت تک وہ ولی اللہ کو نہیں پہچانتا۔ پس حقیقت میں شناخت تو وہ نور کرتا ہے نہ کہ انسان۔ (یعنی کہ جب نور ہی نے شناخت کی۔ تو اس کا مطلب ہے۔ **لا یعرفھم غیری**۔ کہ اللہ تعالیٰ نے شناخت فرمائی۔) یہ ارشادِ گرامی بھی حضرت شیخ علاؤالدین سمنانیؒ کا ہے۔ کہ درویش لوگ جو کہ کام میں مشغول ہیں۔ مناسب ہے۔ کہ ناکاروں کے لئے اُن تک آنے کو راستہ ہی نہ ہو۔ کیونکہ ایک بے کار آدمی درحقیقت کام کرنے والے صد ہا آدمیوں کو بھی بے کار کر دیتا ہے۔

یہی حدیثِ قدسی کتاب **کشف المحجوب** (حضرت سید علی ہجویریؒ) اور کتاب **احیاء العلوم** (حضرت امام غزالیؒ) میں یوں ہے۔ کہ! اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلِ اُمینؑ سے فرمایا۔ اور حضرت جبرائیلؑ نے آنحضور ﷺ کو بتایا۔ کہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم غیری الا اولیائی**۔ (ترجمہ) میرے دوست (اولیاء اللہ) میری قبا () کے اندر ہیں۔ انہیں میرے اور میرے دوستوں کے ماسوا کوئی نہیں جانتا۔

☆ مکتومان یعنی اولیائے پوشیدہ جو کہ دراصل مجموعی طور پر چار ہزار ہیں۔ ہر زمانے میں ہوتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے بھی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اپنے حال کے جمال کو پہچانتے ہیں۔ وہ کل احوال میں اپنے آپ سے اور خلقِ خدا سے مستور (پوشیدہ) ہیں۔ اِسی ضمن میں لطائفِ اشرفی میں لکھا ہوا ہے۔ کہ! اکثر مکتومان (اولیائے مخفیہ) غیر آشنا ملبوسات میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔ جنہیں موحد اہلِ باطن کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں پہچانتا۔

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

بقولِ بعضے! طریقت بجز خدمتِ خلق نیست   بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

افراد : یہ لوگ قطب کے حلقہ سے باہر ہوتے ہیں۔ کوئی دوسرا قطب اِن پر اپنا تصرف نہیں کرسکتا۔ ساری کائنات میں اِن کی تعداد صرف تین 03 یا اِس سے زیادہ ہوتی ہے۔ ''افراد'' اپنے مناصب پر بڑے استحکام سے حکومت کرتے ہیں۔ انسانوں کے علاوہ ملائکہ میں بھی افراد ہوتے ہیں۔ مگر اِن کا دائرہ کار صرف آسمانوں تک ہی محدود رہتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے جمال وجلال میں مستغرق رہتے ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ میری اُمت میں تین ایسے افراد ہیں۔ جو تیز رو سواریوں پر بیٹھ کر مشرق ومغرب کی سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ اور اپنے فرائض سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ یہ حضرات بعض اوقات حضرت خضر نبیؑ کی ملاقات سے بھی بے نیاز ہوتے ہیں۔ ایسے افراد میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا اسمِ مبارک درخشاں نظر آتا ہے۔ بلکہ آپؒ کو سیدالافراد کہا جاتا ہے۔

افراد کا مقام : (بمطابق حضرت امام ابنِ عربیؒ)

افراد کسی قطب کے تابع نہیں ہوا کرتا۔ قطب کے تصرف اور احکامات سے یہ آزاد ہوا کرتا ہے۔ اِسی طرح سے علیین کے فرشتے قطب سے بیعت نہیں کرتے۔ آپؒ اپنی کتاب ''فتوحاتِ مکیہ'' میں رقم طراز ہیں۔ کہ قطب سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہوتا۔ حضرت آدمؑ سے آنحضور نبی کریم ﷺ تک پچیس قطب ہو گزرے ہیں۔ آپؒ نے لکھا ہے۔ کہ مَیں نے عالمِ برزخ میں اِن تمام کی زیارت کی ہے۔ میں ان دنوں قرطبہ میں قیام پذیر تھا۔

گئے دن کہ تنہا تھا مَیں انجمن میں   یہاں اَب میرے راز دار اور بھی ہیں

مقام قطبیت کی خواہش : (حضرت عبدالوہاب الشعرانی المصریؒ)

حضرت شیخ احمد دباغ صاحب اپنی کتاب ''رضائے الٰہیہ اور جنت کا راستہ'' میں فرماتے ہیں۔ کہ! حضرت امام عبدالوہاب الشعرانی شاذلیؒ جو کہ ایک بہت بڑے ولی اور باعمل عالم ہوگزرے ہیں۔ اپنا ایک ذاتی واقعہ اس طرح سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ!

حکایت :(بمطابق کتاب انوارالقدسیہ فی بیان آداب العبودیہ) اس دن (یعنی 17 رجب 931 ہجری پیر) میرے دل میں اولیاءاللہ کے مقامات کی طلب اور شوق کا جذبہ بڑی قوت کے ساتھ جوش زن ہوا۔ یعنی مقاماتِ اولیاء کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔ کہ اے کاش! ایسے بلند مقامات (یعنی غوث، قطب وابدال وغیرہا) ان کے احوال، علومِ لدنیہ اور باطنی آنکھ سے دوسرے جہانوں کا مشاہدہ مجھے بھی نصیب ہوتا۔ مَیں اپنے آپ کو بہت چھوٹا اور حقیر سمجھنے لگا۔ اور اس خیال کی وجہ سے میری زندگی تلخ ہوگئی۔ دل بھی تنگ ہوگیا۔ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر رضامندی نہیں پائی جاتی۔ یہ تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اعتراض ہے۔ کہ مجھے ایسے مقامات اور احوال عطا نہیں کئے گئے۔ اس کے نتیجے میں مجھے فکر لاحق ہوئی۔ کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے مَیں بے ایمان ہوکر ہی نہ مَر جاؤں۔ مجھ پر اس قدر پریشانی چھاگئی۔ کہ! میرے ہوش گم ہو گئے۔ اور مَیں منہ اُٹھا کر ایک طرف کو نکل گیا۔ یہاں تک کہ مِصر کی قدیم آبادی جو ''نسطاط'' کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں جا پہنچا۔ اور مَیں ایک روضہ کے مقابل بحالتِ پریشانی بیٹھ گیا۔ اس وقت مجھ پر ایک غنودگی (نیم نینداورنیم بیداری) کی سی حالت طاری ہوگئی۔ اور ایک غیبی آواز مجھے سُنائی دینے لگی۔ لیکن جسم یا کوئی بندہ نظر نہ آتا تھا۔ اللہ جانے وہ کوئی فرشتہ تھا یا کوئی اللہ تعالیٰ کا ولی! بہرحال وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فرمارہے تھے۔ کہ!

اے میرے بندے! اگر مَیں تجھ کو تمام کائنات کے بارے میں علم دے دوں۔ یہاں تک کہ ریت کے ہر ذرے کی تعداد اور اس کے ہر ذرے کا نام اور تمام نباتات (یعنی درختوں، پودوں، گھاس وغیرہا) کی اقسام اور ان کے اسماء اور ہر ایک کی عمر بتا دوں۔ اور حیوانات (جانوروں) کے اسماء، اقسام اور عمریں بتادوں۔ اور تمام وحشی جانوروں، پرندوں، حشرات الارض اور مچھلیوں (یعنی جملہ آبی مخلوقات) اور زمین پر رہنے اور چلنے والے تمام جانداروں کا نسب اور ان کی پہلی پیدائش تک بتلادوں۔ آسمانوں اور اِن میں رہنے والے ملائکہ، مخلوقات اور فرشتوں کے اسماء، عمریں، مقامات، اور آسمانوں اور زمینوں کے ملکوت اور عجائبات یہاں تک کہ جنت اور جنت میں رہنے والے ملائکہ، حوروغلمان، محلات وباغات اور جو بھی کچھ جنتوں میں ہیان کا علم دے دوں۔ اور جو کچھ دوزخ اور ان کے اندر چھپا ہوا ہے۔ وہ سب تیرے ہاتھ پر ظاہر کردوں۔ تو ان سب باتوں سے میری بندگی اور عبدیت، قرب ورضا کے کسی درجے پر بھی نہ پہنچے گا۔

حضرت عبدالوہاب الشعرانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! ابھی یہ کلام ختم بھی نہ ہوا تھا۔ کہ میرے دل میں مقاماتِ اولیاء میں سے کسی بھی مقام کی اور نہ ہی دُنیا میں کسی مقام ومرتبہ کے حصول کی ہوس رہی۔ اور نہ ہی آخرت میں۔ غرضیکہ جب وہ خواہش بالکل ہی جاتی رہی۔ اور دل کو بھی خالص اخلاص میسر ہوا۔ تو مَیں نے ایک ایک بال اور خون کے قطرے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اس عطا (انعام واحسان) پر رب متعال کی حمد وثناء اور اُس کا شکر ادا کیا۔

مَرد ے باید کہ باشد شہ شناس   تا شنا سا شہ ء او ہر لباس

بادشاہ کو پہچاننا مَرد کا کام ہے۔ کہ ہر لباس میں اُسے (بادشاہ کو) پہچان لے۔

مقام قطبیت : (بمطابق حضرت امام مجد دالف ثانیؒ)

قطبیت کا مقام جو کہ دقیق علوم کا منشاء ہے۔ظلی مقام ہے۔اور فردیت کا مقام دائرہ ءاصل کے معارف کے ورود کا واسطہ ہے۔ان دونوں حالتوں (یعنی مقامِ قطبیت و مقامِ فردیت) کے حصول کے بغیر ظل اور اصل کے درمیان فرق و امتیاز نہیں ہوسکتا۔ وارثانِ نبوت کی دو قسمیں ہیں ۔ 1۔ نبیؑ کی نبوت کے کمالات کے وارث۔ 2۔ نبیؑ کی ولایت کے کمالات کے وارث۔ ☆ اَب اگر اول الذکر لوگ اہلِ منصب ہیں ۔تو امامت کے منصب اور مرتبے پر فائز المرام ہوتے ہیں ۔اور اگر وہ اہلِ منصب نہیں ہیں ۔تو کمالاتِ امامت کے مرتبے پر فائز رہتے ہیں ۔ ☆ اسی طرح سے ثانی الذکر لوگ اگر اہلِ منصب ہیں ۔تو خلافت کے منصب کے حامل ہوتے ہیں ۔ورنہ کمالاتِ خلافت سے حصہ پاتے ہیں ۔ ☆ بہر حال کمالاتِ امامت کا تعلق معارف ذاتیہ اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جبکہ! کمالاتِ خلافت ، تجلیات صفاتیہ سے متعلق ہوتے ہیں ۔لیکن یاد رہے۔کہ! منصبِ امامت اور منصبِ خلافت کا تعلق دائرہ اصل سے ہے۔۔۔قطبِ فرد کا مرتبہ معارفِ دائرہ ءاصل کے ورود کا واسطہ ہے۔ظاہر ہے۔کہ! قطبِ ارشاد و قطبِ مدار سے قطبِ فرد کا درجہ بلند ہوتا ہے۔کیونکہ! امامت کا منصب خلافت کے منصب سے بہر حال افضل و اعلیٰ اور مقدم ہے۔جیسا کہ اصالت اور ظلیت کا فرق واضح ہے۔قطبِ مدار اُمورِ تکوینیہ پر مامور ہوتا ہے۔جبکہ قطبِ ارشاد دعوت و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔قطبِ فرد اکثر عروجی مراتب میں رہتا ہے۔اگر نزول کرے۔تو مخلوق کو قطب الارشاد سے زیادہ فیض پہنچا سکتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

☆ **غوث** : تمام دنیا میں ایک وقت میں ایک ہی غوث ہوا کرتا ہے۔جس کا نام **عبداللہ** ہوتا ہے۔غوث کا ویسے تو مسکن مکہ معظّمہ ہی ہے۔لیکن یہ مسکن دائمی نہیں۔اکثر بزرگانِ دین ، جو کہ غوث ہو گزرے ہیں ۔وہ مکہ معظّمہ میں سکونت نہیں رکھتے تھے۔چنانچہ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ زیادہ تر بغداد میں رہتے تھے۔حضرت غوث شیخ ابوالعباس قصابؒ آمُل میں رہتے تھے۔حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ جو کہ غوثِ وقت تھے۔وہ بھی مکہ میں نہیں رہتے تھے۔آپؒ فقط **25** برس کی عمر میں سمنان (ایران) سے سرزمین ہندوستان تشریف لے آئے تھے۔اولیائے اکملین کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت و کرامت ودیعت کی ہے۔کہ وہ بیک وقت کئی جگہوں پر موجود ہو سکتے ہیں ۔اور طرفۃ العین (پلک جھپکنے میں) طی الارض کے ذریعے مختلف مقامات پر اپنے آپ کو ظاہر کر سکتے ہیں ۔

غوث کے وصال کے بعد عمداء میں سے کسی ایک کو (کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور رسالت مآب ﷺ کی خصوصی نظر مبارک ہو) کو مقرر کر دیا جاتا ہے۔جب کوئی عُمداء میں سے رحلت کرتا ہے۔تو اخیار میں سے کسی ایک کو (کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور رسالت مآب ﷺ کی خصوصی نظر مبارک ہو) کو مقرر کر دیا جاتا ہے۔علیٰ ہذا القیاس۔۔۔جب نُقباء میں سے کوئی نقیب فوت ہوتا ہے۔تو عوام الناس میں سے کسی عام شخص کو (کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور رسالت مآب ﷺ کی خصوصی نظر مبارک ہو) کو مقرر کر دیا جاتا ہے۔(یاد رہے۔کہ) بعض مشائخ ایک ہی شخص کو غوث اور قطب لکھتے اور سمجھتے ہیں۔نفحاتُ الانس میں حضرت شیخ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ رقم طراز ہیں۔کہ! ایک ہی شخص کے دو اسماء ہیں۔قطب و غوث۔لیکن یاد رہے کہ اسی طائفہ کے سردار حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ اپنی اکثر تصانیف میں فرماتے ہیں ۔کہ! غوث الگ ہے۔اور قطب الاقطاب جُدا۔ چنانچہ حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ لطائفِ اشرفی میں فرماتے ہیں ۔کہ! اگر غوث اور قطب کا وجود دنیا میں نہ ہو۔تو سارا جہاں زیروزبر ہو جاوے۔(واللہ اعلم بالصواب)۔لیکن جب غوث یا قطب ترقی کرتے ہیں ۔تو افراد بن جاتے ہیں ۔یعنی یہ لوگ مرتبہ فردانیت پر فائز ہو جاتے ہیں ۔

کافر نشدی او لذت ایماں چہ شناسی   خود را نہ پرستی عرفاں چہ شناسی

چار اوتاد : (بمطابق کتاب مرآۃ الاسرار) یہ چار اوتاد دنیا کے چاروں حصص (مشرق۔مغرب۔شمال اور جنوب) میں رہتے ہیں ۔ان میں سے عبدالودود نامی اوتاد مغرب میں رہتا ہے۔اور اِن میں سے عبدالرحمٰن نامی اوتاد مشرق میں ، عبدالرحیم نامی اوتاد جنوب میں رہتا ہے۔اور ان میں سے عبدالقدوس نامی اوتاد شمال میں رہتا ہے۔جب اِن میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے۔تو نائبین میں سے کسی ایک کو (کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور رسالت مآب ﷺ کی خصوصی نظر مبارک ہو) اُس فوت شُدہ کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔دنیا کے چاروں حصص اِنہی چار اوتادوں سے پُر ہیں ۔چنانچہ! یہ زمین کو ساکن رکھنے کے لئے پہاڑ کا سا کام دیتے ہیں ۔جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **والجبال اوتادا**۔(سورہ نباء۔آیت 7) یعنی پہاڑ مثلِ اوتاد کے ہیں ۔

☆ **نُقباء** : تمام نُقباء کی تعداد تین سو ہے۔اور تمام نقباء کے اسماء "**علی**" ہیں ۔اِن کا مسکن ارضِ مغرب ہے۔یعنی ارضِ سویدا۔جہاں دن کی لمبائی صبح سے چاشت کے وقت تک کے برابر ہوتی ہے۔باقی سب رات ہوتی ہے۔لیکن وہ نماز (کرامت) طی الارض (طی الارض کا مطلب ہے۔زمین کا سمٹ جانا۔یہ ایک ایسی کرامت ہے کہ! اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم اور کرامت سے چشمِ زدن میں محض ایک لمحہ کے اندر ہزاروں ، لاکھوں میل کا فاصلہ طے کیا جا سکتا ہے) کے ذریعے سورج کی تاثیر دیکھ کر مقررہ وقت پر ہی ادا کرتے ہیں ۔اور پانچوں اوقات کی نماز اور تہجد باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں ۔

☆ **نُجباء** : تمام نُجباء کی تعداد ستر ہے۔اور تمام نجباء کے اسماء "**حسن**" ہیں ۔ان کی سکونت بلادِ مصر میں ہوتی ہے۔

☆ **اخیار** : تمام اخیار کی تعداد سات ہے۔اور تمام اخیار کے اسماء "**حسین**" ہیں ۔اخیار ہمیشہ سیاحت میں رہتے ہیں ۔کیونکہ اِن کو کہیں بھی سکون و قرار نہیں آتا۔

☆ **عُمداء** : تمام عُمداء کی تعداد چار ہے۔اور تمام عُمداء کے اسماء "**محمّد**" ہیں ۔یہ دنیا کے مختلف گوشوں میں رہتے ہیں ۔

☆ **مفردین** : جو درحقیقت حضرت علی المرتضیٰؓ کے قلب پر ہوتے ہیں۔ اور حضرت علیؓ دراصل آنحضرت ﷺ کے قلب پر ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ! علیؓ ابن ابی طالب کے سوا مجھے کسی نے حقیقتِ نبوت میں نہیں دیکھا۔ کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھے خلق (پیدا) کیا۔

☆ **قلندر** : قلندر درحقیقت سریانی زبان کا لفظ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ عوام الناس کہتے ہیں۔ کہ قلندر بھی دیگر سلاسل طریقت کی طرح ایک روحانی سلسلہ ہے۔ جیسے قادری، چشتی۔۔۔ لیکن میرے (مؤلف کتاب البلوشی) کے مطابق ''قلندریہ'' درحقیقت ایک مشرب کا نام ہے۔ یہ ایک سلسلہ ءطریقت کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا بدرجہا بہتر ہوگا۔ کہ قلندر ایک روحانی کیفیت، حالت اور طبیعت کا نام ہے۔ جس میں کہ صاحب ولایت (یعنی قلندر) تجرید وتفرید میں یکتا اور دنیا و مافیا سے بے نیاز و لاپرواہ ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی کیفیت کشف اور ولایت کی وجہ سے تمام عالم کا حال اُس پر روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ ایسا شخص ایک ہی وقت میں مجذوب بھی ہوتا ہے۔ اور سالک بھی۔ بحالتِ صحو بھی رہتا ہے اور سکر میں بھی۔ اِن میں اکثریت خود کو سلسلہ ازدواج سے بھی منسلک نہیں کرتے۔ اور ایسے صاحب ولایت کو بسلسلہ اویسیہ **Directly** حضرت علی المرتضیٰؓ سے فیوضات و برکات حاصل ہوتے ہیں۔ یعنی کہ قلندری سلسلہ کی مکمل رہنمائی، پرورش، سیاق وسباق اور روحانی تربیت حضرت مولیٰ علی شیر خدا کے ذمہ کرم پر ہوتی ہے۔ اکثر علمائے کرام اور اولیائے عظام کا اِس بات پر قوی اتفاق ہے۔ کہ! اِس وقت تک فقط اڑھائی قلندر ہوئے ہیں۔ ☆ حضرت بوعلی قلندر پانی پتیؒ۔ ☆ حضرت شہباز قلندر۔ ☆ آدھی قلندر یعنی حضرت رابعہ بصریؒ۔

لیکن میرے (مصنف کتابِ مستطاب اَسرارِ محبوب کامل) خیال کے مطابق اِن اڑھائی قلندروں کے علاوہ دیگر کئی ایسے اولیاء اللہ بھی گزرے ہیں۔ جن میں قلندری صفات و کیفیات اور فیض (اَز جانبِ حضرت علی المرتضیٰؓ) خصائل وفضائل پائے جاتے تھے۔ بہرحال! علمائے متصوفین نے قلندروں کی دو اقسام کا ذکر کیا ہے۔ قلندرِ مہری اور قلندرِ قہری۔

☆ **قلندرِ مہری** : قلندرِ مہری صفت کے حامل اولیاء اللہ آبادی میں رہتے ہیں۔ اور لوگوں کے ہاتھوں سے یا لوگوں کا پکا ہوا کھانا، پینا و مشروب بخوشی کھاتے پیتے ہیں۔ ایسے لوگ بعض اوقات کسی ایک جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔ قلندرِ مہری والی صفت کے حاملین اولیائے عظام میں کچھ اولیاء تو چلتے پھرتے اپنی جملہ زندگی گزار دیتے ہیں۔

☆ **قلندرِ قہری** : قلندرِ قہری صفت کے حامل اولیاء اللہ آبادی سے دور جنگلوں، بیابانوں، ویرانوں یا غیر آباد جگہوں میں بستے ہیں۔ اور لوگوں کے ہاتھوں سے یا لوگوں کا پکا ہوا بالکل نہیں کھاتے پیتے۔ لوگ ایسی صفت کے حامل کو مست ملنگ یا مست قلندر کہتے ہیں۔ ایسے لوگ تنہا پسند، خلوت پسند اور متوکل علی اللہ ہوتے ہیں۔ صفتِ **صمدیت** اِن کی پہچان ہوتی ہے۔ قلندرِ قہری والی صفت کے حاملین اولیائے عظام میں اکثر اولیاء تو چلتے پھرتے دنیا و مافیا سے الگ تھلگ رہتے ہوئے اپنی پوری زندگی گزار دیتے ہیں۔

عام لوگوں میں مشہور ہے۔ کہ قلندری سلسلے کے لوگ صِرف حالتِ جذب میں رہتے ہیں۔ اِن کو اپنا ہوش بھی نہیں رہتا۔ اور اِن میں اکثریت چرس، بھنگ اور دیگر نشے وغیرہ کرتے ہیں۔ اُن پر نماز روزہ و دیگر تمام فرائض معاف ہوتے ہیں۔ یہ محض جھوٹ، افتراء، اور بہت ہی عظیم بہتان ہے۔ ولی چاہے کسی بھی حالت میں ہو۔ وہ بہرصورت شریعت کا لازمی پابند ہوتا ہے۔ یاد رہے۔ کہ! ہر ولی اللہ کو شریعت پر مکمل عمل پیرا ہونے کے بعد ہی ولایت نصیب ہوتی ہے۔ کشف واستدراج تو کئی غیر مسلموں کو بھی حاصل ہے۔

☆ **خضرِ وقت** : خضرِ وقت اولیاء پر حضرت خضر نبیؑ کی طرح علمِ لدنی منکشف ہوتا ہے۔ اور وہ اسرارِ الٰہی سے بھی کافی حد تک وقوف وادراک رکھتا ہے۔ ایسا شخص جس پر ایک نظر ڈالے۔ اُس کو کامل کردے۔ مگر ایسے لوگ بہت قلیل ہوتے ہیں۔ خِضرِ وقت جیسے لوگ بھی ہو گزرے ہیں۔ جیسے حضرت پیران پیر دستگیر، حضرت بایزید بسطامی، حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت باقی باللہؒ، سیدی عبدالعزیز دباغؒ اور حضرت سلطان باہوؒ وغیرہ۔

☆ **مجذوب** : صوفیاء و اولیاء اللہ میں مجاذیب ایسی صفت و کیفیت کے حامل شخص کو کہا جاتا ہے۔ جو ہر وقت مستی کے عالم میں رہتا ہو۔ اور اُس کا پتا نہ چلے۔ کہ کب وہ حالت سکر میں آئے۔ اور کب حالت صحو میں ہو۔ یعنی کہ اُس کی کیفیات اُس کے اپنے دائرہ اختیار میں نہ ہوں۔ (اِس ضمن میں فقیر حقیر پر تقصیر قارئین کی خدمت میں عرض گزار ہے۔ کہ مجذوب بھی قلندر کی طرح ایک کیفیت وطبیعت کا نام ہے۔ یہ کوئی سلسلہ طریقت نہیں ہے) مجاذیب کی مزید دو اقسام ہیں۔ مجذوبِ ازلی۔ مجذوبِ کسبی۔

☆ **مجذوبِ ازلی** (مجذوب وہبی): اولیاء اللہ میں مجذوبِ ازلی یا مجذوبِ وہبی ایسے شخص کو کہتے ہیں۔ کہ!

وہ بروزِ میثاق (جب **الستُ بربکم** کی صدا لگی تھا۔) تو مجذوبِ ازلی کی ارواح نے ''**بلیٰ**'' کہہ کر رب العزت کے مشاہدہ جمال لایزال سے مست ہوگئے۔ اور تمام خواہشات وشہواتِ دنیاوی ولذاتِ اُخروی کو اپنے دل و دماغ سے نکال باہر کیا۔ اور جب وہی عالمِ ارواح سے عالم اجساد یعنی دنیا میں تشریف لائے۔ تو اُسی طور بے خبر ہی رہے۔ اور یہی لوگ عالم برزخ میں بھی مست والست ہوتے ہوئے جنت میں داخل ہوجائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یاد رہے۔ کہ مجذوبِ ازلی مقامات ومنازل سیر وسلوک اور معرفت وحقیقت کا وقوف وادراک سے نابلد ہوتے ہیں۔ ہاں البتہ! جس قدر روزِ اول سے ایسے لوگوں کو معلوماتِ ولایت حاصل تھیں۔ یہ لوگ اُسی منزل پر ہی مستقل (مستقر) ٹھہرے رہے۔ اور اکثر مجاذیب کو نہ تو مکاشفہ کونی ہوتا ہے۔ اور نہ ہی مکاشفہ ذاتی۔

ہیں کدھر آج، قدر داں کمال کے   کاغذ پہ رکھ دیا ہم نے کلیجہ نکال کے

☆ **مجذوبِ کسبی** (مجذوبِ بے اختیاری): اولیاءاللہ میں مجذوب کسبی یا مجذوبِ بے اختیاری ایسے اولیاء کو کہا جاتا ہے۔ کہ یہ لوگ عالم ارواح سے عالم اجسام میں دنیا کے اندر بحالت ہوشیاری تشریف لائے۔ اور مدت تک سمجھ بوجھ میں ہی رہا۔ مگر اتفاقاً کسی کامل پیرومرشد کا مرید ہوا۔ اور مرشد نے اپنے خاندان کے موافق صدری تعلم وتلقین فرمائی۔ مگر جب سلطان الاذکار کی نوبت پہنچی۔ اور ہر جانب سے غلبہ انوار حاصل ہونے لگا۔ تو بے اختیار ہو کر ہوش وخرد کے جامہ سے باہر نکل آیا۔ ایسے اشخاص اگر سلطان الاذکار کے متحمل ہوتے۔ تو سالکین میں سے ہوتے۔ اور بہت بلند درجات پاتے۔

کتاب مخزن الاسرار الالٰہیہ میں لکھا ہے۔ کہ! ایک طائفہ اولیاء اللہ کا مجاذیب وقلندروں کا ہے۔ جو کہ جناب سرورِ عالمین سید المرسلین ﷺ کے سامنے اُن کے حواسِ ظاہری کے ساتھ مگر ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک پیالہ کہ جس کے اندر سرخ رنگ کا شربت خوشبودار اور لذیذ ہوتا ہے۔ پلایا جاتا ہے۔ اور وہ لوگ محض نور کی جانب متوجہ و مائل کئے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں مجذوب حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

نگارِ من کہ بمکتب نہ رفت و خط نہ نوشت — بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

صاحبِ مرآۃ الاسرار مشہورِ زمانہ کتب نفحات الانس اور عوارف المعارف کے حوالوں سے فرماتے ہیں۔ کہ! اولیاءاللہ العُظام کے طبقات کے مراتب اِن کے درجات کے مطابق تین ہیں۔ ☆ **واصلین وکاملین**۔ ☆ **سالکانِ طریقِ کمال**۔ ☆ **اہلِ نقصان**۔

واصلین وکاملین: پہلا طبقہ یعنی واصلین وکاملین ومقربین اور سابقین، سالکین ابرار، اصحابِ یمین، مقیمانِ اسرار، اصحابِ شمال، اور اہلِ وصول، بعد از انبیاءؑ ہیں۔ اِس طبقہ اول کی بھی دو اقسام ہیں۔ پہلی مشائخِ صوفیہ کی ہے۔ جو رسولِ اکرم ﷺ کی کمال متابعت کی وجہ سے مرتبہ وصول (وصال در حب اللہ) تک پہنچ کر اِس کے بعد مخلوق کی ہدایت پر مامور ہوئے ہیں۔ اِن کو کاملانِ مکمل بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خلقِ خدا کی ہدایت اور تکمیل پر مامور ہوتے ہیں۔ جبکہ قسم ثانی اُن حضرات پر مشتمل ہے۔ جو وصول کے بعد خلقِ خدا کی طرف رجوع وتوجہ نہیں کرتے۔ کیونکہ اِنہیں یہ خدمت (Duty) تفویض نہیں ہوئی ہے۔

☆ **سالکین**: دوسرا طبقہ سالکین کا ہے۔ سالکین کی بھی دو اقسام ہیں۔ 1۔ طالبانِ حق۔ 2۔ طالبان آخرت وبہشت۔

طالبانِ حق کی مزید دو اقسام ہیں۔ **1. متصوفہ۔ 2. ملامتیہ۔**

☆ **متصوفہ**: جو اپنے نفس کی بعض صفات سے خلاصی حاصل کر لیتے ہیں۔ اور اوصافِ حسنہ میں سے بعض اوصاف اور احوال سے متصف ہو جاتے ہیں۔ ☆ **ملامتیہ**: ملامتیہ وہ لوگ ہیں۔ جو اخلاص کی سختی سے نگہداشت کرتے ہیں۔ اور اپنے تمام اوقات میں اخلاص کی تحقیق کی طرف مکمل طور پر متوجہ رہتے ہیں۔ جس طرح کہ ایک گناہ گار اپنے گناہ کے ظہور سے پُرخوف رہتا ہے۔ اِسی طرح سے یہ لوگ اپنی طاعت کے ظہور سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کیونکہ اِس سے ریا کا گمان پیدا ہوتا ہے۔ ملامتیہ فرقہ کے بعض لوگ مشربِ قلندریہ کو بھی اپنے اندر شمار کرتے ہیں۔

فقراء، ملامتیہ اور متصوفہ میں بنیادی طور پر یہ فرق ہے۔ کہ! فقراء طالبِ بہشت اور خواہانِ حظِ نفس ہیں۔ جبکہ ملامتیہ اور صوفیہ طالبِ حق اور اِس کے قرب کے خواہاں ہیں۔ اِس مرتبے سے اوپر فقر میں ایک مقام ہے۔ جو کہ ملامتیہ اور متوصفہ کے مقامات سے بلند تر ہے۔ وہ صوفیہ کا وصفِ خاص ہے۔ کیونکہ اگر چہ صوفی کا مرتبہ فقر کے مرتبہ سے بلند ہے۔ اور مقامِ فقر کا خلاصہ صوفی کے مقام میں مندرج ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ صوفی کو مقامِ فقراء پر تمام شرائط ولوازم کے ساتھ عبور حاصل ہوتا ہے۔

بہر حال فقر ایک لازوال نعمت مترقبہ ہے۔ جو خوش نصیب لوگوں کو ہی میسر ہوسکتی ہے۔ یعنی کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہو۔ جیسا کہ رب العالمین فرماتا ہے۔ کہ! **ذالک فضل الله یؤ تیه من یشآ ء. والله ذوالفضل العظیم.** ترجمہ: یعنی کہ! یہ اللہ تعالیٰ کا (خصوصی) فضل ہے۔ جسے چاہے۔ عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

سالک: طریقت کی راہ کے چلنے والے کو سالک کہا جاتا ہے۔ اور سلوک یہ ہے۔ کہ! جو کچھ مقسوم ومقدور میں ہے۔ وہ بزرگوں کی تعلیم وتلقین اور تربیت سے آہستہ آہستہ حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اور جیسے جیسے راہبر و راہنما چلتے چلتے منزل مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔ ایسے ہی سالک بھی اپنے راہبر و رہنما یا پیرومرشد وشیخ طریقت کی ہدایات پر مَن وعَن عمل پیرا ہو کر سلوک ومعرفت کی کٹھن راہوں کو طے کرتے ہوئے واصل مقصود ہو ہی جاتا ہے۔ منزل کسی کو جلدی یا بدیر مل جانا کچھ مقدر اور زیادہ تر محنت پر منحصر ہے۔ بشرطِ کہ! اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال ہو۔

طالبانِ آخرت کے چار گروہ: زہاد (جمع زاہد)، عُباد (جمع عابد)، خُدام (جمع خادم)، فقراء (جمع فقیر)

☆ **زہاد** وہ ہیں۔ جو نورِ ایمان ویقین سے آخرت کے جمال کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور دنیا کی بُرائی اِن کی نظروں میں ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ زہاد اور صوفیہ میں یہ فرق ہے۔ کہ! زاہد اپنے حظِ نفس کی وجہ سے حق سے محجوب رہتا ہے۔ کیونکہ بہشت حظِ نفس کا مقام ہے۔ اور صوفی مشاہدہ جمال ازلی میں ہردو عالم سے محجوب رہتا ہے۔ ☆ **عُباد** وہ گروہ ہے۔ جو ہمیشہ مختلف عبادات، نوافل اوراد ووظائف وغیرھم میں مشغول رہتے ہیں۔ اور ہمیشہ آخرت کے ثواب کی اُمید میں رہتے ہیں۔ اگر چہ یہ وصف صوفی میں بھی ہوتا ہے۔ لیکن صوفی حق کی خاطر پرستش کرتے ہیں۔ نہ کہ ثوابِ اُخروی کی خاطر۔ بنا کسی لالچ وطمع دینی و دنیاوی۔۔۔ ☆ **خدام** وہ گروہ ہے۔ جو فقراء اور طالبانِ حق کی خدمت اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اپنے اوقات کو فرائض کی ادائیگی کے بعد معاش اور امدادِ خلق میں صَرف کرتے ہیں۔ وہ اِس بات کو نوافل پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور جائز طریق سے طلبِ معاش کرتے ہیں۔ اِن میں سے بعض کسب کے ذریعے، بعض بھیک

مانگ کر، بعض لینے دینے اور بعض فتوحِ غیب کے ذریعے سے۔ لیکن اِن کی نظر ہمیشہ حق پر ہی رہتی ہے۔ اور اِس حالت میں خادم اور شیخ دونوں کی حالت ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے۔ لیکن خادم اور شیخ میں بنیادی فرق یہ ہوتا ہے۔ کہ! خادم کی خدمت اُمیدِ ثواب پر منحصر ہوتی ہے۔ لیکن اِس میں مقیّد نہیں ہوا جا سکتا۔ جبکہ شیخ مرادِ حق سے قائم ہوتا ہے۔ نہ کہ مرادِ نفس سے۔ یعنی صرف حق کا طالب ہوتا ہے۔ ☆ **فقراء** : جو اپنے آپ کو دنیا کی کسی چیز کا مالک و مختار نہیں سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنا سب کچھ ترک کر دیتے ہیں۔ اِن حضرات کا ترک تین وجوہات کی بناء پر ہوا کرتا ہے۔

پہلی وجہ تخفیفِ حساب اور خوفِ عُتاب ہے۔ کیونکہ حلال کا تو حساب ہوتا ہے۔ جبکہ حرام کا عذاب۔ دوسری وجہ توقعِ فضلِ ثواب اور جنت میں داخل ہونے میں سبقت کا حصول ہے۔ کیونکہ فقراء لوگ اغنیاء سے پانچ سو برس قبل بہشت میں داخل ہوں گے۔ اور تیسری وجہ جمعیتِ خاطر اور سکونِ قلب ہے۔ تاکہ یکسوئی اور حضورِ قلب کے ساتھ عبادت میں مشغول رہ سکیں۔ حضرت سلطان العارفین سلطان باہو ؒ فرماتے ہیں۔ کہ! ولایت میں سب سے بلند اور اعلیٰ مرتبہ ''فقر'' کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اَب تک پانچ سلاطینِ فقر کو پیدا فرما چکا ہے۔ جبکہ باقی دو نے ابھی آنا ہے۔ مَیں ان سات میں سے پانچویں نمبر پر ہوں۔

اِس بات کی مزید توضیح ہم حضرت فقیر نور محمد سروری قادری ؒ کی کتابِ مستطاب ''**مُخزن الاسرار**'' سے بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ ہم بھی ثوابِ دارین میں شامل ہو سکیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

رسالہ روحی شریف (مصنفہ حضرت سلطان باہو ؒ) میں ایک مسئلہ جس کی تشریح و توضیح نہایت ضروری ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ علمائے ظاہر (مادہ پرست) کے اعتراضات کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے۔ کہ! کہ رسالہ روحی شریف میں دنیا کے تمام اولیاء اللہ ؒ میں سے صِرف سات **07** معزز و ممتاز اولیاء اللہ ؒ کو سلاطینِ فقراء اور حضرت سید الکونین ﷺ کے جلیل القدر احباب کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ جن میں سے پانچ محترم المقام ہستیاں دنیا میں تشریف لا چکی ہیں۔ جن کی ترتیب یہ ہے۔ ☆ **اول روحِ پاک حضرۃ جنابہ خاتونِ جنت فاطمۃ الزہراء طیبہ و طاہرہ** ؓ۔

کیونکہ! آنحضور نبی آخرالزماں ﷺ نے اپنی پاک باز محترم بیٹی کے بارے میں خود فرمایا ہے۔ کہ! **فاطمۃ بضعۃ منی. من اذاھا فقد اذانی. ومن ابغضھا فقد ابغضنی۔** **ترجمہ** : فاطمہ ؓ میری جان کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اِسے ایذا پہنچائی۔ (بلا شبہ) اُس نے مجھے ایذا پہنچائی۔ اور جس نے اِن سے بُغض رکھا، گویا! اُس نے مجھ سے بُغض رکھا۔ ☆ **دوئم روحِ محترم جناب حضرت خواجہ حسن بصری** ؓ (خلیفہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ)۔ ☆ **سوئم روحِ مبارک جناب حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی ثم بغدادی** ؒ۔ ☆ **چہارم روحِ مکرم جناب سید عبد الرزاق بن سید عبد القادر جیلانی** ؒ۔ ☆ **پنجم روحِ معظم جناب سلطان العارفین حضرت سلطان باہو** ؒ۔

حضرت سلطان باہو ؒ اپنے اسی رسالے ''رسالہ روحی شریف:: میں مزید فرماتے ہیں۔ میرے بعد مزید دو فقراء نے اِس دنیا میں تشریف لانا ہے۔ جب تک وہ دونوں اِس دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ قیامت قائم نہیں ہوگی۔ اور اِن سات اولیاء اللہ کے قدم تمام اولیاء اللہ (غوث، قطب وغیرہا) کے سَر پر ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (رسالہ روحی شریف آگے دیا گیا ہے) فقر کے سلسلے میں چند احادیث نبویہ ﷺ بھی پیشِ خدمت ہیں۔ جیسے کہ! ☆ **الفقر فخری وبہ وافتخر علیٰ سائر الانبیاء یوم القیامۃ.** **ترجمہ** : فقر کے کمال پر مجھے فخر ہے۔ اور اسی بے مثل کمال (فخر) کے باعث، مَیں بروزِ قیامت تمام انبیائے کرام ؑ کے درمیان سَر بلند ہوں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) ☆ **الفقر فخری وبہ والفقر منی.**

ترجمہ : فقر میرا فخر ہے۔ اور فقر ہی میرا اصل ترکہ و ورثہ ہے۔ یاد رہے۔ کہ! آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں کبھی بھی کسی بھی حالت و کیفیت یا چیز پر فخر نہیں کیا ماسوائے ''فقر'' کے۔ یہاں تک کہ اپنے نبی و رسول ہونے پر بھی فخر کا اظہار نہیں فرمایا۔ مگر آپ ﷺ نے فقر پر فخر کیا۔ ☆ **الفقر عز لا ھلہ۔ ترجمہ** : فقر (درحقیقت) اہلِ فقر کے لئے موجبِ عزت ہے۔

حضرت سید شیخ عبد القادر جیلانی ؒ سے کسی نے فقر کی تعریف پوچھی۔ تو آپ ؒ نے فرمایا۔ ☆ **لیس الفقیر من لیس لہ درھم ولا دینار بل الفقیر من قال لشیء کُن فَیَکُون** ۔ **ترجمہ** : دنیائے باطن میں فقیر (درحقیقت) وہ نہیں۔ کہ جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ بلکہ (اصل) فقیر (تو) وہ ہے۔ جو کسی شئے کے لئے کہہ دے۔ ہو جا۔ پس (بلاشبہ) وہ ہو جائے۔ (یعنی اُس کے پاس ''**کُن**'' کی کنجی ہر وقت موجود ہو) بہرحال! مختلف کتب میں فقر کی ایک اور تعریف یہ بھی آئی ہے۔

☆ **الفقر اذا اتم فھو اللہ.** ترجمہ : یعنی کہ جب فقر کا مرتبہ تمام ہو جاتا ہے۔ تو بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔

☆ **مُراد** : مراد وہ ہے۔ کہ جس کی رضا کا شیخ یعنی پیر و مرشد خود متلاشی ہو۔ اس کی ہر لغزش سے بلامؤاخذہ اُسے مطلع کرے۔ اور اُس کی تھوڑی سی عبادت کو زیادہ سمجھ کر قبول کرے۔ اس بات سادہ لفظی میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ کہ! مرید محبّ ہے۔ اور مراد محبوب۔ یعنی مرید طالب ہے۔ اور مراد مطلوب۔ بقولِ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ؒ! در سینہ عاشقاں ہمہ درد نہند

☆ **صُوفی** : صوفی اولیاء اللہ میں سے ایسی پاک نفس ہستی کو کہا جاتا ہے۔ کہ! کہ! جس کا ظاہر و باطن ہمیشہ پاک و مصفی رہتا ہو۔ اور بوقتِ عبادت اُس کے اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے حصول کے لئے متفرق ہو کر ذکر و اذکار کر بندر ہتے ہوں۔ اگر کسی ایسی حالت میں سلطان الاذکار حاصل ہو جائے۔ تو صوفی بہت سرعت کے ساتھ منازل سلوک و معرفت طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور بہت جلد مقامِ فنا فی اللہ سے گزر کر بقا باللہ کی طرف پہنچ کر واصل باللہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے حضرات قلیل ہوا کرتے ہیں۔ جیسے کہ! حضرت امام مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ؒ اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی ؒ وغیرہ۔۔ مشائخ

صوفیہ درحقیقت رسولِ اکرم ﷺ کی کمال متابعت کی وجہ سے مرتبہ وصول (وصال درحب اللہ) تک پہنچ کر اِس کے بعد مخلوق کی ہدایت پر مامور ہوئے ہیں۔ ان کو کاملان مکمل بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ خلقِ خدا کی ہدایت اور تکمیل پر مامور ہوتے ہیں۔ اور اپنی ذمہ داری کو بخوبی نبھاتے ہیں۔

اگر نہ ہو اُلجھن تجھے ، کھول کر کہہ دوں ۔۔۔ وجودِ حضرتِ انسان نہ روح ہے نہ بدن

☆ **صُوفی ابن الوقت**: صوفی ابن الوقت وہ ہے۔ کہ! ظاہر و باطن تو پاک و مصفی رکھتا ہو۔ لیکن ایسا شخص اپنی طبیعت و کیفیت میں نہ اپنی مرضی سے بے ہوشی طاری کرسکتا ہے۔ اور نہ ہی اپنی مرضی سے ہوش میں آسکتا ہے۔ مگر جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ (بے ہوشی یعنی کیفیت فنا فی اللہ) ایسا شخص اُس کی طرح ہے۔ کہ جس کو بخار یا لرزہ طاری ہوجائے۔ تو وہ اپنے امراض کو اُتارنے پر قادر نہ ہوسکے۔ ☆ **صُوفی ابوالوقت**: صوفی ابوالوقت وہ ہے۔ کہ! ظاہر و باطن پاک و مصفی رکھتا ہو۔ ایسا شخص اپنی طبیعت و کیفیت میں جب چاہیے ہوشی طاری کرلے۔ اور جب چاہے۔ ہوش میں آجائے۔ (بے ہوشی یعنی کیفیت فنا فی اللہ) ایسا شخص صوفی ابن الوقت سے بدرجہا اولیٰ و بہتر ہوتا ہے۔ یہ درجہ حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی ؒ کو حاصل تھا۔

☆ **صحابی ، تابعی اور ولی کا بیان**: علمائے کرام ؒ کے نزدیک صحابی ؓ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے۔ کہ جس نے آنحضرت رسولِ اکرم ﷺ کے زمانہ ہی میں اسلام قبول کیا ہو۔ اور شریعتِ محمدی ﷺ کو اپنایا ہو۔ اگر چہ اُن (صحابی ؓ) کو آنحضور ﷺ کی صحبتِ بابرکت میسر نہ ہوئی ہو۔ جبکہ تابعی ؒ ایسے مسلمان شخص کو کہا جاتا ہے۔ کہ جس نے رسول آخرالزماں ؑ کے کسی صحابی ؓ کی زیارت کی ہو۔ اگر چہ مجالست و مصاحبت نہ بھی ہوئی ہو۔ اور ولی ایسے متقی مسلمان کو کہا جاتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنا دوست گردانتے ہوں۔ اور وہ متقی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں ہر چیز کو کوئی اہمیت نہ دے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ **اللہ ولی الذین آمنوا**۔ اللہ تعالیٰ ان کا ولی (دوست) ہے۔ جو ایمان لائے۔

چنانچہ اِسی بابت (مشہور کتاب) **حلیۃ الاولیاء** میں ابونعیم ؒ نے ایک حدیثِ نبوی ﷺ نقل کی ہے۔ کہ! جب آنحضرت رسولِ مکرم ﷺ سے ولی (ولایتِ خاصہ) کی تعریف دریافت کی گئی۔ کہ! **یارسول اللہ ﷺ! اولیاءاللہ کون ہیں؟** تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ وہ وہ لوگ ہیں۔ جب ان کو دیکھا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔ ایک اور **حدیثِ قدسی** میں یوں آیا ہے۔ کہ میری مخلوق میں میرے محبین و اولیاء وہ (خوش نصیب لوگ) ہیں۔ کہ میرے ذکر کے ساتھ ان کا ذکر کیا جائے۔ اور میں اُن کے ذکر سے یاد کیا جاؤں۔ اِسی طرح حقائق اسلمی میں آیا ہے۔ کہ جناب حضرت عیسیٰ روح اللہ ؑ سے فرمایا گیا۔ کہ اُن (پاک باز لوگوں) کے پاس اُٹھنا بیٹھنا اختیار کرو۔ کہ جن کی زیارت تمھیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے۔ اور آخرت کی رُغبت دلائے۔ (کیونکہ) یہی ہے ولایتِ خاصہ۔ حق تعالیٰ سے ہم دست بستہ دعاگو ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و کرم اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کے توسل و تصدق سے ہمیں اور جملہ طالبین کو ولایتِ خاصہ سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆ **اولیائے کرام کے مبادیءِ فیوض**: اولیاء دو اقسام کے ہوتے ہیں۔ 1۔ محمدی المشرب۔ 2۔ غیر محمدی المشرب۔

☆ **محمدی المشرب**: یہ الیاء اللہ محبوب بالذات ہوتے ہیں۔ اور سرورِ عالم ﷺ کے زیرِ قدم ہیں۔ اور آپ ﷺ کے ہی مشرب اور مبداءِ فیض سے اقتباسِ فیض کرتے ہیں۔ اس لئے اُن کے مبادیءِ فیوض '' ظلال شیونات علم '' ہیں۔

☆ **غیر محمدی المشرب**: یہ اولیاء اللہ محبوب بالعرض یا محبّ ہوتے ہیں۔ اور یہ اولیاء دیگر انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے زیرِ قدم ہیں۔ اور ان کے مشارب مبادیءِ فیوض سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے مبادیءِ فیوض '' ظلالِ صفات ثبوتیہ '' ہیں۔

☆ **فیضِ رحمانی**: بمطابقِ مشائخین! سالک کو ذاتِ حق تعالیٰ (مبداءِ فیض) سے جو فیض پہنچتا ہے۔ اس کی مزید دو اقسام ہیں۔ فیضِ تخلیقی۔ فیضِ کمالاتی۔

☆ **فیضِ تخلیقی**: انسان کی ایجاد و تخلیق کا سبب فیضِ تخلیقی کہلاتا ہے۔ یہ فیض انسان کو صفات کے توسط و توسل سے حاصل ہوتا ہے۔

☆ **فیضِ کمالاتی**: مسلمان کے ایمان و معرفت اور کمالاتِ نبوت و ولایت کا سبب فیضِ کمالاتی کہلاتا ہے۔ یہ فیض بعض کو صفات کے توسط و توسل سے اور بعض کو شیونات (شان کی جمع) کے توسط و توسل سے حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً سرورِ کائنات خلاصہءِ موجودات ﷺ مبداءِ فیضِ تخلیقی صفات ہیں۔ اور مبداءِ فیضِ کمالاتی شیونات ہیں۔

تیرے خیال نے بخشی تھی جو ، وہ خوشی نہ رہی ۔۔۔ گلوں میں رنگ ، بہاروں میں دلکشی نہ رہی
میری نوشت میں تھی خاکِ ہر جہاں ورنہ ۔۔۔ تمھارے فیضِ نظر میں ، تو کچھ کمی نہ تھی
تم اپنے عہدِ جوانی کو رو رہے ہو ورنہ ۔۔۔ ہم اپنے حال پہ روتے ہیں ، کہ زندگی نہ رہی
اسی وثوق سے ہم میکدے میں آئے ہیں ۔۔۔ تیری نگاہ کو دیکھا ، تو تشنگی نہ رہی
ہزار کہئے کہ آگِ دل لگی میں لگی ۔۔۔ جب آگ لگ ہی گئی ، تو دل لگی نہ رہی
طلب طلب ہے ، مگر دَور بد نصیب سا ہے ۔۔۔ کہ خواجگی تو رہی ، بندہ پروری نہ رہی
بڑے یقین سے دیکھی تھی ، ہم نے صبحِ اُمید ۔۔۔ قریب پہنچے تو واصف وہ روشنی نہ رہی

حکایت : ایک درویش کی کسی بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ بادشاہ نے کہا۔ کچھ مانگئے۔ درویش نے فرمایا۔ مَیں اپنے غلاموں سے کوئی حاجت روائی نہیں چاہتا۔ بادشاہ نے متعجب ہوکر پوچھا۔ یہ کس طرح؟ درویش نے فرمایا۔ میرے دو غلام ہیں۔ اور وہ دونوں تیرے مالک و مصاحب ہیں۔ ایک حرصِ دنیا اور دوسرا طول امل یعنی اُمیدِ غیر متناہی۔

قال الاشرف : ان اللہ ناصر الذین اٰمنوا ثم اخراجھم عن حجب الطبیعت و کشف عن قلو بھم نورالا حدیت۔

(ترجمہ) حضرت اشرفؒ نے فرمایا۔ کہ! اللہ تعالیٰ اِن حضرات کا مددگار ہے۔ جو ایمان لائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِن کو حجاب ہائے طبیعت سے باہر نکالا۔ اور نورِ احدیت اِن کے قلوب پر ظاہر کیا۔ اگر اِس علم سے علمِ مدرسہ (دراست) مقصود ہوتا۔ تو پھر علمائے ظواہر ہی سرحلقہ روزگار اور پیشوئے اصفیائے نامدار ہوتے۔ اور ایسا نہیں ہے۔ اس لحاظ سے یہ ثابت ہوا۔ کہ ولی کو علمِ وراثت کا عالم ہونا چاہیئے۔ اس موقع پر حضرت نورالعین نے عرض کیا۔ (تو پھر) علمِ وراثت سے کیا مراد ہے؟ آپؒ نے فرمایا۔ علمِ وراثت (دراصل) وہ علم ہے۔ جو بغیر تعلیم (اور مدرس) سے حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا سبق ہے۔ کہ بغیر رابطہ تکلم کے سمجھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میت کا ترکہ۔ جس کے بارے میں کہ علمائے ظواہر میں مشہور ہے۔ کہ رشتہ قرابت سے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ جبکہ وہ علم (یعنی کہ علمِ وراثت درحقیقت) علمِ لدنی ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ایسے آیا ہے۔ **وعلمنہ من لدنا علما** ۔ (ترجمہ) اور ہم نے اپنے پاس کے علم سے اس کو تعلیم دی۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ کے علمِ ذاتی سے ولی کو کچھ حصہ تعلیم کیا جاتا ہے۔ اگر چہ از روئے ظاہر (وہ ولی اللہ) ابجد آشنا بھی نہیں ہوتا۔

حکایت : ایک دفعہ تین مریدین کہ جن کی ارادت مختلف پیران سے تھی۔ ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔ اور ایک صاحب ولایت کے سامنے اپنے درجات کے جاننے کے لئے پہنچے۔ **پہلے مرید نے کہا۔** کہ میں فجر کی نماز خانہ کعبہ میں پڑھتا ہوں۔ ظہر کی نماز مدینہ منورہ میں پڑھتا ہوں۔ عصر کی نماز بیت المقدس میں پڑھتا ہوں۔ اور مغرب وعشاء کی نماز گھر کے قریب کی مسجد میں پڑھتا ہوں۔ **دوسرے مرید نے کہا۔** کہ میں فجر کی نماز خواجہ خواجگان (حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ) کے مزار کی ملحقہ مسجد اجمیر میں پڑھتا ہوں۔ ظہر کی نماز خواجہ خواجگان (حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ) کے مزار کی ملحقہ مسجد دہلی میں پڑھتا ہوں۔ میں عصر کی نماز خواجہ خواجگان (حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ) کے مزار کی ملحقہ مسجد پاکپتن میں پڑھتا ہوں۔ اور مغرب وعشاء کی نماز گھر کے قریب کی مسجد میں پڑھتا ہوں۔ **تیسرے مرید نے نہایت عاجزی وانکساری سے کہا۔** کہ یہ دونوں مریدین بہت بلند مقامات پر ہیں۔ اِن کو تو کرامتِ طی الارض حاصل ہے۔ میری تو اتنی پرواز نہیں۔ البتہ میں اِس بات پر بہت خوش ہوں کہ مَیں ہر نماز پیرومرشد کی معیت میں پڑھتا ہوں۔ پیرومرشد کا دیدار میرے لئے قبلہ وکعبہ کے دیدار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب اُس بزرگ نے تینوں مریدین کے احوال سنے۔ تو اُنہوں نے فرمایا۔ کہ تم میں سب سے بہتر یہ آخری مرید ہے۔ کہ جس کو ہر نماز میں اپنے پیرومرشد کا دیدار نصیب ہوتا رہتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حکایت : جب حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے صحائف میں حضورِ اکرم ﷺ کی عظیم المرتبت اُمت کی مدح وفضیلت ملاحظہ کی۔ تو دعا کی۔ کہ ''الٰہی! اِس گروہ کو میری اُمت بنا دے۔'' حکم الٰہی ہوا۔ کہ اِن کو تمھاری اُمت نہیں بناؤں گا۔ اِس لئے کہ وہ میرے حبیب ﷺ کی اُمت ہے۔ اِس کے بعد دوبارہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی۔ کہ! الٰہی اگر تو اِن کو میری اُمت نہیں بناتا۔ تو اُن کی زبان میرے حق میں سچی رکھیو۔ پس حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا قبول ہوئی۔ (کہ ساری اُمتِ محمدیہ ﷺ نے نبوت وخلعت میں حضرت ابراہیم نبیؑ کا اقرار کیا) اور یہی وجہ ہے۔ کہ! تمام اُمتِ محمدیہ ﷺ اپنی ہر نماز میں ''**التحیات**'' کے بعد درود وسلام میں آنحضور نبی مکرم ﷺ (مع آل) اور حضرت ابراہیم نبیؑ (مع آل) کا لازمی ذکر کرتی ہے۔ اِس طرح ہر مسلمان (**جو کہ اربوں کھربوں کی تعداد سے تجاوز کر چکے ہیں۔ اور مزید قیامِ قیامت تک آتے بھی رہیں گے**) تمام حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کو ہر نماز میں اللہ تعالیٰ کے ذریعے سے درود وسلام بھجتے رہتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

حکایت : جب حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ نے توریت میں اِس اُمت کی تعریف وتوصیف ملاحظہ فرمائی۔ تو خواہش ظاہر کی۔ کہ اِس جماعت کو میری اُمت بنا دے۔ حکم ہوا۔ کہ! اِن کو تمھاری اُمت نہیں بناؤں گا۔ (کیونکہ) وہ میرے حبیب ﷺ کی اُمت ہے۔ تب انہوں نے دعا کی۔ کہ پھر مجھ ہی کو اس اُمت میں داخل فرما۔ حکم ہوا۔ کہ! تمھارا ظہور اِن سے بہت دور ہے۔ کہ! تم اِن کے زمانہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ اِسی طرح سے جب حضرت عیسیٰ روح اللہؑ نے اِنجیلِ مقدس میں جب اِس اُمت کی توصیف وفضیلت ملاحظہ فرمائی۔ تو عرض گزار ہوئے۔ یا الٰہی! اِس جماعت کو میری اُمت بنا دے۔ حکم ہوا۔ کہ! ان کو تمھاری اُمت نہیں بناؤں گا۔ (کیونکہ) وہ میرے آخری پیغمبر ﷺ کی اُمت ہے۔ تب انہوں نے دعا کی۔ کہ پھر مجھ ہی کو اِس اُمت میں داخل فرما۔ چنانچہ اُن کی یہ دعا قبول ہوگئی۔ کہ حق تعالیٰ نے اُن کو زمین سے آسمان پر زندہ اُٹھا لیا۔ یہاں تک کہ آخر زمانہ میں ان کو زمین پر اُتار کر اِس عظیم المرتبت اُمت میں داخل فرمایا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

لطائف اشرفی'' میں مرقوم ہے۔ کہ! **قال الاشرف : الولایۃ ھی قیام العبد مع البقاء بعد الفناء و اتصا فیہ بصفۃ التمکین والصفا۔ ترجمہ :** بندہ کا قائم رہنا بعد فنا کے بقاء کے ساتھ اور متصف ہونا صفتِ تمکین وصفا سے ولایت ہے۔

حضرت کبیر نے عرض کیا۔ کہ کیا آیاتِ بینات (قرآنِ کریم) میں کوئی ایسی آیت ہے۔ جو کہ اولیاء اور ان کے گروہ عالیہ کی ولایت کے سلسلے میں مشعر ومظہر ہو۔ حضرت نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ عالم ربانی حضرت امام عبداللہ الیافعی الیمنیؒ نے اپنی بعض تصانیف میں دس قرآنی آیات اور صحاحِ ستہ سے دس احادیثِ نبویہ ﷺ بیان فرمائی ہیں۔ اور ان (آیات واحادیث) کو اِس گروہ صوفیہ کی جلالتِ شان اور علومرتبت پر دلیل بنایا ہے۔ حضرت قدوۃُ الکبریٰؒ نے

فرمایا۔ کہ بہت سی دلیلیں قرآنِ مجید میں اور احادیثِ نبوی ﷺ میں اس سلسلہ میں (بکثرت) موجود ہیں۔ لیکن بخیالِ اختصار صرف تین آیات (نصوص) اور احادیث نبویہ ﷺ (یہاں پر) بیان کی جاتی ہیں۔ **فأ لٰئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصد یقین ... و کفٰی با للہ علیما۔** (سورہ نساء۔ آیت نمبر 70-69) ترجمہ : وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔ انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صلحاء ہیں۔ اور یہ اچھے رفیق ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا۔ (قرآنِ مجید میں ہے۔ کہ!) **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحز نون ۔ الذین اٰمنوا و کانوا یتقون۔ لھم البشریٰ فی الحیٰو ۃ الد نیا و فی ا لا خرۃ ط لا تبدیل لکلمٰت اللہ۔ ذٰلک ھو الفوز العظیم۔** (سورہ یونس۔ آیت نمبر 64-62) ترجمہ : بے شک! اولیاء اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے دوستوں) کے لئے نہ (کوئی) خوف ہے۔ اور نہ (ہی) وہ غمگین ہوں گے۔ وہ جو ایمان لائے۔ اور پرہیزگار ہیں۔ اِن کے لئے دنیا میں اور آخرت میں بھی خوشخبری ہی خوشخبری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ (قرآن میں ایک اور جگہ آیا ہے) **ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم المٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا و ابشروا بالجنۃ الٰتی تو عدون. نحن اولیٰؤ کم فی الحیٰوۃ الد نیا و فی الاٰ خرۃ ج ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون. نزلا من غفو ر رحیم ۔** (سورہ فصلت۔ آیت نمبر 32-30) ترجمہ : بے شک! جنھوں نے یہ کہا۔ کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ اور انہوں نے اس پر قائم رہے۔ تو اِن پر فرشتے (یہ کہتے ہوئے) نازل ہوتے ہیں۔ کہ تم مت ڈرو۔ اور غمگین مت ہو۔ اور اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ۔ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم تمھارے دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی زندگی میں دوست ہیں۔ اور تمھارے لئے ہے اس میں۔ جو تمھارا جی چاہے۔ اور تمھارے لئے اس میں۔ جو مانگو۔ مہربانی بخشنے والے مہربان کی طرف سے۔ لہذا چاہیئے۔ کہ ثابت قدم رہنا اور استقامت کے ساتھ چلنا سلوک و معرفت کے طالب و سالک کے لئے بہت ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنی منزل کو جلدی پہنچ سکے۔

☆ بقولِ سیدی عبدالوہاب الشعرانی ! اولیاء اللہ کی دو اقسام ہیں۔ صالحین اور صدیقین۔ صالحین انبیاءؑ کا بدل ہیں۔ جبکہ صدیقین رسلؑ کا۔ اور انہی صالحین و صدیقین کے مابین فضیلت کا بھی وہی معیار ہے۔ جو کہ انبیاءؑ اور مرسلینؑ کے درمیان ہے۔ اِن میں سے ایک گروہ ایسا ہے۔ جو حضور نبی مکرم ﷺ کی طرف سے مادہ میں منفرد ہے۔ جس کا کہ وہ عین الیقین کے ساتھ مشاہدہ کرتا ہے۔ مگر یہ گروہ تعداد میں قلیل ہے۔ جبکہ تحقیق میں کثیر ہے۔ ہر ہر نبیؑ کا مادہ اور ہر ولی کا مادہ دراصل آنحضور نبی کرم ﷺ ہی سے ہے۔ لیکن اولیاء اللہ میں سے بعض ان کے عین کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جبکہ بعض سے ان کے عین اور ان کا مادہ مخفی رہتا ہے۔ پس وہ اسی میں ہی فنا ہو جاتا ہے۔ جو کہ اس پر وارد ہوتا ہے۔ اور اپنے مادہ کے طلب میں مصروف نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے حال ہی میں محو و مستغرق رہتا ہے۔ اور اپنے وقت کے ماسوا کچھ نہیں دیکھتا۔ اور ان میں سے بعض کی نورِ الٰہی کے ساتھ معاونت کی جاتی ہے۔ پس وہ اسی کے ساتھ ہی دیکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ انہیں تحقیق کے ساتھ اس بات کا عرفان بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ کہ! وہ درحقیقت ہیں کیا ؟ اور یہ ان کی کرامت ہے۔ اور اس (بات) کا انکار صرف وہی کرسکتا ہے۔ جو کہ اولیاء اللہ (کی ولایت) کا انکار کرتا ہے۔ اور ہم (امام شعرانیؒ) عرفان کے بعد انکار سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طلب گار ہیں۔

حدیثِ نبوی ﷺ : اے جابرؓ ! بے شک اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوقات سے قبل اپنے (ذاتی) نور سے تیرے نبی مکرم ﷺ کا نور تخلیق فرمایا۔ پھر وہ مشیت ایزدی کے مطابق جہاں چاہتا تھا، سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ تو لوح تھی، نہ قلم، نہ جنت تھی نہ ہی دوزخ، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ ہی جن تھا نہ انسان۔ (پھر) جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ کہ مخلوقات کو پیدا فرمائے۔ تو اسی نور کو چار منقسم فرمادیا۔ پہلے حصے سے قلم بنایا۔ دوسرے حصے سے لوح بنائی۔ تیسرے حصے سے عرش بنایا اور چوتھے حصے کو مزید چار حصوں میں منقسم فرما کر پہلے حصے سے آسمان بنایا۔ دوسرے حصے سے زمین بنائی۔ تیسرے حصے سے جنت بنائی۔ اور چوتھے حصے سے دوزخ بنائی۔ (المستدرک للحاکم، تفسیر روح البیان، دلائل النبوۃ، مواہب اللدنیہ)

(بقول حضرت شیخ عبداللہ الیرغنیؒ) " **فلم یدرکہ منا سابق ولا لاحق و کیف یدرک من کان خلقہ القرآن وذاتہ من نور ذات الرحمٰن ومن لہ کل مراتب الاحسان وھو الحبیب الاکرم والمخصوص بالتجلی الاعظم ومن ھنا. وقال بعض العارفین رحمھم اللہ اجمعین لو انکشف حقیقۃ المحمدیۃ صلی اللہ علیہ والہ وبارک وسلم للخلق لا ر تدوا جمیعا** " (ترجمہ) پس ہم میں سے کسی سابق اور لاحق نے حقیقتِ محمدیہ کا ادراک نہیں کیا۔ اور آپ ﷺ کس طرح سے (کسی کے) ادراک میں آسکتے ہیں۔ حالانکہ! آپ ﷺ کا خُلق قرآنِ مجید ہے۔ اور آپ ﷺ کی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات کے نور سے ہے۔ اور آپ ﷺ حبیبِ اکرم ہیں۔ اور تجلی اعظم کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے۔ کہ اگر حقیقتِ محمدی مخلوق پر ظاہر ہو جائے۔ تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔

ولایتِ کبریٰ اور مقامِ عظیم کے حصول کا عظیم مجرب طریقہ :

حضرت ثابت نساجؒ فرماتے ہیں۔ کہ! مَیں نے متعدد برس تک خوف کے ساتھ قرآنِ حکیم کی تلاوت کی۔ لیکن مجھے دل نہ مل سکا۔ پھر مَیں نے اسے اُمید سے پڑھا۔ لیکن پھر بھی دل حاصل نہ ہوا۔ پھر مَیں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کو دل سے تنہا کر کے قرآنِ حکیم کی تلاوت کی۔ تو اُس وقت مجھے (ایسا) دل مل گیا۔ کہ جس کے ساتھ ہی مجھے ولایتِ کبریٰ بھی نظر آئی۔ اور ساتھ ہی ساتھ مجھے بڑی عزت اور بلند مرتبے بھی نصیب ہوگئے۔ (ماشاءاللہ)

زندگی نتواں گفت حیاتے کہ مرا است　　زندہ آنست کہ با دوست حیاتے دارد

دائرہء ولایت برائے سالکین:

قربِ الٰہی کے حصول کے لئے سلوک کو سمجھنا لازمی ہے۔ سلوک کے لفظی معنی راہ کے ہیں۔ اور اس راہ پر چلنے والے کو '' سالک '' کہا جاتا ہے۔ لیکن علم روحانیت میں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بطریقِ سیرِ کشفی عیانی ہے نہ کہ بطریقِ استدلالی۔ تصوف میں سلوک کو جاننے کے لئے ایک دائرہ بنایا جاتا ہے۔ سامنے دئے گئے دائرہ سے سلوک کی ابتدائی، درمیانی اور انتہائی منازل کے متعلق کسی قدر اجمالی معلومات تفصیل کے ساتھ دی گئی ہیں۔ اس دائرہ سے سلوک کے اصطلاحی مفاہیم کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ لہذا یاد رہے۔ کہ! حق تعالیٰ تک رسائی کا سفر اس دائرہ سے بخوبی سمجھ آجائے گا۔

اس دائرہ میں '' الف '' مبتدی کا مقام ہے۔ جب سالک پورے دائرے کو طے کر کے پھر اُسی مقام پر آجاتا ہے۔ کیونکہ! '' **کل شیء یرجع الٰی اصلہ** '' ہر چیز اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ (اور) '' **النھایۃ رجوع الی البدایۃ** '' سے بھی یہی اَمر مقصود ہے۔ چنانچہ سالک مقامِ الف سے اپنا سفر شروع کر کے ب تک پہنچتا ہے۔ اس سفر کو '' سیر الی اللہ '' کا نام دیا جاتا ہے۔ یہاں طالب فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ یہ سفر فرائض وسنن کی ادائیگی، مراقبات واوراد ووظائف کے ذریعے طے ہوتا ہے۔ اس کے بعد سالک کا سفر ب سے ج تک ہوتا ہے۔ اس سفر کو '' سیر فی اللہ '' کہا جاتا ہے۔ جہاں سالک اپنی ہستی کو گم کر بیٹھتا ہے۔ یہاں پر سالک ذات وصفات میں فنائیت پا جاتا ہے۔ **موتوا قبل ان تموتوا** ۔ کے مصداق سالک کی حالت وکیفیت ہو جاتی ہے۔ یعنی '' **Lose yourself to gain yourself** '' پھر سالک ج سے د تک کے سفر میں محو ہو جاتا ہے۔ یہ سفر '' سیر مع اللہ '' کہلاتا ہے۔ اس سفر میں سالک مقامِ حیرت وشوق، رجا وتسلیم کے مقام ومرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اس کے بعد سالک د سے الف پر آجاتا ہے۔ یہ مقامِ بقاء ہے۔ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** کا مقام۔ یعنی **فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** ۔ یہ مقامِ عبدیت ہے۔

☆ **سالک کے لئے آٹھ وادیاں** : ولایت کے حصول میں یہ وہ آٹھ وادیاں ہیں۔ جو سالک کو راہ سلوک میں پیش آتی ہیں۔ جنہیں حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ نے اپنی کتاب **منطق الطیر** میں بیان فرمایا ہے۔ وہ آٹھ وادیاں یہ ہیں۔ وادیٔ طلب ۔ وادیٔ عشق ۔ وادیٔ معرفت ۔ وادیٔ استغناء ۔ وادیٔ توحید ۔ وادیٔ حیرت ۔ وادیٔ فقر ۔ وادیٔ فناء فناء ۔

مشائخِ نقشبندیہ کے مطابق منازلِ سلوک میں سیر کرنے والے تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ واقفین۔ راجعین اور سابقین۔

☆ **واقفین** : اثنائے سلوک میں کسی مقام کو طے کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے رُک جانے والوں کو واقفین کہا جاتا ہے۔

☆ **راجعین** : اثنائے سلوک میں کسی مقام کو طے کرتے ہوئے زیادہ دیر کے لئے رُک جانے والوں کو راجعین کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ سالکین کہ جو کسی مقام پر زیادہ دیر تک رکے رہیں۔ اور سلوک میں مزید ترقی نہ کر سکیں۔ اُنہیں راجعین کہا جاتا ہے۔ یہ مقام خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ! زیادہ دیر تک رُکے رہنے سے رُجعت واقع ہوتی ہے۔ اور سالک تنزل کا شکار ہو کر اپنے مقام ومرتبہ سے گر جاتا ہے۔

☆ **سابقین** : ایسے خوش نصیب سالکین جو رحمتِ خداوندی سے ہر آن ترقی پذیر ہوتے رہیں۔ اور بالآخر قرب ووصل کے مقام تک جا پہنچیں۔ سابقین کہلاتے ہیں۔ اِن کے بارے میں قرآنِ حکیم شاہد ہے۔ کہ! **السابقون السابقون اولٰئک المقربون** ۔ (ترجمہ) اور آگے والے تو پھر آگے والے ہی ہیں۔ وہی تو مقرب لوگ ہیں۔ (سورہ واقعہ ۔ 11-10) اس آیت میں ایسے ہی حال ومقام کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں سے اپنے تیسرے مکتوب میں اپنے یاروں کی دو حالتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ! ہمارے بعض یار واقفین ہیں اور بعض سابقین ہیں۔ لیکن ہمارے یار راجعین کے زمرے میں نہیں آتے۔

اسی طرح سے **سالکین** کی دو حالتوں کو یافت اور نایافت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ حالتِ یافت کا سمجھنا تو سہل ہے۔ لیکن نایافت کا سمجھنا تو درکنار اس کا حصول بھی سخت مشکل ہے۔

یافت کا مطلب علمِ تصوف میں محبوبِ حقیقی کو سالک کی آنکھ سے دیکھنا یا پھر سالک کے نقطہءِ نگاہ سے ملاحظہ کرنا۔ جبکہ! **نایافت** کا مطلب علمِ تصوف میں جمع حضوری یعنی نسبتِ خالقیت کا پرتو مخلوق پر ہونا۔ چونکہ! نایافت کا مفہوم ہے۔ دوست کو دوست کی آنکھ سے ملاحظہ کرنا یا پھر دوست کو دوست ہی کے نقطہءِ نگاہ سے دیکھنا۔ لہذا یہ کام کافی مشکل ہے۔ کیونکہ! اس کا تعلق مقامِ محبوبیت سے ہے۔

تمثیلاً یہ کہ! عاشق کا ایک ہی محبوب ہوتا ہے۔ کہ جس سے وہ محبت کیا کرتا ہے۔ یہ حالت وکیفیت یافت کہلائے گی۔ جبکہ معشوق کے دو محبوب ہوتے ہیں۔ ایک محبوب کا عاشق اور ایک وہ خود سے محبت کی وجہ سے اپنا عاشق ہوتا ہے۔ اور یہ عاشق کا معشوق کے نقطہءِ نظر کے ساتھ محبت کرنا اور پھر معشوق کا عاشق سے محبت کرنا حالتِ نایافت کے قبیل سے ہے۔ جس کی نظیر اس شعر میں پنہاں ہے۔

قلق از سوزشِ پروانہ داری ولے از سوزِ ما پروا نداری

☆ جس وقت عارف کو آنحضور سرورِ کائنات ﷺ کی حضوری حاصل ہوتی ہے۔ تو اُس وقت مجذوب بنانا ہو تو سرخ پیالہ اور اگر سالک بنانا ہو تو سفید رنگت کا جام (بحکمِ نبوی ﷺ) پلایا جاتا ہے۔ کسی کو ایک پیالہ اور کسی کو ایک سے زائد پیالے (حسبِ ظرفِ برداشت) نوش کرائے جاتے ہیں۔

☆ جب تو زبان سے ذکر کرے گا تو تائب کہلائے گا۔ (اور تو) جب قلب سے ذکر کرے گا۔ تو سالک کہلائے گا۔ (اور تو) جب باطن سے ذِکر کرے گا۔ تو عارف کہلائے گا۔ (کتاب الفتح الربانی)

☆ **طریقِ اخیار** : کثرتِ صوم وصلوٰۃ وتلاوتِ قرآن وحج وجہاد وغیرہ کے ذریعے منزل مقصود تک پہنچنا۔

☆ **طریقِ اصحابِ مجاھدات وریاضات** : اخلاقِ ذمیمہ کو جد وجہد ومحنت اور کوشش اسی طرح مجدات وریاضات سے اخلاقِ حمیدہ میں تبدیل کرنا۔ اور اس طور پر عالمِ علوی سے مناسبت پیدا کر کے اپنا راستہ (راہ سلوک ومعرفت) طے کرنا۔

رکھے قدم جو وادیءِ اُلفت میں بے دھڑک حیرت سوا تمھارے کسی کا جگر نہیں

علم کی حقیقت : (فرمودہ حضرت امام غزالیؒ) : سب انسان مردہ ہیں۔ زندہ تو وہ ہیں۔ جو علم والے ہیں۔ سب علم والے سوئے ہوئے ہیں۔ بیدار تو وہ ہیں۔ جو اصل میں (علم پر) عمل کرنے والے ہیں۔ تمام اعمال گھاٹے میں ہیں۔ فائدے میں تو وہ ہیں۔ جو اخلاص والے ہیں۔ جملہ مخلص (اخلاص والے) خطرے میں ہیں۔ کامیاب تو وہ ہیں۔ جو تکبر سے پاک ہیں۔

حضرت امام بونیؒ اپنی کتاب 'شمس المعارف و لطائف العوارف' میں فرماتے ہیں۔ کہ! جب تمھیں یہ منظور ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے مقام کے روشن جلوے دکھائے۔ تو اپنے اعضاء کو کسل اور سستی سے باز رکھو۔ نفس، عقل اور قلب کو جدل وزلل سے روکو۔ اور روح کو امید وتمنا سے جبکہ اپنے سر (راز) کو اپنے رویہ عمل سے باز رکھو۔ یہ تحقیق کا ایک قاعدہ ہے۔ کہ! جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے۔ تو اس کے قلب کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندے کے لئے چار قاعدے مقرر فرمائے ہیں۔ توحید سب سے زیادہ ضروری ہے۔ عمدہ فقر، ارادہ اور ادراک۔ بس یہی چار اصل الاصول ہیں۔ جس کو یہ حاصل ہو گئے۔ وہ نا صرف کمالِ انسانی کو پہنچ گیا۔ بلکہ اخلاصِ روحانی اور خلق رحمانی کو بھی پالیا۔ اور ان کی مدد سے وہ پورا پورا تصرف حاصل کر سکتا ہے۔ ایسے ہی ایک عارف کے بارے میں حکایت ہے۔ کہ!

حکایت : مجھ سے ایک مرتبہ ایک نوجوان نے ملاقات کی۔ جو فقط ایک عبا پہنے اور ہاتھ میں چھاگل پانی کی لئے ہوئے تھا۔ اور مجھ سے پوچھنے لگا۔ یا حضرت! مَیں ایک ایسا شخص ہوں۔ جس نے ورع (پرہیز گاری) کا دائمًا قصد کیا ہوا ہے۔ اور مَیں صِرف وہی چیز کھاتا ہوں۔ جس کو لوگ پھینک دیتے ہیں۔ مگر بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ! میرے اُس چیز کو اُٹھانے سے پہلے اس چیز پر چیونٹیاں آ جاتی ہیں۔ تو کیا ایسی صورتحال میں، مَیں اس چیز کو کھاؤں یا چھوڑ دیا کروں؟ اگر مَیں کھالوں۔ تو کیا مجھ سے مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ تو یہ بزرگ کہتے ہیں۔ کہ! مَیں دل ہی دل میں خیال کرنے لگا۔ کہ! یہ نوجوان تو بہت ہی زیادہ پرہیز گار ہے۔ پھر جو مَیں نے اس نوجوان کی جانب نظر کی۔ تو دیکھا۔ کہ! وہ چاندی کی زمین پر براجمان ہے۔ اور مجھ سے یوں گویا ہوا۔ کہ! اے بزرگوار! غیبت حرام ہے۔ اور پھر اچانک وہ نوجوان میری نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ (اس نوجوان جیسے) درحقیقت وہ لوگ ہیں۔ جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے روشن، قلب کو نورانی اور ذکر کو پاک کیا ہوا ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے عزلت کا سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ اس (عزلت) کی لغت اس کے معنیٰ سے بے پرواہ کرتی ہے۔ اور اس کی صورت اس کے مخوا سے اسے غنی کرتی ہے۔ جس نے عزلت کو اختیار کیا۔ تو یہ سب سے بہتر کام ہے۔ اور اعلیٰ ہے۔ لہٰذا جاننا چاہیئے۔ کہ! خلوت ضبط ہے۔ اور صفوت کے واسطے اور عزلت وصلت کی نشانی ہے۔ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! خاموشی معرفت الٰہی پیدا کرتی ہے۔ اور خلوت سے معرفتِ دنیا حاصل ہوتی ہے۔ اور بھوک سے معرفتِ شیطان اور جاگنے سے معرفتِ نفس پیدا ہوتی ہے۔ سلفِ صالحین کا قوی اجماع ہے۔ کہ! فتح ربانی اور کشفِ صمدانی اس شخص کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ جس کے معدہ میں ذرہ برابر بھی (حرام) کھانا ہے۔ اور یہی جسمانی پاکی کی حد ہے۔ اور یہ بات چالیس روز میں فاقہ کشی کر کے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ معدہ کثافتوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ عقل صاف ہو کر روح اور قلب قوی ہو جاتے ہیں۔ نفس پاک ہو جاتا ہے۔ ساٹھ روز کا فاقہ عجائباتِ ملکوت، لطائف جبروے اور اسرارِ ملک کا انکشاف ہونے لگتا ہے۔۔۔

عظیم فرشتہ : حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں حضرت سیدنا یوسف بن مہرانؒ نے بتایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ عرش کے نیچے ایک فرشتہ ہے۔ جس کی صورت مُرغ کے جیسی ہے۔ اس کے پنجے موتیوں کے اور دونوں خار (خار یعنی کہ مرغ کی ٹانگ پر وہ کانٹے جو ٹخنے کے اوپر ہوتے ہیں) سبز زبرجد کے ہیں۔ جب رات کا پہلا آدھا حصہ گزرتا ہے۔ تو وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ رات کے وقت نماز پڑھنے والوں کو اُٹھ جانا چاہیئے۔ جب رات کا ایک اور آدھا حصہ گزر جاتا ہے۔ تو پھر وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ تہجد پڑھنے والے کھڑے ہو جائیں۔ اور جب رات کا تیسرا تہائی حصہ بھی گزر جاتا ہے۔ تو پھر وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ نماز پڑھنے والے کھڑے ہو جائیں۔ اور جب طلوع فجر کا وقت ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ اب غافلین بھی اُٹھ جائیں۔ کہ اِن کے بوجھ انہیں پر رہیں۔ (قوت القلوب)

کسی کو ولایت ملنے کے وقت مہرِ ولایت نصیب ہونے کی علامت و نشانی :

جنابِ سید سرفراز احمد شاہ صاحب (بمطابق کتاب عرضِ فقیر) فرماتے ہیں ۔کہ! حضرت علی المرتضیٰؓ کو مثالی خیال (Idealize) کرلے ۔حضرت علیؓ اس شخص کو آنحضرت نبی مکرم ﷺ کی دہلیزِ متبرکہ تک پہنچا دیں گے ۔اور جو آپ ﷺ کی دہلیزِ مبارکہ تک پہنچ جائے ۔تو وہ سمجھ جائے ۔کہ! اُسے آپ ﷺ ربِ متعال تک پہنچا دیں گے ۔ (ایک اور جگہ پر قبلہ شاہ صاحب فرماتے ہیں ۔کہ! یہ میرے علم میں ہے ۔نہ میں نے پڑھا، یا سنا ہے ۔کہ! حضرت جبرائیلِ امینؑ تین دن پہلے اُس شخص (کہ جس کو ولایت ملنے والی ہوتی ہے) سے دوستی کرتے ہیں ۔

یہاں تک تو یہ علم ہے ۔کہ! مہرِ ولایت ثبت ہونے سے پہلے تک بھی پتا نہیں ہوتا ۔کہ آج رات میرے کندھے پر مہرِ ولایت ثبت ہو جائے گی ۔جب مہرِ ولایت کندھے اور گردن کے درمیان پیچھے پُشت پر ثبت ہوتی ہے ۔تو وہاں اتنی زیادہ Irritation (کوفت) ہوتی ہے ۔انسان اُس جگہ کو کھجاتا رہتا ہے ۔اور لوگوں کی محفل میں اپنی اس حالت کی وجہ سے شرمندہ ہوتا ہے ۔ یہ Irritation (کوفت) عموماً تین دن تک رہتی ہے ۔اور پہلے دن تو بہت زیادہ (Irritation) ہوتی ہے ۔مرشد کے سامنے اس کا ذکر (یعنی اظہار) کریں ۔کہ اس جگہ Irritation بہت ہے ۔نہ جانے کیا ہوگیا ہے ادھر ۔تو وہ فرمادیں گے ۔کہ تمھارے مہرِ ولایت لگ گئی ہے ۔یا پھر اللہ تعالیٰ کسی پر کرم فرمادے ۔تو اُس شخص کو خود پتا چل جاتا ہے ۔کہ مہرِ ولایت ثبت ہوگئی ۔

☆ سید سرفراز شاہ صاحب کا کہنا ہے ۔کہ!) جب انسان علم کا حصول ایک خاص درجے تک کر لیتا ہے ۔تو ولایتِ مہر اس کے شانے (کندھے) پر لگ جاتی ہے ۔جہاں دایاں شانہ پشت کی طرف سے گردن سے ملتا ہے ۔وہاں وہ مہر ثبت کی جاتی ہے ۔(دراصل) ہوتا یہ ہے ۔کہ! اتنا ایریا سیاہ ہو جاتا ہے ۔اور اس کے اندر مہر کے الفاظ دکھائی دینے لگتے ہیں ۔یہ مہر آپ ﷺ سے منتقل ہوئی تھی ۔درحقیقت یہ وہ مہر ہے ۔جو آپ ﷺ اُن مکتوبات پر لگایا کرتے تھے ۔جو کہ مختلف فرمارواؤں کو لکھا کرتے تھے ۔ازاں بعد وہ مہر آپ ﷺ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کو عطا ہوئی ۔اور پھر منتقل ہوتے ہوتے آج کل حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ (خلیفہء خاص حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ) اس (مہرِ ولایت) کے نگران (Custodian) ہیں ۔☆لہٰذا جب کسی کی منظوری آجاتی ہے ۔کہ اس (خوش قسمت شخص) کو ولایت عطا ہوگئی ہے ۔تو وہ احکامات جناب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ تک منتقل (Convey) ہو جاتے ہیں ۔اور اس آدمی کے شانے (کندھے) پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اُس وقت وہ مہر (یعنی مہرِ ولایت) ثبت کر دیتے ہیں ۔جب وہ آدمی سو رہا ہو ۔پھر اُس آدمی کو اس (مہرِ ولایت) کا پتا اس طرح چلتا ہے ۔کہ! تین چار دن اُسے اپنے شانے پر کھجلی محسوس ہوتی ہے ۔اور وہ بار بار وہاں کھجاتا ہے ۔

(قبلہ شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں ۔کہ!) اس میں سلسلہ (یعنی کسی سلسلہء طریقت مثلِ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ) کی کوئی قید نہیں ۔یہ تو ہم نے اپنی سہولت کے لئے سلسلوں (یعنی سلاسلِ طریقت) کو مختلف نام دے دیئے ۔اصل میں ہماری عقیدت نے یہ تفریق پیدا کردی ۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اس مہرِ ولایت کے نگران (Custodian) ہیں ۔اور وہی مہر ثبت کرتے ہیں ۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ کا یہ تصرف پورے کرہء ارض کے لئے ہے ۔روحانیت میں فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے ۔ دنیا کے کسی کونے میں بھی کسی کو ولایت ملے ۔مہرِ ولایت حضرت نظام الدینؒ ہی لگاتے ہیں ۔

چوں نزدیکِ سلطان بنشیند در ملک حکومت خود بیند

(جو کوئی بادشاہ کے نزدیک بیٹھتا ہے ۔ ملک کی حکومت کو بھی دیکھتا ہے)

☆ میرے (البلوشی کے) خیال میں جب کسی کو ولایت عطا ہونے لگتی ہے ۔تو اُس شخص میں چند کیفیات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں ۔ جیسے کہ! اُس شخص کو اپنے عیب اور چھوٹی بڑی خامیاں نظر آنے لگتی ہیں ۔جس کی وجہ سے وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کا خواستگار رہتا ہے ۔اُس شخص پر سکوت وتحیر طاری ہو جاتا ہے ۔اُس میں گناہوں سے نفرت اور خوش خلقی کی خوبیاں نمایاں ہونے لگتی ہیں ۔ وہ شخص تنہا اور خاموش رہنے لگتا ہے ۔وہ شخص جو سوچتا ہے ۔وہ کام خود بخود ہو جاتا ہے ۔واقعات کا اُس کو قبل از وقوع پتہ چلنے لگتا ہے ۔وہ لوگوں سے بھاگتا ہے، مگر لوگ اُس کے اردگرد جھمگٹا بنائے رکھتے ہیں ۔ بہر حال! اِسی طرح کی اور بھی کچھ خوبیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں ۔۔۔

☆اس فقیر البلوشی کا حضرت موصوف جناب سید سرفراز احمد شاہ صاحب سے کچھ اختلاف ہے ۔کہ! حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ مہرِ ولایت کے نگران ہیں ۔کیونکہ! میں نے بذاتِ خود کئی بزرگوں سے سنا ہے ۔اور خود پڑھا بھی ہے ۔کہ! جب اللہ تعالیٰ کسی خوش نصیب انسان سے راضی ہو کر اسے مقامِ رضا وتوکل وتقویٰ اور فتوحاتِ غیبی واسمِ اعظم پر متمکن فرما دیتا ہے ۔تو وہ بندہ پہلے سماوی اور پھر ارضی ملائکہ کو بھی پسند آنے لگتا ہے ۔پھر آنحضور نبی مکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے اذن ومنشاء سے اس شخص کی ولایت کی منظوری عطا فرماتے ہیں ۔آنحضور ﷺ اُس کے ولایت کے احکامات حضرت علی المرتضیٰؓ کو جاری فرماتے ہیں ۔پھر حضرت علی المرتضیٰؓ خود حضرت پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو وہ احکامات عطا فرما دیتے ہیں ۔پھر حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ اُس خوش نصیب کو حضرت علی المرتضیٰؓ کے حکم سے ولایت عطا فرما دیتے ہیں ۔کیونکہ! تابعین کے بعد تمام اولیاء اللہ میں غوثیتِ عظمیٰ کا تاج جناب پیرانِ پیر کو عطا ہوا ہے ۔اور حضرت امام مہدیؑ تک ولایت کے ذمہ دار اور نگران ہیں ۔اس طرح وہ ولی اللہ (اللہ تعالیٰ کا دوست) بن جاتا ہے ۔جاننا چاہیئے ۔ کہ! ولایت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی منشاء سے کسی کو تفویض ہوتی ہے ۔ولایت ملنے میں کسی کی عبادت وریاضت یا نسبی وپدری حسب ونسب یا شجرہ وغیرہ کی کوئی اہمیت نہیں ۔کیونکہ! اگر یہ کہا جائے ۔کہ! فلاں کو ولایت اس کی عبادت و

ریاضت یا اُس کے پیرومرشد کی مرضی سے یا ذکراذکار، صوم وصلوٰۃ، نماز وتسبیحات یا تقوٰی اختیار کرنے سے ملی ہے۔تو جاننا چاہیئے۔کہ! ہرامر میں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء و رضا شاملِ حال نہ ہو۔ بندہ ہزار کوشش بھی کر لے۔ وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ بہرحال ہر کسی کی اپنی رائے اور اپنے خیالات ہیں۔میں کمترین بندہ (البلوشی) کسی پر اپنی بات کو تھوپنے کا ہرگز ہرگز مجاز ومتقاضی نہیں ہوں۔جس کو جو بہتر لگے۔۔۔

خطراتِ فاسدہ کا انسداد: شیطان کی صورت بالکل اژدھے کی مانند ہے۔اس کا پھن بہت سخت زہریلا اور خاردار ہے۔جس وقت کہ کوئی مرید کسی صغیرہ وکبیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔یا کوئی حرام شئے کھاتا ہے۔اور اس (اژدھے) کی قوت اور زائد ہوجاتی ہے۔اور وہ اپنے پھن کو دل کی طرف گھماتا ہے۔جس سے کہ اس زہر قلب میں اثر کرجاتا ہے۔اور تاریکی اور سیاہی پیدا ہوجاتی ہے۔اور جب مرید گناہوں سے توبہ کر کے پاس انفاس میں مشغول ومستغرق ہوجاتا ہے۔تو شیطان ضعیف اور کمزور ہوجاتا ہے۔اور قلب میں نورانیت اور صفائی پیدا ہوجاتی ہے۔(یعنی کہ) جب کوئی بُرا خیال دل میں راسخ ہوجائے۔اور کسی بھی طرح سے دفع نہ ہوتا ہو۔تو اس شیطانی ونفسانی خیال کے دور کرنے کی صورت یہ ہوگی۔کہ! دَم کو ناف سے کھینچ کر قلب میں روکے رکھے۔اور کلمہ ''لا الہ'' کو دل سے نکالے۔اور یہ خیال کرے۔کہ! وہ شیطان یا میرا نفس جو کہ میرے دل پر بصورتِ اژدھا بیٹھا ہوا ہے۔مَیں نے کلمہ ''لا الہ'' کی قینچی سے اس کی دُم پکڑ لی۔پھر داہنے شانے تک لائے۔اور دل (لطیفہء قلب) پر لے جا کر ''الا اللہ'' کی ضرب لگائے۔اور یہ خیال کرے۔کہ! یہ ضرب شیطان کے سَر پر جا لگی ہے۔اور اس ضرب سے اس شیطان (اژدھے) کا سر پاش پاش ہوگیا۔اور دل سے باہر ہوگیا۔اسی طرح سے متواتر ضربیں لگاتے رہیں۔اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔تو بہت جلد یہ خیالاتِ فاسدہ دفع ہوجائیں گے۔(انشاءاللہ تعالیٰ) اور شیطان بھی ہلاک ہوجائے گا۔(انشاءاللہ تعالیٰ) اور وہی دل (جو کہ فاسدہ خیالات کی آماجگہ بنا ہوا تھا) اسی تصور وتخیل اور نورِ ذکر سے خوب منور ہوجائے گا۔(انشاءاللہ تعالیٰ) یاد رہے۔کہ! اس ذکر میں ملاحظہ اور حبسِ دَم ضروری ہے۔ویسے حبسِ دم کے بغیر بھی یہ ذکر مفید تو ہوگا۔مگر کرنا شرط اور ضروری ہے۔تاکہ کلی فائدے کا حصول ممکن ہوسکے۔(انشاءاللہ تعالیٰ) یاد رہے۔کہ! انسان کا اولیں دشمن اُس کا اپنا نفس پھر اُس کے بعد ابلیس ہے۔اگر نفس کی معرفت حاصل ہوجائے۔تو وہاں ابلیس کا گذر تقریبًا ناممکن ہوجاتا ہے۔

خیر بدنام تو پہلے بھی بہت تھے لیکن تجھ سے ملنا تھا، کہ پَر لگ گئے رُسوائی کو

حجۃ الاسلام فخرِ اُمتِ محمدیہ ﷺ حضرت امام غزالیؒ کے فرمودات:

عارفین باللہ کے نزدیک قلب ہی درحقیقت عرش ہے۔سینہ لوح ہے۔امر ونہی کا الہام قلم ہے۔جو خیر و شر کو لوح پر تحریر کرتا ہے۔وہ زبانِ ترجمان ہے۔اور آٹھ ملائکہ، جو کہ اس عرش کو اُٹھائے ہیں۔وہ درحقیقت آٹھ حواس (چار حواسِ ظاہری اور چار حواسِ باطنی) ہیں۔چار حواسِ ظاہری یہ ہیں۔سمع۔بصر، سونگھنا۔چکھنا۔ اسی طرح چار حواسِ باطنی یہ ہیں۔ علم۔عقل۔تصدیق۔یقین۔جبکہ خوف ورجاء کے ملائکہ نے ان آٹھ حواس کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔جب یہ عرش (جو کہ دراصل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے) وساوس ورذائل سے مصفّٰی ہوکر ذکر کی خوشبو سے معطر اور فکر کی خوشبو سے پُرنور ہوجاتا ہے۔تو اس وقت وہ لازمی طور پر تجلیاتِ الٰہیہ کا مستحق ہوجاتا ہے۔اور اس وقت انوارِ کمال اس کے قلب پر نازل ہوتے ہیں۔جس سے کہ محبت وعشق کا سائبان ، طہارتِ قلب کی کرسی پر قائم ہوجاتا ہے۔اور معشوق سدرہء وصال کی عظیم سرحد پر جلوہ افروز ہوجاتا ہے۔اور مجاہدہ کرنے والا مجاہدے کی حکمتوں کے درختوں کے سائے میں آرام کرتا ہے۔ اور وہ شرحِ صدر کے حوض سے توحید کا نور پیتا ہے۔اور خصائلِ حمد کے خاص ملبوسِ دیمومیہ کے خزانہ سے زیبِ بدن فرماتا ہے۔اور وہ واقعتًا ان چیزوں کا بعین مشاہدہ کرتا ہے۔کہ جن کا مشاہدہ غافلین کرنے سے یکسر قاصر ہیں۔بے شک یہی عظیم کامرانی ہے۔اور چاہیئے۔کہ! عمل کرنے والے اسی روش کو اختیار کریں۔اور پھر نتیجے کے طور پر ایسا قلب وبدن کا حامل شخص علمِ نافع وعملِ صادق وخالص کے ساتھ کامل اور اخلاقِ حمیدہ کے ساتھ متصف جبکہ اخلاقِ ذمیمہ سے یکسر منزہ ہوجائے گا۔ارض وسماء اور اعضاء کے ملائکہ اس کے مطیع وفرمانبردار ہوکر اس کے حضور سربسجود ہوں گے۔اور کمالِ مہربانی کے ہاتھ تمھارے قلب کی بہشت کے ابواب کھول دیں گے۔جہاں سے کہ تمھارے احسان کی خوبصورت حور جلوہ گر ہونے کے لئے تمھاری مشتاق ہوگی۔اور محبتِ دنیا سے پیچھے رہنے اور ہٹ جانے کے محلات تیار ہوں گے۔اس طرح تم اپنی ہمت کے موافق اپنی مراد کو جا پہنچو گے۔ان شاءاللہ۔

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں

اس ضمن میں یہ فقیرِ حقیر پر تقصیر (البلوشی) قارئینِ ''اسرارِ محبوب کامل'' کے حضور عرض گزار رہے۔کہ! حضرت علی المرتضیٰؓ کے قولِ مبارک (**من عرف نفسه فقد عرف ربه**) کے مطابق اگر ملاحظہ کیا جائے۔تو معلوم ہوگا۔کہ! نفس کو پہچاننے کے بعد ربِ متعال کو پہچاننے والا عوام الناس میں کتنا مقبول ومتبرک اور قابلِ ستائش وتحسین ہوا کرتا ہے۔تقوٰی اختیار کرنے ، متوکل علی اللہ بننے ، مخلص سخی وخالص صدقہ وخیرات کرنے والے ، مخفی عبادت گزار جبکہ ظاہری طور پر عوام الناس میں اپنے زہد وعبادت اور بزرگی کو پوشیدہ رکھنے والے ہی درحقیقت اعلیٰ مقام ومرتبہ مدارج پر فائز المرام ہوا کرتے ہیں۔حضرت امام غزالیؒ کے اس بیان کی تصدیق اور میری بات کی تائید کے لئے اسی کتاب میں بابِ تصوف کے اندر بڑی شرح وبسط کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔شائقین حضرات وہاں سے ملاحظہ کر کے اپنی تشنگی دور کرسکتے ہیں۔

خوش وقت آن کساں، کہ ہمہ روز تا بہ شب تسبیح در شان اُست ہمہ دوست دوست دوست

بقول شیخ ہجویری داتا صاحبؒ: عبادت توبہ کے بنا درست نہیں ہوتی۔کیونکہ توبہ مقامِ ابتداء ہے۔جبکہ بندگی مقامِ انتہاء۔

رجال الغیب سے ملاقات اور حصولِ فیض کا مجرب المجرب طریقہ :

شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربیؒ اور دیگر کئی مُصنفین نے اپنی اپنی تصانیف میں رجال الغیب سے ملاقات اور اُن سے استفادہ وفیض کے حصول کے لئے اس عمل کونہایت شرح وبسط سے بیان فرمایا ہے۔کیونکہ! حضرت شیخِ اکبرابنِ عربیؒ کی زندگی کا بڑا حصہ حضراتِ رجال الغیب کی تلاش میں گزرا ہے۔آپؒ نے اِن کی تلاش میں دوراز علاقوں کا سفر بھی کیا۔اور آپؒ کی بے شمار رجال الغیب سے ملاقاتیں وصحبتیں بھی رہیں۔ان کی زیارتیں کیں۔اور اُن سے روحانی فیض بھی اُٹھاتے رہے۔آپؒ اُن کی مجالس میں ہم مجلس بھی رہے۔شاید اسی وجہ سے کچھ علمائے روحانیات نے حضرت شیخِ اکبرابن العربیؒ کو بھی حضراتِ رجال الغیب میں شامل فرمایا ہے۔اگر کوئی شائق ، اولیاء اللہ ، خاصانِ خُدا اور رجال الغیب سے ملاقات ورقابت کا مُتمنی ہو یا پھر جب کوئی شخص کسی ایسی مشکل میں پھنس جائے۔یا اُسے کسی ایسی مصیبت کا سامنا ہو۔یا پھر کسی ایسے امر میں ناممکن العمل مسئلے کا شکار ہو جائے۔کہ! جس کے حل کرنے میں ساری تدابیر میں عاجز اور متحیر ہو چکا ہو۔اور ان مسائل ومصائب ومشکلات کی عقلی تدابیر کسی بھی صورت میں کارگر نہ ہو سکتی ہوں۔تو ایسے شخص کو چاہیئے۔کہ! وہ روبہ قبلہ منہ کر کے نہایت تضرع و زاری سے اور خشوع وخضوع سے سرورِ انبیاء ﷺ پر درود وسلام بھیجے۔ہر شخص حضور نبی مکرم ﷺ کی بارگاہِ تقدس میں درودِ پاک کی تعداد خود متعین کر سکتا ہے۔پھر دعائے رجال الغیب (جو آگے دی گئی ہے) پڑھے۔یہ التجاء (یعنی سلام رجال الغیب پڑھنے کے بعد) کرنے کے بعد چند قدم چلے۔اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اُس کی مشکلات کو دور فرمائے گا۔اور اپنی عنایات نازل فرمائے گا۔خواہ رجالالغیب متشکل ہوں یا نہ ہوں۔

(رجال الغیب پر سیر حاصل بحث کتاب''رجال الغیب'' مصنف ومرتب''پیرزادہ اقبال احمد فاروقی میں دی گئی ہیں۔شائقین وہاں سے دیکھ سکتے ہیں)

☆ اسی ضمن میں میرا (**محمد عبدالرؤف البلوشی کا**) ذاتی طریقہ وتجربہ یہ ہے۔کہ! وہ شخص بجانب قبلہ منہ کر کے نہایت تضرع وآہ وزاری اور خشوع وخضوع سے سرورِ انبیاء امام المرسلین ﷺ کی ذاتِ اقدس پر چند مرتبہ درود وسلام بھیجے۔ہر شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں درودِ پاک کی (طاق) تعداد خود متعین کر سکتا ہے۔پھر وہ دعا وسلام رجال الغیب کو روزانہ کھلے آسمان کے نیچے بحالتِ خلوت **100** مرتبہ اِس طرح سے پڑھے کہ! اُس رات جس طرف کو رجالُ الغیب ہوں۔منہ اُن کی طرف کر کے کھڑے ہو کر **10** مرتبہ دُعائے رجال الغیب پڑھ کر تین قدم دائیں کو چلیں۔پھر **10** مرتبہ دُعائے رجال الغیب پڑھ کر تین قدم آگے کو چلیں۔پھر **10** مرتبہ دُعائے رجال الغیب پڑھ کر تین قدم بائیں کو چلیں۔پھر **10** مرتبہ دُعائے رجال الغیب پڑھ کر تین قدم پیچھے کو چلیں۔(**یاد رہے۔کہ دائیں بائیں آگے یا پیچھے چلتے وقت منہ رجال غیب ہی کی طرف رہنا چاہیئے**) پھر **10** مرتبہ دُعائے رجال الغیب پڑھ کر آسمان کی طرف پھونکیں۔پھر **10** مرتبہ دُعائے رجال الغیب پڑھ کر نیچے زمین کی جانب پھونکیں۔پھر **40** مرتبہ دُعائے رجال الغیب کو نقشے کی تاریخوں کے مطابق رجال الغیب کی طرف منہ کر کے مصلے پر بیٹھ کر پڑھتے رہیں۔ پھر آخر میں بھی درود وسلام پڑھ کر عمل کا اختتام کرے۔

(اگر یہ ترتیب یاد نہ رہے۔تو چاہیئے۔کہ! رجال الغیب کی طرف منہ کر کے صد مرتبہ دعائے رجال الغیب پڑھے) پھر کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہے۔اگر روزانہ اِسی عمل کو بھی جاری رکھا گیا۔تو صاحب عمل کو کچھ کیفیات ومشاہدات حاصل ہوں گے۔جیسے کہ! چند دنوں کے بعد اسے ایسا محسوس ہوگا۔کہ جیسے اس کے پاس سے کچھ بڑے اجسام اُڑ رہے ہیں۔اور اڑتے ہوئے اس کے پاس سے گُزر جاتے ہیں۔اور شوں کی آواز بھی سنائی دینے لگے گی۔کبھی کبھی تو اچانک سے صاحبِ عمل ہذا کو گرم یا ٹھنڈی ہوا چلتی ہوئی محسوس ہوگی۔ پھر چند ہفتوں بعد وہ اجسام کچھ مبہم سے نظر آنا شروع ہو جائیں گے۔مزید بیان نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ یہ دراصل ایک رمزِ الٰہی اور سرِ مکنون ہے۔کہ! جس کو مزید بیان کرنے کی اجازت نہیں۔صاحبِ عمل از خود ملاحظہ ومشاہدہ کر سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل وکرم سے اِس مجرب ومستند عمل کی بدولت اور اپنے محبوب ومقبول بندوں یعنی رجال الغیب اور ابدال کے ذریعے سے مشکلات کو حل فرمائے گا۔انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ بات لازماً ذہن نشین رہے۔کہ صاحب دعا اور آسمان کے درمیان کوئی چیز مثل کلاہ ، چھت وغیرہ نہ ہو۔کیونکہ یہ بھی عظیم رموز واسرار ہیں۔نقشہء رجال الغیب معہ دعوت یہ ہے۔

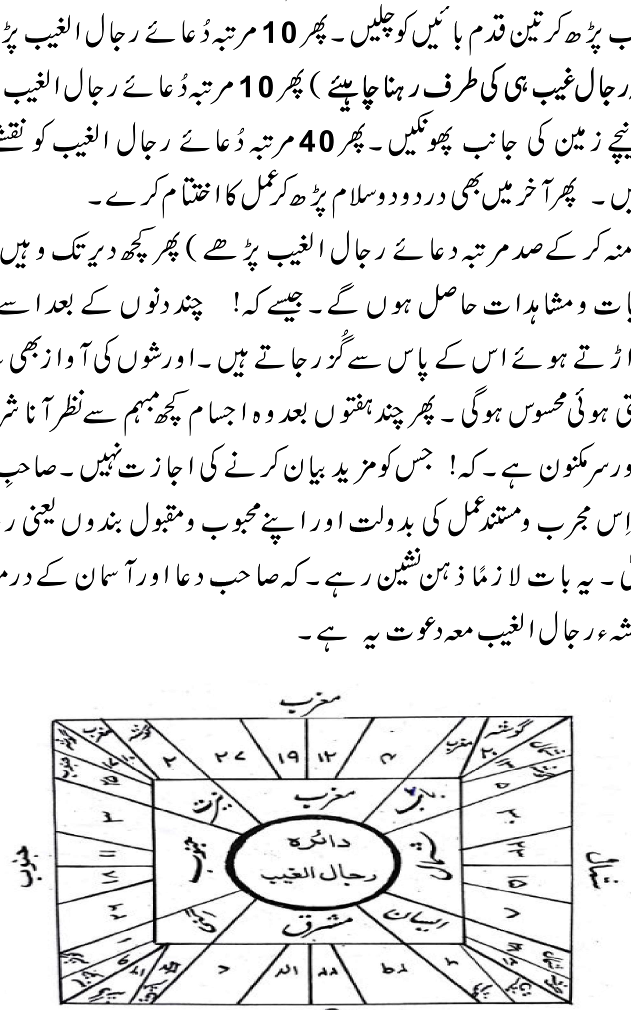

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ o اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ یَا رِجَالَ الۡغَیۡبِ o اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ اَیَّتُھَا الۡاَرۡوَاحِ الۡمُقَدَّسَۃِ اَعِیۡنُوۡنِیۡ بِقُوَّۃٍ وَّانۡظُرُوۡنِیۡ بِنَظۡرَۃٍ اَجِیۡبُوۡنِیۡ بِدَعۡوَۃٍ. یَارُقُبَآءُ وَیَا نُقَبَآءُ وَیَا نُجَبَآءُ وَیَا بُدَلَآءُ وَیَااَوۡتَادَالۡاَرۡضِ وَیَا اَقۡطَابِ وَیَا قُطۡبَ الۡاَقۡطَابِ اَغِیۡثُوۡنِیۡ بِغَوۡثَۃٍ اُمۡدُدُوۡنِیۡ فِیۡ ھٰذَا الۡاَمۡرِ (حاجت کا نام) سَلَّمَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ بِحَقِّ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ o بِرَحۡمَتِکَ یَااَرۡحَمَ الرَّا حِمِیۡنَ o

خاصانِ خدا ، خدا نباشند لیکن زِ خدا ، جُدا نباشند

تعارفِ ابدال :

ابدال سے مُراد وہ چالیس مَردانِ قلندر (اولیاءِ برحق) ہیں۔ جب اِن میں سے کوئی ایک وفات پا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ دوسرے کو اِس (فوت شدہ) کی جگہ مامور فرماتے ہیں۔ قیامِ قیامت سے قبل یہ تمام وفات پا جائیں گے۔ بہرحال اِن چالیس ابدال میں سے بائیس **22**۔ مُلک شام میں اور **18** عراق میں ہوتے ہیں۔ ☆ امام قرطبی نے بحوالہ ''نوادرالاصول'' (از حکیم ترمذی) میں حضرت ابودرداءؓ سے روایت کیا ہے۔ بے شک انبیاءؑ زمین کے اوتاد (ستون) تھے۔ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اِن کی جگہ پر بطورِ متبادل اُمتِ محمدیہ ﷺ میں سے ایک (نیک وصالح) قوم کو مقرر فرمایا۔ جنھیں ''ابدال'' کہتے ہیں۔ اِنہیں کثرتِ صوم وصلوٰۃ کے باعث لوگوں پر فضیلت نہیں ملی۔ بلکہ حسنِ اخلاق، صدق وتقوٰی، حسنِ نیت، عامۃُ المسلمین کی خیرخواہی، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وعظ ونصیحت، صبر وحلم، دانشمندی اور ذلت سے پاک ومبراء عاجزی کے باعث اِنہیں یہ مقام حاصل ہوا۔ سبحان اللہ۔

☆ اِسی ضمن میں ایک مشہور ومعروف حدیثِ نبوی ﷺ بھی ہے۔ کہ! حضرت سیدنا علی المرتضٰیؓ سے مروی ہے۔ آپؓ نے فرمایا۔ کہ میں نے جنابِ رسولِ معظم ﷺ کو فرماتے سنا۔ یقیناً ابدال شام میں ہوں گے۔ جب کبھی اِن میں سے ایک وفات پائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اِس کی جگہ دوسرے کو متعین فرمائے گا۔ اِن کی برکت سے بادل بارش برسائیں گے۔ اور اِن کے طفیل دشمنوں پر فتح دی جائے گی۔ اور اِن کے تصدق سے اہلِ ارض کی بلائیں ٹال دی جائیں گی۔ (انشاء اللہ) ☆ یہ حدیثِ نبوی ﷺ امام یافعی کی مشہورِ زمانہ کتاب روض الریاحین میں مذکور ہے۔ کہ! حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا۔ اہلِ شام کو بُرا مَت کہو۔ کیونکہ اِن میں ابدال رہتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ! سیدنا نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! میری اُمت میں سے شام میں **22** ابدال رہتے ہیں۔ اور **18** ابدال عراق میں رہتے ہیں۔ ☆ حضرت علی المرتضیٰؓ سے مروی ہے۔ کہ! آپؓ نے فرمایا۔ کہ! میں نے رسول اللہ ﷺ کو (یہ) فرماتے ہوئے سنا۔ کہ! یقیناً ابدال (ملکِ) شام میں ہوں گے۔ اور وہ چالیس مرد ہوں گے۔ جب کبھی اِن میں سے ایک وفات پا جائیگا۔ تو اللہ تعالیٰ اِس کی جگہ دوسرے کو متعین فرمائے گا۔ اِن کی برکت سے بادل بارش برسائیں گے۔ اور اِن کے طفیل دشمنوں پر فتح دی جائے گی۔ اور اِن کے صدقے زمین والوں کی بلائیں ٹال دی جائیں گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) ☆ ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے۔ کہ! میری اُمت میں **40** چالیس ابدال ہیں۔ (جن میں سے) بارہ **12**۔ ابدال صرف مُلک شام میں ہوتے ہیں۔ اور اٹھائیس **28**۔ مُلک عراق میں ہیں۔

☆ ملک شام کے ایک تابعی بنامِ حضرت مکحولؒ، حضرت ابودرداء صحابیؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ! انبیاءؑ اوتادُالارض تھے۔ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا۔ تو اُمتِ محمد ﷺ سے ایک قوم کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ جن کو ابدال کہتے ہیں۔ ☆ صاحبِ مرآۃ الاسرار (عبدالرحمٰن چشتیؒ) فرماتے ہیں۔ کہ! اے محبوب! تین سوستاون ابدال (مندرجہ بالا **40** ابدالوں کے علاوہ) اور ہیں۔ اور اِن میں سے کچھ تو قلبِ آدمؑ پر ہیں۔ صاحبِ مرآۃ الاسرار نے ایک مرتبہ اِن ابدالوں سے دریائے نیل پر ملاقات کی ہے۔ بہرحال تین سوستاون بُدلاء کا مسکن عموماً پہاڑ ہوتے ہیں۔ اِن کی خوراک درختوں کے پتے اور (حلال) جنگلی جانور ہیں۔ ☆ اِسی ضمن میں ایک حدیثِ نبوی ﷺ بھی وارد ہے کہ! اللہ تعالیٰ نے تین سو افراد پیدا کئے ہیں۔ جن کے قلوب حضرت آدم نبیؑ کے قلب پر ہیں۔ ☆ اِن میں سے چالیس **40**۔ ایسے ہیں۔ کہ جن کے قلوب حضرت سیدنا موسیٰ نبیؑ کے قلب پر ہیں۔ ☆ پھر اِن میں سے **07** ایسے ہیں۔ کہ جن کے قلوب حضرت سیدنا ابراہیم نبیؑ کے قلب پر ہیں۔ ☆ اِن میں سے **05** ایسے ہیں۔ کہ جن کے قلوب حضرت جبرائیلؑ کے قلب پر ہیں۔ ☆ اِن میں سے **05** ایسے ہیں۔ کہ جن کے قلوب حضرت میکائیلؑ کے قلب پر ہیں۔ ☆ اور اِن میں سے **01** ایسا ہے۔ کہ جس کا قلب حضرت اسرافیلؑ کے قلب پر ہے۔ ☆ یہ ایک (کہ جس کا قلب حضرت اسرافیلؑ کے قلب پر ہوتا ہے)۔

جب یہ ایک وفات پا جائے۔ تو اُن تین افراد میں سے کسی ایک کو (کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم اور رسالت مآب ﷺ کی خصوصی نظر مبارک ہو) مقرر کر دیا جاتا ہے۔ جب اُن تین میں سے کوئی رحلت کر جائے۔ تو اُن پانچ میں سے کسی ایک کو (کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم اور رسالت مآب ﷺ کی خصوصی نظر مبارک ہو) مقرر کر دیا جاتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس۔۔۔ اور جب اُن تین صد میں سے کوئی انتقال کر جائے۔ تو زہاد میں سے جو کوئی صوفی صفت وسیرت کا حامل ہو، کو مقرر کر دیا جاتا ہے۔ بہرحال یاد رہے کہ یہ تمام بُدلاء (ابدال کی جمع) اِسی ترتیب سے قطبِ ابدال (کہ جس کا قلب حضرت اسرافیلؑ کے قلب پر ہوتا ہے) سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ ☆ لطائفِ اشرفی میں تحریر ہے۔ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے ساری دنیا کے دو خطے فرض (مقرر) کئے ہیں۔ دنیا کا نصف خطہ شرقی کہلاتا ہے۔ جس میں خراسان، ہند (یعنی کہ! برصغیر کے تمام ممالک جیسے پاکستان، انڈیا، نیپال، بنگلہ دیش، بھوٹان۔۔۔) اور تمام مشرقی ممالک خطہ عراق میں شامل ہیں۔ جبکہ دنیا کا نصف خطہ مغربی کہلاتا ہے۔ جس میں بلاد مصر اور تمام مغربی ممالک شامل ہیں۔ اور اِن چالیس بُدلاء کا فیض تمام دنیا پر پھیلا ہوا ہے۔ صاحب **کشف المحجوب** اور اکثر مشائخِ عُظام نے اِن چالیس ابدالوں کو ابرار قرار دیا ہے۔ بہرحال یہ دونوں اقوال صحیح اور متحقق ہیں۔

زیارتِ انبیاءؑ و اصفیاء : شب جمعہ سے روزانہ بعد نمازِ عشاء یہ عمل کر کے سو جائیں۔ سورہ والشّمس، واللیل، والضحیٰ، انشراح، تکاثر، اخلاص (ہر سورہ سات مرتبہ) پڑھ کر پھر اکیس مرتبہ آیتِ نور (اللہ نور السموات والارض۔۔ آخر تک) یہ دُعا پڑھتے پڑھتے سو جائیں۔ **اللھم ارنی فی منامی انبیائک والاصفیائک واجعل لی من امری فرجا وارزقنی فی مذمی ما بدل بہ علی الا جابتہ دعوتی ۔**

درجہ ابدال کے حصول کے دو مجرب المجرب اور مستند طریقے :

صاحب مواہب اللدنیہ (علامہ احمد بن محمد قسطلانیؒ)، حضرت سیدی عبدالوہاب الشعرانیؒ اپنی مشہورِ زمانہ کتاب لطائف المنن میں اور صاحبِ کیمیائے سعادت جنابِ حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتب احیاء العلوم میں (جنابِ حضرت معروف کرخیؒ کے حوالہ سے) فرمایا ہے۔کہ! جو شخص ہر روز دن میں تین مرتبہ یہ دُعا مانگتا رہے۔(تو وہ دنیا سے رُخصتی سے قبل درجہ ابدالیت پا لے گا۔اور بروزِ قیامت ایسا شخص ابدالوں میں سے اُٹھایا جائے گا۔اور وہ ابدال میں لکھا جائے گا۔انشاءاللہ تعالیٰ) دُعا یہ ہے۔ **اللھم اصلح اُمة محمد صلی الله علیه واله وسلم ۔ اللھم ارحم اُمة محمد صلی الله علیه واله وسلم ۔ اللھم فرج عن اُمة محمد صلی الله علیه واله وسلم ۔**

حضرت علی ثانی امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ نے اپنے اوراد بنام **اورادِ فتحیه** میں مذکورہ دُعا کو اِس طرح سے بیان فرمایا ہے۔

اللھم اغفر لامة سید نا محمد ﷺ ۔ اللھم ارحم اُمة سید نا محمد ﷺ ۔ اللھم انصر امة سید نا محمد ﷺ ۔ اللھم افتح لامة سید نا محمد ﷺ ۔ اللھم اصلح امة سید نا محمد ﷺ ۔ اللھم فرج عن امة سید نا محمد ﷺ ۔ اللھم کرم امة سید نا محمد ﷺ ۔ اللھم عظم امة سید نا محمد ﷺ ۔ اللھم تجاوز عن امة سید نا محمد ﷺ ۔

حضرت شیخ اکبر امام محی الدین ابنِ عربیؒ اپنے مختصر رسالہ ''حلیة الابدال'' میں رقم طراز ہیں۔کہ! میں نے ایک (نیک و صالح) بزرگ سے پوچھا۔یا سیدی! **ابدال کیسے بنتا ھے** ؟ تو اُنہوں نے فرمایا۔ان چار چیزوں سے جو ابو طالبؒ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھی ہیں۔

1۔ خاموشی ۔ **2**۔ تنہائی ۔ **3**۔ بھوک ۔ **4**۔ بیداری ۔ یہی چار چیزیں مرید کے لئے نہ صرف اصل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بلکہ انہی کے سبب و دیگر فرائض و سنن کے ارکان کی ادائیگی پر قوت و توانائی بھی حاصل کرتا ہے۔ (اسی ضمن میں **حضرت سلطان العارفین سلطان باھوؒ** فرماتے ہیں۔کہ!) **نفس چار چیزوں سے ہلاک ہوتا ہے**۔خاموشی کا خنجر۔بھوک کی تلوار۔لوگوں کے مجمع سے الگ تھلگ رہنا۔کم سونا۔ **حضرت شیخ فتح موصلیؒ** فرماتے ہیں۔کہ! میں نے تیس برس سے ابدالین سے نیاز حاصل کیا۔اور سب ہی نے یہ نصیحت فرمائی۔کہ! مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرو۔اور کم کھاؤ۔

خاموشی کی فضیلت : حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ! خاموشی حکمت ہے۔مگر اس (خوبی و خاصیت اور خصلت) کو اختیار کرنے والے (لوگ) قلیل ہیں۔ **حدیث** : زیادہ خاموش رہا کرو۔کیونکہ! یہی چیز شیطانی حملوں سے بچانے والی ہے۔اور دینی امور میں تمہاری معاون ہوگی۔ **حدیث** : جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو۔کہ وہ سلامتی کے ساتھ زندگی گزارے۔تو (وہ شخص) خاموش رہنے کا اہتمام کرے۔ **حدیث** : آپ ﷺ نے فرمایا۔اے ابوذرؓ ! کیا مَیں تجھے دو خوبیوں سے آگاہ نہ کروں۔(کہ) جن کی ادائیگی آسان ہے۔لیکن وہ ترازو میں دیگر جملہ نیکیوں سے بھاری ہوں گی۔انہوں نے عرض کیا۔جی ہاں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ! (تو) آپ ﷺ نے فرمایا۔(کہ) تُو حسنِ خلق اور خاموشی کو لازم پکڑ۔اس ذات کی قسم (کہ) جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔مخلوقات نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا۔جو (ان دونوں یعنی خاموشی اور حُسنِ خلق کے) برابر ہو۔

ولایت میں ھفت اقالیم کے متعلق معلومات :

اِسی ضمن میں صاحب فصوص الحکم جناب حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اندلسیؒ اپنی مشہورِ زمانہ کتاب فتوحاتِ مکیہ کے باب نمبر **198** میں فرماتے ہیں۔کہ! روحانیت ہر اقلیم مرتبط ہے اُس آسمان سے۔جو اس کے مشاکل ہے۔تو جاننا چاہیئے۔کہ اقلیم اول مرتبط ہے ساتویں آسمان سے۔توضیح اس کی یوں جاننا چاہیئے۔کہ! اللہ تعالیٰ نے اِس زمین کی، کہ جس پر ہم رہتے بستے ہیں۔اس زمین کی سات اقالیم بنائی ہیں۔اور اپنے مومن بندوں میں سے سات اشخاص کو چھانٹ کر اِن کا نام ابدال رکھا۔اور ہر بدل کے واسطے ایک ایک اقلیم مقرر کر دی۔اور اس اقلیم کو اس کی وجہ سے محفوظ کر دیا۔

☆ اقلیم اول کی طرف آسمانِ ہفتم سے جو بھی اَمرِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔وہ اس کی طرف ستارہ زحل کی روحانیت ناظر ہوتی ہے۔اور جو بدل اُس کا محافظ ہو۔وہ درحقیقت حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے قلبِ اطہر پر ہوتا ہے۔ ☆ اقلیم دوئم کی طرف آسمانِ ششم سے جو بھی اَمرِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔وہ اس کی طرف ستارہ مشتری کی روحانیت ناظر ہوتی ہے۔اور جو بدل اُس کا محافظ ہو۔وہ درحقیقت حضرت موسیٰؑ کے قلبِ اطہر پر ہوتا ہے۔ ☆ اقلیم سوئم کی طرف آسمانِ پنجم سے جو بھی اَمرِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔وہ اس کی طرف ستارہ مریخ کی روحانیت ناظر ہوتی ہے۔اور جو بدل اُس کا محافظ ہو۔وہ درحقیقت حضرت ہارونؑ کے قلبِ اطہر پر ہوتا ہے۔اور وہ بتا ئید محمدیؐ زندہ ہے۔ ☆ اقلیم چہارم کی طرف آسمانِ چہارم سے جو بھی اَمرِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔وہ اس کی طرف ستارہ اعظم یعنی شمس کی روحانیت ناظر ہوتی ہے۔اور جو بدل اُس کا محافظ ہو۔وہ درحقیقت حضرت ادریسؑ کے قلبِ اطہر پر ہوتا ہے۔اور یہی وہ قطب ہے۔جس کو کہ اَب تک موت نہیں آئی۔اور جو بھی اقطاب دنیا میں ہیں۔وہ اس کے نائب ہیں۔ ☆ اقلیم پنجم کی طرف آسمانِ سوئم سے جو بھی اَمرِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔وہ اس کی طرف ستارہ زہرہ کی روحانیت ناظر ہوتی ہے۔اور جو بدل اُس کا محافظ ہو۔وہ درحقیقت حضرت یوسفؑ کے قلبِ اطہر پر ہوتا ہے۔

☆ اقلیم ششم کی طرف آسمانِ دوئم سے جو بھی اَمرِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔وہ اس کی طرف ستارہ عطارد کی روحانیت ناظر ہوتی ہے۔اور جو بدل اُس کا محافظ ہو۔وہ درحقیقت حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کے قلوب پر ہوتا ہے۔ ☆ اقلیم ہفتم یعنی آخری اقلیم کی طرف آسمانِ اول سے جو بھی اَمرِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔وہ اس کی طرف ستارہ قمر کی روحانیت ناظر ہوتی ہے۔اور جو بدل اُس کا محافظ ہو۔وہ درحقیقت حضرت آدمؑ کے قلبِ اطہر پر ہوتا ہے۔

حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ مزید فرماتے ہیں ۔ کہ! مَیں اِن ساتوں ابدال سے مکہ معظمہ میں حطیم حنابلہ کی پشت پر ملا ۔ تو مَیں نے دیکھا ۔ کہ وہ رکوع میں تھے ۔ میں نے انھیں سلام کیا ۔ بعد جواب ، وہ مجھ سے باتیں کرنے لگ گئے ۔ واقعی اِن سے بڑھ کر مَیں نے اللہ تعالیٰ کی یاد میں شاغل کسی اور کو نہیں دیکھا ۔ اور نہ ان کے جیسا کسی اور کو پایا ۔ سوئے '' حضرت سقیط الرفرف بن ساقط العرش '' جن سے مَیں قونیہ میں ملا ۔ وہ فارس کے رہنے والے تھے ۔

ہفت اقالیم کے بُدلاء کی حقیقت :

حضرت سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا ۔ کہ! **بـدلاء اُمتی سبعة** ۔ میری اُمت میں سات ابدال ہیں ۔ یہ ابدال عوام الناس کی آنکھوں سے پنہاں ہوتے ہیں ۔ صرف اہلِ حال اور انسانِ کامل ہی اِن کو جان اور پہچان سکتے ہیں ۔ اِن کے سات گروہ ہیں ۔ جیسا کہ متذکرہ حدیثِ نبوی ﷺ میں مذکور ہے ۔ بہرحال یہ سات ابدال سات اقالیم میں ہوتے ہیں ۔ ایک ابدال فی اقلیم کے حساب سے ہوتا ہے ۔ اِن کا کام عاجزوں اور محتاجوں کی امداد کرنا ہے ۔ جب اِس قوم میں کوئی درویشِ کامل ہوتا ہے ۔ تو وہ درویش اِن عاجزوں کی فریاد رسی کرتا ہے ۔ جب اِن میں سے کوئی رحلت کرتا ہے ۔ تو اُس کی جگہ پر کسی دوسرے صوفی کو ڈیوٹی پر لگا دیا جاتا ہے ۔ اور اِسی متوفی کے نام سے اُسے موسوم کرتے ہیں ۔ اِن مذکورہ ساتوں ابدالوں (بدلاء) میں سے ہر ایک کسی نہ کسی نبیؑ کے مشرب پر ہوتا ہے ۔ جن کی مختصر مگر جامع تفصیل یہ ہے کہ! ☆ پہلی اقلیم کی ولایت کا ابدال جنابِ **حضرت ابراہیم نبیؑ** کے مشرب و قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا نام **عبدالحی** ہوتا ہے ۔ ☆ دوسری اقلیم کی ولایت کا ابدال جنابِ **حضرت موسیٰ نبیؑ** کے مشرب وقلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا نام **عبدالعلیم** ہوتا ہے ۔ ☆ تیسری اقلیم کی ولایت کا ابدال جنابِ **حضرت ہارون نبیؑ** کے مشرب وقلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا نام **عبدالمرید** ہوتا ہے ۔ ☆ چوتھی اقلیم کی ولایت کا ابدال جنابِ **حضرت ادریس نبیؑ** کے مشرب وقلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا نام **عبدالقادر** ہوتا ہے ۔ ☆ پانچویں اقلیم کی ولایت کا ابدال جنابِ **حضرت یوسف نبیؑ** کے مشرب وقلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا نام **عبدالقاہر** ہوتا ہے ۔ ☆ چھٹی اقلیم کی ولایت کا ابدال جنابِ **حضرت عیسیٰ نبیؑ** کے مشرب وقلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا نام **عبدالسمیع** ہوتا ہے ۔ ☆ ساتویں اقلیم کی ولایت کا ابدال جنابِ **حضرت آدم نبیؑ** کے مشرب وقلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا نام **عبدالبصیر** ہوتا ہے ۔ یاد رہے کہ! ساتویں اقلیم کا ابدال دراصل **حضرت خضرؑ** ہے ۔ اِن میں سے ہر ایک ابدال لطائف اور معارفِ الٰہی کا عارف ہوتا ہے ۔ اور ابرار سات ستاروں میں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اِن کے اندر تمام طرح کی تاثیر ودیعت کی ہوئی ہے ۔ اور جو دو ابدال (یعنی کہ! چوتھی اور پانچویں اقالیم کے بُدلاء) جن کے اسماء **عبدالقادر** اور **عبدالقاہر** ہیں ۔ وہ اِس ملک یا قوم پر مامور ہوتے ہیں ۔ جن پر قہر نازل ہوتا ہے ۔ اِس ملک وقوم کی مقہوری (تباہی) اِن کے قدموں کی بدولت ہوتی ہے ۔

ولایت میں دوازدہ اقطاب کے کن انبیاءؑ کے قلوب پر اور ان کے متعلقہ اوراد :

مصنفِ کتاب مرآۃ الاسرار (حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتیؒ متوفی 1094ھ) میں حضرت شیخ اکبر ابنِ عربیؒ اپنی یگانہ روزگار کتاب فتوحاتِ مکیہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں ۔ کہ! تمامی اقطاب دراصل حضراتِ انبیاءؑ کے قلوب پر ہوتے ہیں ۔ اور ان کے اوراد کی تفاصیل یہ ہیں ۔

☆ قطبِ اوّل دراصل حضرت نوح نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **یٰسین شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ دوئم حضرت ابراہیم نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **اخلاص شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ سوئم حضرت موسیٰ نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **اذا جاء نصر اللہ والفتح** ہے ۔ ☆ قطبِ چہارم حضرت عیسیٰ نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **فتح شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ پنجم حضرت داؤد نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **اذا زلزلت الارض زلزالھا** ہے ۔ ☆ قطبِ ششم حضرت سلیمان نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **واقعہ شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ ہفتم حضرت ایوب نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **بقرہ شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ ہشتم حضرت الیاس نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **کہف شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ نہم حضرت لوط نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **نمل شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ دہم حضرت ہود نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **انعام شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ یازدہم حضرت صالح نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **طٰہٰ شریف** ہے ۔ ☆ قطبِ دوازدہم حضرت شیث نبیؑ کے قلب پر ہوتا ہے ۔ اور اِس کا ورد سورہ **ملک شریف** ہے ۔

فلاں ولی کا فلاں نبیؑ کے قدم مبارک پر ہونے کا مطلب :

صوفیاء کی کتب میں ہے ۔ کہ! فلاں ولی اللہؒ کا قدم فلاں نبیؑ یا پھر رسولؑ کے قدم مبارک پر ہے ۔ یعنی کہ وہ ولی اللہ علوم وفنون ، تجلیات ، عادات واطوار اور مقامات واحوال جو اُس پیغمبرؑ سے مخصوص ومنسوب ہیں ۔ اُس ولی کو اُس پیغمبرؑ کی معاونت حاصل ہے ۔ لیکن یہ تمام اولیاءؒ مشکوٰۃ محمدی ﷺ سے ہیں ۔ پس وہ ولی مثلاً محمدی ہے ، موسویؑ ہے ، عیسوی ہے ۔ **علیٰ ھذا القیاس** ۔ ۔ یاد رہے ۔ کہ! شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بھی یہی کلمہ حق بلند کیا ۔ کہ میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے ۔ ۔ ۔

عمر تو ساری کٹی عشقِ بتاں میں مومن　　　آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

حضراتِ مردانِ غیب : (بمثل رجال الغیب یا رجال اللہ)

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں۔کہ! جس (خوش نصیب) آدمی سے مردانِ غیب کی ملاقات ہوتی ہے۔ پہلے اسے وہ آواز دیتے ہیں۔(پھر وہ روزانہ یا وقتاً فوقتاً آوزیں دیتے رہتے ہیں) جب وہ اس میں پکا ہوجاتا ہے۔تو پھر یہی مردانِ غیب اپنے آپ کو ہلکی پھلکی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔ پھر وہ خود کو ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ جب وہ اس میں بھی پختہ ہوجاتا ہے۔تو یہ مردانِ غیب اُس کو اپنی مجالس میں بلاتے ہیں۔(لیکن یہ مقام ومرتبہ حاصل تبھی ہوا کرتا ہے۔کہ! جب کاملین یادالٰہی میں ہمہ وقت مشغول ومصروف رہتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اُن کا کوئی مقام ومرتبہ ہوتا ہے)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ فرماتے ہیں۔کہ! میرا ایک رفیق (شیخ عثمان سنجریؒ) جو میرا ہم خرقہ بھی تھا۔وہ اَز حد مشغولِ حق رہتا تھا۔ چنانچہ اسے مردانِ غیب آواز دیا کرتے تھے۔ چونکہ مذکورہ شیخ نے اپنا کام اور بھی زیادہ بڑھالیا۔(یعنی مزید عبادت پر کمربستہ ہوگیا۔تو) کچھ عرصے بعد وہ اس سے ملاقات بھی کرنے لگ گئے۔ایک روز وہ شیخ اپنے رفقاء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔کہ! اس نے ایک شیخ کے آنے پر لبیک کہا۔تو انہوں نے کہا۔کہ! تم آتے ہو۔یا ہم چلے جائیں۔ جونہی اس شیخ نے یہ بات سنی۔مجلس سے (فوراً) اُٹھ بیٹھا۔اور آواز کی طرف چلتا ہوا ہم سے کافی دور چلا گیا۔یہاں تک کہ نظروں سے ہی غائب ہوگیا۔ مجھے معلوم نہ ہوا۔کہ وہ شیخ کہاں گیا۔اور وہ (مردانِ غیب) اس شیخ کو کہاں لے گئے۔

اَقسامِ رجالُ اللہ : رجال اللہ کی چند اقسام ہیں۔جیسے کہ! پہلی قسم کو اقطاب کہا جاتا ہے۔دوسری کو غوث، تیسری کو امامہ، چوتھی کو اوتاد، پانچویں کو ابدال، چھٹی کو اخیار، ساتویں کو ابرار، آٹھویں کو نقباء، نویں کو نجباء، دسویں کو عُمداء، گیارہویں کو مکتومان، بارھویں کو مفردان، تیرھویں کو محبوبِ قطبِ عالم کہا جاتا ہے۔اور محبوبِ قطبِ عالم سارے جہاں اور زمانے میں فقط ایک ہی ہوتا ہے۔ جسے غوثُ العالم بھی کہتے ہیں۔ دنیا اور آخرت یعنی عالمِ علوی وسفلی کے تمام موجودات (یعنی مخلوقات) محبوبِ قطبِ عالم کے وجود سے قائم ہوتے ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب) جاننا چاہیئے کہ! قطبِ عالم کو قطبِ کُبریٰ، قطبِ ارشاد، قطب الاقطاب اور قطبِ مدار بھی کہتے ہیں۔اور قطبِ مدار جب مرتبہ قطبیت کو پہنچتا ہے۔تو اُس کا نام عبداللہ سے موسوم ہوجاتا ہے۔کیونکہ موجوداتِ عالم (عالم علوی و سفلی) کا وجود قطبِ عالم کی برکت سے ہوتا ہے۔اِس قطبِ مدار کے مزید آگے دو وزیر ہوتے ہیں۔جن کو حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؓ نے اپنی یگانہ روزگار کتاب فتوحاتِ مکیہ میں امامان کے نام سے موسوم کیا ہے۔ایک قطبِ عالم کے دائیں طرف (بنامِ عبدالرب) ہوتا ہے۔جبکہ دوسرا بائیں طرف (بنامِ عبدالملک) ہوتا ہے۔اسی ضمن میں صاحبِ فتوحاتِ مکیہ فرماتے ہیں۔کہ! **عبدالملک** دایاں وزیر ہوتا ہے۔ جبکہ عبدالرب بایاں وزیر ہوتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

بہر حال! جناب عبدالملک، قطبِ مدار کی روح سے فیض یاب ہوتا ہے۔اور اِس فیض کو عالمِ علوی پر تقسیم کرتا ہے۔جبکہ جناب عبدالرب، قطبِ مدار کے قلب سے فیض حاصل کرتا ہے۔اور اِس فیض کو عالمِ سفلی پر تقسیم کرتا ہے۔ جب قطبِ مدار اِس دنیائے فانی سے رحلت کر کے عُقبیٰ کو کوچ کر جاتا ہے۔تو عبدالملک اِس کا قائم مقام ہوجاتا ہے۔اور قطبِ مدار کا نام عبداللہ ہوجاتا ہے۔یعنی ارض وسماء پر ایسے شخص کو عبداللہ کہہ کر پکارا جاتا ہے۔اگرچہ والدین نے اِس کا کچھ اور ہی نام کیوں نہ رکھا ہو۔جبکہ بائیں طرف والے وزیر کی جگہ عبدالرب کو عبدالملک کی جگہ پر بٹھا دیا جاتا ہے۔اور عبدالرب کی جگہ پر بُدلاء (ابدال کی جمع) میں سے اُس ابدال کو، جو کہ حضرت اسرافیلؑ کے قلب پر ہوتا ہے۔کو (عبدالرب) کی جگہ پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ! تمام رجال اللہ کا نام ظاہر میں کچھ بھی ہو۔مگر باطنی دنیا میں اُنہیں کسی اور نام سے پکارا جاتا ہے۔لہذا ایسوں کو حق تعالیٰ کے مربی اسم سے موسوم کرتے ہیں۔اِسی طرح روزِ قیامت تک تواتر کیساتھ سے یہی ہوتا رہے گا۔ انشاء اللہ العظیم۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ کتاب فتوحاتِ مکیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔کہ! اے محبوب! اِس فقیر (ابنِ عربیؓ) کو تمام اقطاب کی قدم بوسی میسر ہوئی ہے۔اور ہوتی رہتی ہے۔اور ہر نعمت اِس فقیر کو ابتدائے حال میں وافر نصیب ہوئی ہے۔(الحمدللہ وماشاءاللہ) بہر حال! اِن دوازدہ اقطاب میں سے سات عدد اقطاب سات اقالیم میں ہوتے ہیں۔یعنی ہر اقلیم میں ایک قطب۔اِن اقطابِ اقالیم میں ہر ایک کو قطبِ اقلیم کہا جاتا ہے۔اور باقی پانچ اقطاب میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ ولایت میں ہوتا ہے۔اِن کو قطبِ ولایت کہتے ہیں۔ جبکہ قطبِ عالم محبوب (قطبِ مدار) کا فیض اقطابِ اقالیم پر یکساں وارد ہوتا ہے۔اور اقطابِ ولایت کا فیض باقی تمامی اولیاء اللہ پر ہوتا ہے۔اِسی طرح سے یہ فیوضات قیامِ قیامت تک جاری رہیں گے۔ انشاء اللہ العظیم۔ ☆ جب ایک ولی اللہ ترقی کرتا ہے۔تو وہ قطبِ ولایت کے مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔اور جب قطبِ ولایت مزید ترقی کرتا ہے۔تو وہ قطبِ اقلیم کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے۔اور جب کوئی قطبِ اقلیم ترقی کرتا ہے۔تو وہ عبدالرب کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔جو کہ قطبِ مدار کے دائیں طرف کا وزیر ہوتا ہے۔اور یہ قطبِ اقلیم دراصل ابدال ہوتا ہے اسرافیل کے قدم پر۔اِس کو قطبِ ابدال بھی کہا جاتا ہے۔اس کے بعد تیسرے درجہ پر قطبِ ارشاد ہوتا ہے۔یعنی قطبِ عالم ہوجاتا ہے۔پس قطبِ عالم کی عمر دراز ہوتی ہے۔چونکہ وہ سلوک میں ہوتا ہے۔لہذا ترقی کر کے مقامِ فردانیت پر پہنچ جاتا ہے۔ ☆ لطائفِ اشرفی میں فتوحاتِ مکیہ سے نقل کیا گیا ہے۔کہ! آنحضرت رسولِ مکرم ﷺ نبوت کے پہلے افراد (مقامِ فردانیت) میں سے تھے۔اور حضرت خضر نبیؑ بھی افراد میں سے تھے۔اے محبوب غور سے سُن لے۔کہ! قطبِ مدار اور دیگر اقطاب کے مراتب اِس قدر عظیم اور بلند ہیں۔کہ ایک ولی کو ولایت سے معزول کر کے اس کی جگہ دوسرا ولی مقرر کر سکتے ہیں۔یاد رہے کہ! قطبِ عالم (قطبِ مدار) کا وہ مرتبہ ہے۔اگر چاہیں تو کسی بھی قطب کو قطبیت سے (بہ چشم زدن) معزول کر سکتے ہیں۔قطب الاقطاب اور غوث کی مشترکہ دُعا سے دوسرا شخص مرتبہ قطبیت پر پہنچ سکتا ہے۔ جیسے کہ حضرت محبوب صمدانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ! اُن کے زمانہ میں ہفت ابدال میں سے ایک صاحب نے انتقال کیا۔تو پیران پیر صاحب نے ایک کافر کو لے کر اُس کا زنار توڑا۔اور ابدالِ ہفت گانہ میں داخل کر دیا۔

☆ حضرت شیخ علاؤالدولہؒ فرماتے ہیں۔کہ! قطبِ ارشاد کی ولایت شمسی ہوتی ہے۔جو آفتاب کی طرح دنیا پر چمکتی ہے۔جبکہ قطبِ ابدال کی ولایت قمری ہوتی ہے۔جو ہفت اقالیم پر تصرف کرتی ہے۔ ☆ قطبِ مدار عرش سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا۔جبکہ افراد (مرتبہ فردانیت کا حامل ولی اللہ) عرش سے تحت الثریٰ تک متحقق ہوتا ہے۔یاد رہے کہ تصرف وتحقق میں بہت فرق ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے۔کہ! قطبِ مدار دائمی طور پر تجلی ءصفات میں محو ہوتا ہے۔جبکہ افرادِ کامل دائمی تجلی ءذات میں مستغرق رہتا ہے۔ ☆ قطبِ مدار تو خاص ہوتا ہے ہی۔مگر افرادِ اخص (خاص الخاص) ہوتا ہے۔بعض اولیائے کرام کو تجلی ءافعالی نصیب ہوتی ہے۔اور بعض کو تجلی اسماء،جبکہ بعض کو تجلی آثار حاصل ہوتی ہے۔اِسی وجہ سے بعض اولیائے عظام مقامِ محو (ہوشیاری) میں ہوتے ہیں۔جبکہ بعض مقام وکیفیت سکر (مکمل محویت واستغراق) میں ہوتے ہیں۔اور کچھ تو دونوں مقامات (محویت وسکر کے مقامات) میں ہوتے ہیں۔اولیائے کرام کے یہ مقامات عالم کثرت میں ہوا کرتے ہیں۔لیکن اہلِ فردانیت کو اِن مقامات سے باہر تجلی نصیب ہوتی ہے۔کیونکہ مقامِ فردانیت لامکاں ہے۔ ☆ روئے زمین کی مختلف جہات اور آبادیوں میں بلکہ بحر وبر میں ہر وقت ایسے رجال الغیب اور مردانِ خُدا ہر زمانہ میں موجود رہتے ہیں۔بلکہ صوفیائے کرام تو یہاں تک فرماتے ہیں۔کہ دنیا میں کوئی ملک،شہر،بستی یا قریہ ایسا نہیں۔کہ جس میں ایک قطب یا ابدال نہ ہو۔اور انہی کی خیر وبرکت سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔اور عذاب بھی ٹلتا رہتا ہے۔

رجالُ اللہ سے چند ملاقاتیں: (بمطابق کتاب رجال الغیب۔مصنف جناب پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب)

واقعہ نمبر 01۔ چند سال گزرے۔بادشاہ افغانستان جناب احمد شاہ ابدالی اپنے ملک سے اُٹھ کر پنجاب کو روندتا ہوا دہلی پر حملہ آور ہوا۔اور وہ پنجاب کے سکھوں اور ہندوؤں کو بھگاتا ہوا دہلی جا پہنچا۔اس بادشاہ نے ہندو اور سکھوں کے قتلِ عام کے ساتھ ساتھ ملک میں عدل وانصاف،نظم ونسق کے مسائل کو بھی درست کیا۔جو شخص چوری کرتا۔اُس کا ہاتھ کٹوا دیتا۔جو قتل کرتا اُس کو فوراً پھانسی چڑھا دیتا۔جو زیادتی کرتا اُسے فوری طور پر سزا دیتا۔جس کی وجہ سے دہلی سے چور اُچکے،ڈاکو قاتل قسم کے لوگ بھاگ گئے اور جو بچ گئے وہ مارے گئے۔اِس طرح دہلی کے لوگوں نے کافی برس بعد سُکھ کا سانس لیا۔معاملات درست ہوگئے۔اور ہر شخص اپنے اپنے روزمرہ کے امور کی سرانجام دہی میں مصروف ہوگیا۔

احمد شاہ ابدالی نے جب دہلی کا نظام درست کرلیا تو قاتلوں کو تختہ دار پر لٹکایا گیا۔چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ کاٹے جانے لگے۔دھوکہ بازوں کو طرح طرح کی سزائیں دی جانے لگیں۔مختلف علاقوں کے سرکش لشکروں کی سرکوبی کرکے انہیں دہلی اور اِس کے مضافات سے ہمیشہ کے لئے بھگا دیا گیا۔جب دہلی اور اِس شہر کے گرد ونواح میں مکمل سکون،عدل،انصاف اور امن وامان پوری طرح سے قائم ہوگیا۔اور ہر شخص چین وسکون سے رہنے لگا۔تو احمد شاہ ابدالی صاحب اپنی یہ عرضداشت لے کر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے پاس جا پہنچے۔اور اُن سے گزارش کی۔کہ! حضرت اَب تو دہلی شہر اور اِس کے مضافات میں امن وامان اور عدل وانصاف کا بول بالا ہے۔عوام الناس سکھ سے رہ رہے ہیں۔اِن دنوں دہلی کا قطب کون ہے؟ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا۔اِس وقت دہلی کا قطب وہ ضعیف العمر شخص ہے۔جو بعد نمازِ جمعۃ المبارک جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر مشکیزہ اُٹھائے نمازیوں کو پانی پلاتا ہوا نظر آئے۔احمد شاہ ابدالی جمعہ کی نماز کے بعد جامع مسجد کی سیڑھیوں پر جا پہنچا۔تو اُس نے دیکھا۔کہ! ایک بوڑھا شخص مشکیزہ اُٹھائے ہانپتا کانپتا ہوا سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔اور لوگ دوڑ دوڑ کر اِس سے پانی پی رہے ہیں۔احمد شاہ ابدالی بھی آگے بڑھا۔ایک آبخورہ لیا۔اور پانی مانگ کر پینے لگا۔آدھا پانی پیا۔اور آدھا پانی زمین پر زور سے اُنڈیل دیا۔اُس ضعیف العمر شخص (دہلی کے قطب) کو یہ بات بڑی ناگوار گزری۔تو اُس نے ایک زوردار طمانچہ احمد شاہ ابدالی (بادشاہ افغانستان) کو رسید کرتے ہوئے کہا۔تم نے یہ پانی کیوں ضائع کردیا۔یہ پانی کسی کے کام بھی تو آ سکتا تھا۔بادشاہ یہ بات ابھی سوچنے بھی نہ پایا تھا۔کہ بوڑھے نے کہا۔دفع ہو جاؤ یہاں سے۔اور مولوی عبدالعزیز کو کہنا۔تمھارے جیسے بے ہودہ لوگوں کو ہمارے پاس نہ بھیجا کرے۔پھر وہ شخص حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس پہنچا۔اور سارا واقعہ سنا کر کہنے لگا۔کہ! واقعی دہلی کا روحانی گورنر (قطبِ شہر) بڑا سخت ہے۔

واقعہ نمبر 02۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابنِ عربی اندلسیؒ کو رجالُ الغیب سے بڑی دلچسپی تھی۔اُنہوں نے اپنی زندگی میں بارہا مرتبہ حضرت خضر نبیؑ سے اور اپنے وقت کے اکثر چھوٹے بڑے اولیاء اللہ سے ملاقات کی ہے۔وہ بسا اوقات رجال الغیب سے ملاقات کے شوق میں ہزاروں میل تک پیدل سفر کرتے تھے۔حضرت شیخ اکبر اپنے وقت کے اتنے بڑے متبحر اور نامور عالم وولی الصفت شخصیت تھے۔کہ اہل علم اِنہیں علوم وفنون کا ناپیدا کنار سمندر قرار دیتے تھے۔ظاہری علوم وفنون دینی ودنیاوی کے علاوہ آپؒ کو باطنی علوم کے اکثر شعبہ جات میں کامل دسترس حاصل تھی۔

جب اِنہیں بتایا گیا۔کہ! روس کے جنوبی علاقوں،چین کے مغربی خطوں اور وسطِ ایشیاء کے ہزاروں میل تک آٹھ دس برس سے کوئی بارش نہیں ہوئی۔جس کی وجہ سے یہ تمام علاقے اور ان علاقوں کے مُضافات میں پانی کی شدید قلت اور خشک سالی برپا ہے۔جس کے باعث عوام الناس اپنے گھر بار،جائیداد واملاک چھوڑ چھاڑ کر دور افتادہ علاقوں میں چلے گئے ہیں۔اِن میں سے اکثر لوگوں کے مال مویشی خشک سالی،قحط،پانی اور غذائی قلت کی وجہ سے مرگئے ہیں۔اور وہاں کے درندے،وحشی جانور،چرند پرند اُن علاقوں کو چھوڑ کر دور دراز علاقوں میں چلے گئے ہیں۔ درخت سوکھ کر زمین کو آ لگے ہیں۔پہاڑ،میدان،چشمے، وادیاں،جھیلیں۔۔۔سب ختم ہو کر لق ودق صحرا میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ابنِ عربیؒ کو جب اِن تمام حالات وواقعات کا علم ہوا۔تو نہایت افسردگی کے عالم میں سوچنے لگے۔کہ! اِس وسیع وعریض علاقے کے قطب وتکوینی نظام کے نگران وذمہ دار کہاں ہیں؟ کیونکہ آسمان سے پانی برسانا،لوگوں کو رزق باہم پہنچانا،اِن کی تمام تکالیف کا ازالہ

کرنا (بفضلِ الٰہی) اُس علاقے کے قطب کی ذمہ داری ہے۔ مخلوقِ خدا کی اتنی تباہی، اُن کا اِس قدر جانی و مالی نقصان، اللہ تعالیٰ کی زمین جنت نظیر پر اتنی ویرانی، مگر یہ بزرگ (یعنی اُس علاقے کے قطب و روحانی نگران) بالکل بے نیاز ہیں۔ اگر چہ آپؓ تکوینی معاملات میں دخل دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ تاہم اپنے روحانی ذرائع و معلومات سے جب انہیں یہ معلوم ہوا۔ کہ اِن تمام علاقوں اور خطوں کا قطب اِن ایام میں کوہ قاف میں قیام پذیر ہیں۔ اور اپنی ریاضت وعبادت و مستغرق در عشقِ الٰہی وہیں کوہ قاف کی غاروں میں مصروف ہے۔ حضرت شیخ اکبرابن عربیؓ نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ اِن سے ملاقات کریں گے۔ اِن کی زیارت کریں گے۔ اور اگر ہو سکا۔ تو لوگوں اور جانداروں کی جملہ تکالیف ومصائب اور مشکلات سے آگاہ کریں گے۔ چنانچہ وہ اندلس سے چلے۔ منزل بہ منزل موسمیاتی تغیرات اور مشکلات کی پرواہ کئے بغیر بالآخر حضرت شیخ اکبرابنِ عربیؓ کوہ قاف کی اُسی غار (جس میں اُن علاقوں، خطوں اور ممالک کے قطب مصروفِ عبادت وریاضت تھے) کے دھانے پر پہنچنے میں کامیاب ہوہی گئے۔ جہاں اُس جگہ (**Region**) کا قطب قیام پذیر تھا۔ جب آپؓ نے اُس غار کے دروازے پر دیکھا۔ کہ اندرونِ غار تو تین سو اولیائے مستورین سجدے میں پڑے ہیں۔ اور بارگاہ الٰہی میں آہ وزاری کررہے ہیں۔ حضرت شیخ اکبرابنِ عربیؓ اُس غار کے دھانے پر محوِ حیرت ہوکر اُن اولیاء اللہ کو دیکھتے رہے۔ اور لبوں پر حضرت نبی کریم ﷺ پر درودوسلام (**شاید درودِ تنجینا**) پڑھتے ہوئے اُس شخص کی زیارت کی خواہش کی۔ جو اس علاقے کا قطب تھا۔ اِس درودِ پاک کی برکت سے ان حضرات میں سے ایک شخص اُٹھا۔ اور دروازے پر آیا۔ حضرت شیخ اکبرابنِ عربیؓ نے دیکھا۔ کہ اِس حاضر شخص کے بدن سے نور کے عجیب وغریب شعلے نمودار ہورہے ہیں۔ اس شخص نے ابنِ عربیؓ کے پاس آکر دریافت فرمایا۔ آپؓ کیسے آئے ہیں؟ تو حضرت ابنِ عربیؓ نے عرض کی۔ زیارت کے لئے۔ تو اُس بزرگ نے فرمایا۔ مجھے تمھاری خواہش کا علم ہے۔ کیونکہ مجھے حضرت خضر نبیؑ نے آپؓ کی آمد کا مقصد بتادیا تھا۔ اَب تم کوہ قاف کی وادیوں سے فوراً نکل جاؤ۔ حضرت شیخ اکبرابن عربیؓ اپنی تحریر میں بیان فرماتے ہیں۔ کہ میں کوہ قاف سے ابھی سو میل سے کچھ زیادہ جنوب کی جانب سفر کر چکا تھا۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ اس خشک وویران خطے پر بادلوں کے طوفان اُمنڈ آئے ہیں۔ گرج چمک والے بادلوں نے بار بار برسنا شروع کردیا۔ پورا ایک مہینہ بارش کے عظیم طوفان برستے رہے۔ بارش کا اِس قدر پانی برسا۔ کہ دریا، ندیاں، نالے اور میدان اِس پانی کو سنبھال نہ سکے۔ میدانوں، ویرانوں اور بیابانوں میں پانی کی جھیلیں بن گئیں۔ حضرت شیخ اکبرابنِ عربیؓ فرماتے ہیں۔ کہ! مجھے لوگوں نے بتایا۔ کہ ایک ماہ کی لگاتار بارش کے بعد آٹھ دن کے لئے بارش رُکی۔ جب سورج کی شعاعیں زمین پر پڑیں۔ تو زمین سے خودروگھاس، جڑی بوٹیاں اور پھل و پھول جوان ہوکر اُبھرنے لگے۔ جس کی وجہ سے بھاگے ہوئے پرندے، چرند، درندے، وحشی جانور مختلف علاقوں سے اس علاقے کا دوبارہ رُخ کرنے لگے۔ حضرت شیخ اکبرؓ فرماتے ہیں۔ مجھے اِس علاقے سے آنے والے ایک شخص نے بتایا۔ کہ اِن علاقوں پر اَب اگر میلوں تک سفر کیا جائے۔ تو وہاں پر خودروفصلیں اُگی ہوئی ملیں گیں۔ اور مزید پیدا ہوتی جارہی ہیں۔ بلکہ حدنگاہ تک پھولوں کی وادیاں لہلہانے لگی ہیں۔ برسات کا یہ سلسلہ دوبرس تک مسلسل جاری رہا۔ اور یہ سارا وسیع وعریض خطہ زمین سبزہ زار بن گیا۔ (مزید برآں) حضرت شیخ اکبرابنِ عربیؓ فرماتے ہیں۔ کہ مَیں نے عمر بھر کوشش کی۔ کہ وہاں کے قطب اور رجل غیب سے جو کہ کوہ قاف کی غاروں میں رجال الغیب کی امامت کرواتے ہیں۔ اُن سے دوبارہ مل سکوں۔ مگر وہ مجھے کہیں نظر نہ آئے۔

واقعہ نمبر 03۔ اِسی طرح سے حضرت شیخ اکبر امام محی الدین ابنِ عربیؓ اپنی تصنیف فتوحاتِ مکیہ میں لکھتے ہیں۔ کہ!

ایک مرتبہ مَیں کعبۃ اللہ میں طواف کررہا تھا۔ دورانِ طواف مجھے ایک نہایت ہی خوش شکل اور دراز قد شخص نظر آیا۔ میرے دل میں بار بار خیال آتا۔ کہ مَیں اِس شخص سے ملوں۔ بات کروں۔ مگر آدابِ طواف مجھے ایسا نہ کرنے دیتے۔ طواف مکمل ہونے سے پہلے ہی یہ شخص اپنا طواف مکمل کرکے مطاف سے باہر چلا گیا۔ اور مَیں اِس کے دیکھنے کی حسرت لئے طواف کرتا رہا۔ جب مَیں نے طواف مکمل کرلیا۔ تو مقامِ ابراہیمؑ پر ادائیگی نفل کے بعد مَیں نے دیکھا کہ وہ شخص مطاف کے ایک کونے میں بیٹھا ہے۔ غالبًا وہ میرا انتظار کررہا تھا۔ مَیں دوڑا دوڑا اُس (شخص) کے پاس پہنچا۔ سلام کیا۔ (وہ شخص مجھے) کہنے لگا۔ مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ میں نے اس سے نام پوچھا۔ تو اس نے عجیب سا نام بتایا۔ میں (وہ نام سن کر) حیران رہ گیا۔ کیونکہ مَیں نے آج تک اس نام کا کوئی آدمی نہ سنا تھا۔ حالانکہ مجھے مختلف ممالک، مختلف خطوں اور مختلف ادوار کے لوگوں کے اسماء ذہن نشیں تھے۔ وہ میری حیرانی کو بھانپ گیا۔ اور کہنے لگا۔ چلو ناموں میں کیا رکھا ہے۔ آؤ کچھ باتیں کریں۔ تھوڑی سی گفتگو کے بعد مَیں نے پوچھا۔ آپ کی عمر کتنی ہے۔ تو فرمایا۔ ستر برس کا ہوگیا ہوں۔ اور مَیں (علم) عمرانیات پر عبور رکھتا ہوں۔ (پھر مَیں اِس حساب میں مستغرق ہوگیا۔ کہ!) تخلیقِ آدمؑ سے لے کر آج تک کتنے برس گزرے تھے۔ (پھر) مَیں نے حساب لگا کر عرض کیا۔ حضور! اِتنے سال تو حضرت سیدنا آدم (اول البشر) علیہ السلام کو اِس دنیا میں آئے ہوئے بھی نہیں ہوئے۔ آپ اپنی عمر کس طرح بتارہے ہیں۔ فرمانے لگے۔ (تم) کس آدم کی بات کرتے ہو؟ (مَیں نے عرض کیا) وہ ابوالبشر آدمؑ! تو اُنہوں نے کہا۔ کہ! وہ تو کل کا انسان ہے۔ اِس سے پہلے بھی آدم ہوگزرے ہیں۔ اور اِن میں رجال الغیب بھی ہوئے ہیں۔ جو مختلف ادوار میں کائناتِ ارضی پر سیروسیاحت کے لئے آتے رہے ہیں۔ (پھر مُن نے خود سے کہا۔ کہ) تم نے یہ حدیث نبوی ﷺ تو پڑھی ہوگی۔ جس میں حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! ''افراد'' کی ایک جماعت ملائکہ میں بھی ہے۔ جو ''عالم علوی'' کے تکوینی اُمور کی نگرانی کرتی ہے۔ اور اِن کی عمر اولادِ آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ اور یہ ابوالبشر ایک سو ایک 101 کے بعد آنے والے آدم ہیں۔

اسی طرح سے ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادقؓ نے کحییٰ کو دورانِ تعلم مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ! شاید تم یہ سمجھتے ہو۔ کہ! اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق (یعنی حضرت آدمؑ کی نسلِ انسانی) کے علاوہ دیگر کوئی مخلوق (نسلِ آدمیت) پیدا نہیں کی۔ تو خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے ہزار، ہزار آدم پیدا کئے۔ اور تم اُن میں سے آخری آدمؑ کی اولاد ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

خدا کے واسطے مُہرِ سکوت توڑ بھی دے تمام شہر تیری گفتگو کا پیاسا ہے

چہار عوالم (ناسوت ۔ ملکوت ۔ جبروت ۔ لاھوت)

حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردیؒ فرماتے ہیں ۔ کہ! چہار عالم ہیں ۔ ناسوت ۔ ملکوت ۔ جبروت اور لاہوت ۔

☆ **عالمِ ناسوت** : یہ عالم حیوانات ہے ۔ اور اس کا فعل حواسِ خمسہ سے ہے ۔ (جیسے کہ) کھانا ، پینا ، سونگھنا ، سُننا اور دیکھنا ۔ جب سالک ریاضت و مجاہدہ کر کے اس عالم سے گزرتا ہے ۔ یہ درحقیقت نفس کی صفات ہیں ۔ چنانچہ نفس اس جہان کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ جو مقامِ شیطان ہے ۔ لہذا جو نفس کی متابعت اختیار کرتا ہے ۔ وہ سیدھا جہنم میں جا پہنچتا ہے ۔ سالک انہیں تمام صفات کے ساتھ دوسرے عالم میں جا پہنچتا ہے ۔

☆ **عالمِ ملکوت** : یہ عالم ملائکہ (فرشتگان) ہے ۔ سالک جب پہلے عالم سے گزر کر اس عالم میں آتا ہے ۔ تو وہ ہمہ وقت تسبیح وتہلیل ، قیام ورکوع و سجود میں مشغول ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ ! ملائکہ کا بھی یہی وظیفہ (**Duty**) ہے ۔ جب سالک ریاضت ومجاہدہ کر کے اس عالم سے گزرتا ہے ۔ یہ درحقیقت قلبِ سلیم کی صفات ہیں ۔ چنانچہ قلب اس جہان کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ جو مقامِ بہشتِ جاوداں ہے ۔ لہذا جو دل (قلبِ سلیم) کی تابع داری اختیار کرتا ہے ۔ وہ سیدھا بہشت میں جا پہنچتا ہے ۔ تو طالبِ صادق وسالک انہیں تمام صفات کے ساتھ تیسرے عالم میں جا پہنچتا ہے ۔

☆ **عالمِ جبروت** : یہ عالم ارواح پاک طینت ہے ۔ اور اس عالم کا فعل صفاتِ حمیدہ سے موسوم ہے ۔ جیسے کہ ! ذوق وشوق ، محبت واشتیاق ، طلب ووجد ، صحو وسکر اور محو ومجدہ ۔ جب سالک ریاضت ومجاہدہ کر کے اس عالم سے گزرتا ہے ۔ یہ درحقیقت روح کی صفات ہیں ۔ چنانچہ روح اس جہان کی طرف مائل ہوتی ہے ۔ جو مقامِ رحمان اور پوشیدہ اسرار کا حامل ہے ۔ لہذا جو روح اسرار ومقامِ رحمان کی تلاش وجستجو کی طرف گامزن ہوتی ہے ۔ اسی لئے جو روح کی متابعت کرتا رہتا ہے ۔ اُسے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے ۔ وہ سیدھی عرش پر جا پہنچتی ہے ۔ تو سالک انہیں تمام صفات کے ساتھ چوتھے عالم میں جا پہنچتا ہے ۔

☆ **عالمِ لاھوت** : یہ عالمِ بےنشاں ولامکاں ہے ۔ سالک اس عالم میں پہنچ کر اپنی ذات سے ، اپنے آپ سے قطع تعلق ہو جاتا ہے ۔ اسی لئے اس عالم کو عالم لاہوت لامکاں بھی کہا جاتا ہے ۔ اس عالم میں نہ تو گفتگو وتخیل ہے اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی آرزو وجستجو ۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے ۔ کہ ! **ان الٰی ربک المنتھی** ۔ یہ درحقیقت عالمِ بالا کی صفات ہیں ۔ سالک انہیں تمام صفات کے ساتھ اگلے عالم میں جا پہنچتا ہے ۔ کیونکہ ! نبوت ورسالت میں تو درجہ ومقام آگے نہیں ہے ۔ کیونکہ ! ربِ متعال کے بعد رسالت اور پھر نبوت ہے ۔ لیکن مقامِ ولایت میں درجات ومقامات کی کوئی انتہا نہیں ہے ۔ اور مقامِ غوثیت وقطبیت کے بعد بھی اُن کے درجات ومقامات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ۔ (بقولِ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی)

گرد رہ تن روی مہیا نہ راست — درد در دل روی بہشت دار اَست

درد در راہِ جاناں روی جاناں خواہی — قصہء **چکنم** حاصل اَست دیدار اَست

لہذا ! سالک وطالبِ صادق کو ہمیشہ اس بات کا وقوف وادراک رکھنا چاہیئے ۔ کہ ! درحقیقت اصلی حیات تو وہی ہے ۔ جو یادِ حق میں گزرے ۔ رسولِ مکرم ﷺ کی شریعت کی مکمل تابع داری میں بسر ہو ۔ بصورتِ دیگر حیوانی زندگی سے موت بہتر ہے ۔ رسولِ معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا ۔ کہ ! جو دم (سانس) یادِ الٰہی کے بغیر گزرے ۔ وہ تو مردہ ہے ۔ (البتہ) جو دم یادِ حق میں گزرے ۔ (اصل) زندگی یہ ہے ۔ حضرت رسولِ معظم ﷺ نے ارشاد فرمایا ۔ کہ ! ہر چیز کی کوئی نہ کوئی صقل (میل کی صفائی) کرنے والی چیز (ضرور ہوا) کرتی ہے ۔ اور دل (کے میل وگندگی) کو صاف کرنے والی چیز ذکرِ الٰہی ہے ۔

اِن چہار عوالم کی مزید تشریح : حضرت فقیر نور محمد سروری قادری '' رسالہ روحی شریف '' (حضرت سلطان باھوؒ) کی شرح میں اِن چہار عوالم کی تشریح ان الفاظ میںؒ بیان فرماتے ہیں ۔ کہ ! اب ہم '' **رسالہ روحی شریف** '' کی شرح لکھتے ہیں ۔ یہ رسالہ (دراصل) قرآنی آیت '' **ورحمتی وسعت کل شیء** ط اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے ۔ (سورہ الاعراف ۔ آیت نمبر 165) کا لب لباب اور معنی المعنیٰ ہے ۔ اور حدیثِ پاک '' **کنت کنزا مخفیافاردت ان اعرف فخلقت الخلق فبی عرفونی** '' کی شرح اور تفسیر التفاسیر ہے ۔ (یہی حدیثِ قدسی اس طرح سے بھی آئی ہے ۔ '' **کنت کنزا مخفیا و احببت ان اعرف فخلقت الخلق** '') بہرحال ! رسالہ روحی شریف (مصنفہ حضرت سلطان العارفین سلطان باھوؒ) ان الفاظ میں شروع ہوتا ہے ۔ بداں ! **ارشدک اللہ تعالٰی فی الدارین کنت ھاھوت کنزا یاھوت مخفیا فاردت ملکوت ان اعرف جبروت فخلقت الخلق ناسوت** ذات سرچشمہء چشماں حقیقتِ **ھاھوت** ۔ (ترجمہ) جان لے اے طالب ! اللہ تعالیٰ تجھے دونوں جہانوں میں ہدایت نصیب فرمائے ۔ تھا میں ہاہوت ، مثل خزانے یاہوت کے مخفی مقامِ لاہوت کے اندر ، پس مَیں نے ارادہ کیا عالمِ ملکوت میں ، کہ میں پہچانا جاؤں عالمِ جبروت میں ، پس میں نے اپنی پہچان کے لئے مخلوق کے عالمِ ناسوت کو پیدا کیا تا کہ وہ مجھ سے ہی پہچانے عارفِ عاشق ذات سرچشمہء چشمانِ حقیقت کو ۔ (مخزن الاسرار) اس حدیثِ قدسی (**کنت کنزا مخفیافاردت ان اعرف فخلقت الخلق فبی عرفونی**) کے ہر کلمے اور ہر لفظ کو مصنف رسالہ ہذا (جناب حضرت سلطان باھوؒ) نے سلوک کے ساتوں باطنی مقامات سے تعبیر فرمایا ہے ۔ اور ہر لفظ کو تنزلات ستہ یعنی چھ عدد تنزلات کا عنوان بنایا ہے ۔

سات مراتب ، تعینات اور تنزلات میں اول مرتبہ جو تمام مراتب الوہیت سے برتر اور جملہ تعینات علمی اور خارجی سے بالاتر ہے ۔ وہ مرتبہء ذات ہے ۔ جسے مرتبہء احدیت اور حقیقتِ حق بھی کہتے ہیں ۔ یہ مرتبہ ہر قسم کی صفاتِ ذاتیہ وافعالیہ سے خارج ہے ۔ یعنی اس مرتبے میں نہ تو صفاتِ ذاتیہ اور نہ ہی افعالیہ کا حصول اور سلب مراد ہے ۔ بلکہ یہ مرتبہ ہر وصف ونعت ، ہر اسم ورسم ، ہر قسم کے ظواہر وبطون ، ہر قسم کی کلیت وجزئیت اور

عمومیت وخصوصیت وغیرہ جیسے اعتبارات و اشارات سے پاک ومبرا ہے۔ اس مرتبے کو مجہول الوصف، ممتنع الاشارات، منقطع الوجدان، غیب الغیب، مطلق المطلق اورازل الازل کہتے ہیں۔اورمرتبہ''**ھاھویت**'' لاتعین اورعین''**ھویت**'' کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ یہ ذاتی مرتبہ ہر قسم کے اعتبارات تمام تعینات اورجملگی تعلقات اوراضافاتِ غرض کہ اطلاق اورتعین کی کل قیود اورتعلقات سے مطلق مبرا اورمنزہ ہے۔ یہ مرتبہ وراء الوراءثم وراءالوراء ہے۔اس مرتبہءعرفان تک کسی کوراستہ نہیں۔اوراس مقامِ ذاتِ مطلق میں کسی کودخل نہیں۔قرآنِ کریم میں آیا ہے۔ **لمن الملک الیوم ط للہ الواحد القھار** ۔آج کس کی بادشاہی ہے۔صِرف ایک ہے۔(جو) سب پر غالب ہے۔(القرآن) اس مرتبے کی طرف اشارہ ہے۔رسالہ روح شریف میں اس مرتبے کو''**کنزاھاھوت**'' کے مرتبے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مراتب	تنزلات	تعینات	مقامات	لطائف	سیور	مقاماتِ علمیہ	اذکار
مرتبہءاول	ذات	تعین احدیت	مقامِ ہاہوت	لطیفہءنفس	سیرِ الی اللہ	شریعت	کلمہ طیبہ
مرتبہءدوئم	تنزلِ صفات	تعین وحدت	مقامِ یاہوت	لطیفہء قلب	سیرِ للہ	طریقت	لاالہ الااللہ
مرتبہءسوئم	تنزلِ اسماء	تعین وحدانیت	مقامِ لاہوت	لطیفہء روح	سیرِ علی اللہ	حقیقت	یااللہ
مرتبہء چہارم	تنزلِ افعال	تعین روح	مقامِ جبروت	لطیفہء سر	سیرِ مع اللہ	معرفت	یاحی یاقیوم
مرتبہء پنجم	تنزلِ آثار	تعین مثال	مقامِ ملکوت	لطیفہء خفی	سیرِ فی اللہ	مقامِ منتہیٰ	یاواحد
مرتبہء ششم	تنزلِ اعیان	تعین جسم	مقامِ ناسوت	لطیفہء اخفیٰ	سیرِ عن اللہ	بازِشریعت	یااحد
مرتبہء ہفتم	تنزلِ حضرت انسان	تعین انسان	مقامِ ذات سرچشمہ چشمانِ حقیقت	لطیفہءانانیت	سیرِ بااللہ	مقامِ جمع الجوامع	یاھو

''**کنزا یاھوت**'': مرتبہ دوئم تعین الاول اورتجلی اولی ہے۔ یہ مرتبہءوحدت ہے۔یعنی عالمِ ذات کا اپنی ذات اورجملہ صفات اسماء کی نسبت ایسا علم کہ جس میں کسی اسمِ وصف کوایک دوسرے سے امتیاز نہ ہو۔یعنی ذات میں علمِ ذات اورصفات میں جملہ صفات واسماء بلاامتیاز اس طرح مندرج اورشامل ہوں۔جیسا کہ تخم اورپھل میں درخت بمعہء جملہ شاخوں، پھلوں، پھول، پتوں اورکانٹوں وغیرہ کے شامل اورموجود ہوتا ہے۔اس جگہ چاراعتبارات یعنی علم، وجود، نوراورشہوظہور پاتے ہیں۔اس مرتبے کا دوسرا نام''حقیقتِ محمدی'' ہے۔اس تعین کو مرتبہء اول، عقلِ کل، برزخ کبری برزخالبرازخ عالمِ صفات، قلمِ اعلےٰ، لوحِ محفوظ، ام الکتاب، مخلوقِ اول، مبداءاول، حقیقت الخالق ابوالارواح ابوالکبیر ورابطہءاول، عالماجمال اورکنزالکنوز کہتے ہیں۔رسالہءروحی شریف میں اس مرتبے کو''**کنزا یاھوت**''کہا گیا ہے۔

''**مخفیا لاھوت**'' سوئم مرتبہ تعین دوئم اورتجلی ثانیہ ہے۔اس مرتبے کے اندرذات نے علمِ ذات کا اپنی جمیع صفات واسماءاورجملہ ممکنات کا تفصیلاً، مجملاً، مجموعًا اورالگ الگ امتیاز پایا ہے۔یہ مرتبہءوحدانیت کہلاتا ہے۔اس مرتبے میں جملہ صفاتِ سبعہ یعنی سات صفاتِ ذاتی (صفتِ حیات، صفتِ علم، صفتِ ارادہ، صفتِ قدرت، صفت سمع، صفتِ بصراورصفتِ کلام) نے ظہور پایا ہے۔اورکلمات اس میں اٹھائیس ہیں۔کہ ان کواسمائے الٰہیہ اورحقائق الٰہیہ کہا جاتا ہے۔ یہ مرتبہ''لاہوت لامکاں'' کا ہے۔یہ مرتبہ ہرآلائشِ حدث وشہادت، اورکدورتِ کون وکثافتِ مکان سے پاک، مبرا اورمنزہ ہے۔یہ محض انوارِغیب اوردُنیائے اسرارِلطیف ہے۔یہ مقام مقامِ ارواح سے بالاتر ہے۔رسالہ روحی شریف میں اس مرتبے کو''**مخفیا لاھوت**'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

ہم تو امئل بہ کرم ہیں ، کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے ، رہرو منزل ہی نہیں

''**مقامِ جبروت**'': چہارم مرتبہ، عالمِ ارواح کا ہے۔جوکہ ہرمادے سے مجرد اورمنفرد ہے۔اوراجسام کے عوارض، الوان اور اشکال سے پاک ہے۔اورقابلِ ادراکِ خوداورغیرخود ہے۔اس لئے سوال''**الست بربکم**'' کیامیں تمہارارب نہیں ہوں (سورہ اعراف۔آیت نمبر172) جواب میں ارواح نے''**بلیٰ**'' کیوں نہیں۔(القرآن)اس مقام میں کہا۔اس مرتبے کومرتبہءجبروت کہتے ہیں۔عربی میں اجبارجوڑنے کوکہتے ہیں۔اورجبیرہ اس لکڑی کی چپٹی کوکہتے ہیں۔جوٹوٹی ہوئی ہڈی پرباندھتے ہیں۔یہ مرتبہ مراتب الٰہیہ اورمراتبِ کونیہ کے درمیان بمنزلہ سیڑھی اور واسطے کے ہے۔اسی لئے اس مقام کو''مقامِ جبروت'' کہتے ہیں۔اوریہی مقامِ جبرائیلؑ ہے۔جواللہ تعالیٰ اورانبیاءؑ کے درمیان وحی وسیلہ اورواسطہ رہے ہیں۔اورعبدومعبود، خالق ومخلوق اوررب ومربوب کے درمیان تعلق جوڑنے پرمامورہیں۔یہ مقام عالمِ غیب اورشہادت یعنی عالمِ ارواح وعالمِ اجساد یاعالم لطیف وکثیف کے درمیان گویاایک برزخ(پردہ)اورسیڑھی کے لئے ہے۔رسالہ روحی شریف میں اس مقام کو''**ان اعرف جبروت**'' سے ظاہرکیا گیا ہے۔

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا   یہاں مرنے کی پابندی ، وہاں جینے کی پابندی

''**مقامِ ملکوت**'' پانچواں مرتبہ عالمِ مثال ہے۔اوریہ عالمِ ملکوت ہے۔اس عالم میں میت سے قبرمیں سوال وجواب ہوتے ہیں۔اوراسی عالمِ برزخ کے اندرعذاب ہوتا ہے یاپھرراحت میسرہوتی ہے۔کامل لوگوں کی ارواح اورملائکہ اسی عالم میں بودوباش رکھتے ہیں۔اورمختلف

مثالی شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ یاد رہے۔کہ! حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ کو بھی اسی عالم میں حیات کلاں (لمبی عمر) حاصل ہے۔ارواحِ شہدا (اکبر و اصغر) کو بھی اسی مقام میں بہ نسبت دیگر ارواح کے بڑھ کر زندگی و بیداری حاصل ہے۔ انسان کے سچے خواب (رویاءِ صادقہ) بھی اسی مقام میں حاصل ہوتے ہیں۔ رسالہ روحی شریف میں اس مقام کو ’’**فاردت ملکوت**‘‘ کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے۔

’’**مقامِ ناسوت**‘‘ چھٹا مرتبہ وجود عالم ناسوت ہے۔ یہ عالم قابلِ خرق والتیام یعنی ٹوٹنے اور جُڑنے کے قابل ہے۔ یہاں تمام اشیاءِ کونیہ باعتبارِ خلقت سوائے عرش و کرسی کے قابل تجزیہ و تبعیض ہیں۔ اس عالم میں اشیاء جُڑتی اور ٹوٹتی ہیں۔ اس مرتبے کی ابتداء عرشِ رحمٰن سے ہے۔ اور اس کا انجام اور خاتمہ موالیدِ ثلاثہ ہے۔ فرش و عرش تک اس کا عرض محیط عالم ہے۔ اس مرتبے کو مرتبہء ناسوت کہتے ہیں۔ رسالہ روحی شریف میں اس مرتبے کو ’’**فخلقت الخلق ناسوت**‘‘ کی عبارت سے یاد کیا گیا ہے۔

’’**مقامِ ھاھوت**‘‘: ساتواں مرتبہ جمع الجمع ہے۔ اس مرتبے کا مظہر حضرتِ انسان ہے۔ کہ جملہ تعینات سابقہ اور کل عالمِ متذکرہ و مذکورہ کا جامع ہے۔ اس مرتبہء ہدایت میں مرتبہء نہایت درج ہے۔ **کما قیل النھایۃ ھی الرجوع الی البدایۃ** ۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ کہ! انتہاء ابتداء کی طرف رجوع ہے۔ اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **فاذا سویت و نفخت فیہ من روحی** (ترجمہ) تو جب میں اسے درست کرلوں اور اپنی طرف کی (خاص) روح پھونک دوں۔ تو اس کے لئے تم سجدہ کرتے ہوئے گر جانا۔ (سورہ حجر۔ آیت نمبر 29) اسی نسبتِ ذاتی سے مراد ہے۔ اور انسان مقامِ نیابت سے ملقب ہوا۔ **انی جاعل فی الارض خلیفۃ**۔ یقیناً! مَیں زمین پر اپنا ایک نائب (خلیفہ) بنانے والا ہوں۔ (سورہ بقرہ۔ آیت نمبر 30) یہ درحقیقت اسی جامعیت کی طرف اشارہ ہے۔ اور خلق اللہ آدم علی صورتہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی ہی صورت پر خلق (پیدا) فرمایا۔ اس مرتبے یں انسان کامل مظہرِ اتم کبریا اور آئینہء جامع حق نما ہوتا ہے۔ اس رسالہ روحی شریف میں اس مرتبے کو **فبی عرفونی ذاتِ سر چشمہء چشمان ھاھوت** کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

اِن ساتوں مراتب میں سے اول تین مراتب (ھاھوت، یاھوت ، لاھوت) کو مراتبِ الٰہیہ کہتے ہیں۔ جبکہ دیگر تین مراتب (جبروت ،ملکوت، ناسوت) کو مراتبِ کونیہ کہا جاتا ہے۔ اور ساتواں مرتبہ حضرت انساں کو مرتبہء جامع کہا جاتا ہے۔ کیونکہ! اس مرتبہ میں جملہ مراتبِ الٰہیہ اور مراتبِ کونیہ بالقوی جمع ہیں۔ یہ مرتبہ ہردو امکان اور وجوب مرتبہ حدوث وقدم کے رنگ سے رنگین ہے۔ مذکورہ سات مراتب میں سے سوائے پہلے ذاتی مرتبہ کے باقی چھ مراتب کو تنزلات ستہ (چھ تنزلات) کہتے ہیں۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے۔ کہ! اللہ تعالیٰ پہلے واحد مطلق اور اکیلا تھا۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔ **کان اللہ ولم یکن معہ شیء**۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ موجود تھا۔ اور اُس کے ساتھ اور کوئی چیز (یعنی دوسری کسی بھی قسم کی کوئی مخلوق) موجود نہ تھی۔ (القرآن) پس اللہ تعالیٰ نے اخفائے اظہار اور وحدت سے بسیار (کثرت) کی طرف ظہور ونزول فرمایا۔ اور اس ظہور ونزول سے چھ اقسام کے تنزلات واقع ہوئے۔ چنانچہ نزولِ اول میں اللہ تعالیٰ نے ذات سے صفات کی طرف پھر نزول دوئم میں صفات سے اسماء کی طرف پھر سوئم میں اسماء سے افعال کی طرف پھر چہارم میں افعال سے آثار کی طرف پھر پنجم میں آثار سے اعیان کی طرف پھر ششم میں اعیان سے ساتویں تنزل حضرتِ انسان کی طرف نزول فرمایا۔ اور انہیں چھ تنزلات (تین مراتبِ الٰہیہ اور تین مراتب کونیہ) کے جامع کو اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کے مرتبہ کو مرتبہء جامعہ کہتے ہیں۔ ان چھ مراتب میں پہلے تین مراتب کو ظہورِ علمی اور دیگر تین کو ظہورِ عینی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں انہیں سات مراتب و تنزلات ،تعینات ومقامات، لطائف و سیور و مقاماتِ علمیہ اور اذکار کا نقشہ دیا جارہا ہے۔ تاکہ طالبانِ صادق مستفید و مستفیض ہوسکیں۔ ان شاءاللہ۔

مغزِ علم صوفیائے کرام : حضرت امام غزالیؒ اپنی کتاب ’’**المنقذ من الضلال**‘‘ میں فرماتے ہیں۔ کہ! مجھے یہ یقین ہوگیا۔ کہ صوفیاء کا گروہ ہی (درحقیقت) وہ گروہ ہے۔ جو خالصتاً اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے پر گامزن ہے۔ ان کی سیرت تمام سیرتوں سے بہتر ہے۔ اِن کا اخلاق سب سے اچھا ہے۔ ان کا راستہ ہی صحیح ترین راستہ ہے۔ بلکہ اگر تمام عاقلوں کی عقل، تمام حکماء کی حکمتوں اور رموزِ شریعت سے واقف علماء کے جمیع علوم کو جمع (اکٹھا) کیا جائے۔ تاکہ صوفیاء کی سیرت واخلاق میں کوئی تغیر وتبدل کیا جاسکے۔ اور ان کے اخلاق وسیرت کے مقابلے میں بہتر سیرت واخلاق کا نمونہ پیش کیا جائے۔ تو یہ بات ناممکن ہوگی۔ کیونکہ صوفیاء کے ظاہر و باطن کی تمام حرکات وسکنات دراصل مشکوٰۃِ نبوت کے نور سے ماخوذ ہیں۔ اور دنیا میں نورِ نبوت سے بہتر اور کوئی بھی نور ہونا ناممکن ہے۔ کہ! جس سے اکتسابِ نور کیا جاسکے۔ کیونکہ تعلیماتِ نبوی کی پہلی شرط ہی طہارت ظاہری و باطنی ہے۔ طہارت کا مفہوم دل کو غیر اللہ کے تصور ہی سے پاک صاف، مبرا و منزہ کردیا جائے۔ جو کہ خالصتاً ’’**توحید**‘‘ ہے۔

حکیم لقمان کے ذخیرہ کردہ آٹھ کلمات۔

حضرت حکیم لقمانؒ فرماتے ہیں۔ کہ! مَیں نے چارصد انبیاءؑ کی خدمت سرانجام دی ہے۔ جن کی صحبت سے مَیں نے کل آٹھ ہزار کلمات حاصل کئے۔ پھر اِن آٹھ ہزار کلمات میں سے (فقط) آٹھ کلمات چنے۔ کہ جن پر عمل پیرا ہونے سے خداشناسی حاصل ہوتی ہے۔ (وہ آٹھ کلمات یہ ہیں) اللہ تعالیٰ کو کبھی بھی فراموش نہ کرو۔ موت کو نہ بھولو۔ بوقتِ نماز دل کو قابو میں رکھو۔ جماعت کے رفیق بنے رہو۔ جب کسی کے گھر جاؤ، تو آنکھوں کو غیر محرم سے محفوظ رکھو۔ جب خلقت کے پاس ہو، تو زبان کی نگہداشت کرو۔ کسی کے حق میں جب اور جو بھی نیکی کرو، اسے دائماً فراموش کردو۔ جو تم سے بدی کرے، اُسے بھی دائماً فراموش کردو۔

عشق آمد ، ہر دو عالم کامیاب
عقل آمد ، دین و دنیا شد خراب

ملفوظاتِ حضرت سید عبدالعزیز دباغؓ (غوثِ زماں)

علم معرفتِ الٰہیہ اور علم لدنی پرمکمل وضاحت کی جامع ترین کتاب ''**الابریز**'' جس میں حضرت علامہ احمد بن مبارک سجلماسیؒ نے اپنے پیرومرشد، ہادی برحق غوثِ زماں جناب سیدی عبدالعزیز دباغؒ کے مختصر حالاتِ زندگی، متعدد قرآنی آیات اور چند احادیثِ نبویہ ﷺ کی بے نظیر و جامع اور مفصل تفسیر وتشریح اور دیگر علوم وفنون اور علم وعرفان کی نادر باتیں (ملفوظات) جمع کی ہیں۔

اور یہ فقیر (محمد عبدالرؤف البلوشی) بنیتِ حصولِ ثواب اُن میں سے چند ملفوظات کو اس کتاب **اسرارِ محبوب** (کامل) کو منور، مزین ومعمور کرنے کی سعادت دائمی حاصل کر رہا ہے۔ تاکہ قارئینِ کتاب کو کماحقہ فوائد ومنافع حاصل ہوسکیں۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ آمین۔

نفرت کو کاٹتا ہوں، محبت کے روپ میں ـــــ میں چھاؤں بو رہا ہوں، بڑی سخت دھوپ میں

حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ کی سرِّ الٰہیہ کے بارے میں فرمودات:

سیدی عبدالعزیز دباغؒ چونکہ خود مرتبہ غوثیت پر فائز المرام تھے۔ اور اکثر وبیشتر وہ بزمِ نبوی ﷺ میں حاضر خدمت بھی رہتے تھے۔ اور مرتبہ غوثیت کے جملہ اُمور کی ذمہ داری بھی حضرت سیدی دباغؒ کے اوپر تھی۔ اِسی لئے اُنہوں نے اولیاء اللہ کے دیوان اور بزمِ نبوی ﷺ کو مفصلاً یہاں بیان کیا ہے۔ جس کو کہ یہاں (کتاب اَسرارِ محبوب کامل میں) اِختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔ (بقولِ شیخ عطار)

عارف آن باشد کہ باشد حق شناس ـــــ ہر کہ فانی نیست عارف کے بود

☆ (بقول حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ) غوثِ زماں حضرت شیخ احمد بن عبداللہ المصریؒ فرماتے ہیں۔ کہ! مجھے اپنے ایک مرید کے ساتھ شدید محبت تھی۔ ایک دن میں اِس کے سامنے سرکارِ دوعالم ﷺ کے فضائل وکمالات کا ذکرِ خیر کر رہا تھا۔ کہ دوران گفتگو میں نے اپنے اسی چہیتے مرید کو بتایا۔ کہ اگر (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کا نورِ مبارک نہ ہوتا۔ تو زمینی اَسرار میں سے کوئی ایک (مخفی) راز بھی ظاہر نہ ہوتا۔ اگر (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کا نورِ مبارک نہ ہوتا۔ تو (زمین پر) کوئی بھی چشمہ نہ پھوٹتا۔ اور نہ ہی کسی دریا کا وجود ہوتا۔ میرے عزیز! آپ ﷺ کا نورِ مبارک مارچ کے مہینے میں تین مرتبہ تمام بیجوں پر مہکتا ہے۔ جس کے نتیجے میں پھل پیدا ہوتا ہے۔ میرے بیٹے! درجے کے اعتبار سے سب سے کم تر ایمان اس شخص کا ہے۔ جس کے نزدیک اس کا اپنا ایمان پہاڑ کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو اوروں سے زیادہ حق دار سمجھے۔ لیکن ذاتِ انسانی بسا اوقات ایمان کے بوجھ کو اُٹھانے سے عاجز آکر اُسے پھینک دینے کا ارادہ کرتی ہے۔ کہ دفعتاً نورِ محمدی ﷺ مہکتا ہے۔ اور بارِ ایمان کے اُٹھانے میں معاون ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے مومن کو اپنا ایمان شیریں اور پاکیزہ معلوم ہونے لگتا ہے۔ (اور وہ تباہ ہونے سے بچ جاتا ہے) جب میں اسی طرح آنحضرت ﷺ کی عظمت ورفعت کا ذکرِ خیر کر رہا تھا۔ اور اُن کی برکات کا ذکر کر رہا تھا۔ جو مجھے آپ ﷺ سے حاصل ہوئیں۔ یہاں تک کہ میں ذاتِ محمدی ﷺ میں (اس قدر) محو ومستغرق ہوگیا۔ (جو بیان سے باہر ہے) میرے مرید نے جب میری یہ حالت دیکھی۔ تو کہا۔ اے میرے آقا! میں آپؒ کو اِسی نبی محترم ﷺ کی جاہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ کہ مجھے سِر عطا فرمادیں۔ میں نے انکار کرنا چاہا۔ مگر جب اتنی بڑی ذات ﷺ کی جاہ کا واسطہ پیشِ نظر آیا۔ تو میں نے اس کی بات مان لی۔ اور اسے راز دے دیا۔ مگر چند ہی دن گزرے تھے۔ لوگوں نے اس پر کفر کی گواہیاں دیں۔ اور اس کو قتل کر دیا گیا۔ (کیونکہ یہ شخص اس راز کے قابل نہ تھا) یہ شخص خود عرب تھا۔ اور مصر کے ایک شہر کے محلّہ میں گوشہ نشیں تھا۔ مجھ سے سرِّ الٰہی لے کر اپنے وطن چلا گیا۔ لوگ اس کے پاس آئے۔ اور یہ ان کو اَسرارِ الٰہیہ سنانے لگا۔ جو کہ عوام الناس کے عقول سے بہت بالا تھے۔ اس پر اُنہوں نے اس کے خلاف ان راز کی سنی ہوئی باتوں پر، جو اس نے ظاہر کی تھیں، گواہی دے دے کر اسے قتل کروادیا۔ اِسی ضمن میں ایک اور واقعہ بھی پیشِ خدمت ہے۔

حکایت: ایک مرید نے سچی لگن کے ساتھ اپنے پیرومرشد کی تقریباً بارہ برس تک خوب خدمت کی۔ پیرومرشد کہتے ہیں۔ کہ مجھے اپنے اس مرید سے بہت زیادہ محبت تھی۔ حتّٰی کہ میرا ارادہ تھا۔ میں اپنی لڑکی کی اس سے شادی کردوں۔ میں ہر ہفتے میں تین دن کے لئے اپنی بستی چھوڑ کر ساحل سمندر پر جا بیٹھتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ! ان غائب رہنے کے ایام کے دوران عید آگئی۔ میرے چھ لڑکے، تین لڑکیاں اور ایک خادم تھا۔ جب میں گھر واپس آیا۔ تو دیکھا کہ اس نے سب کے لئے کپڑے سلوائے ہوئے ہیں۔ اور جس جس چیز کی ضرورت تھی۔ وہ بھی خرید کر گھر میں دے دی ہے۔ یہ سب دیکھ کر مجھے دلی خوشی ہوئی۔ جب وہ میرے سامنے آیا۔ تو وہ مجھ سے بہت محبت وعقیدت سے مِلا۔ اور اچانک سے درخواست کی۔ کہ! میں اِسے سرِّ الٰہی عطا کروں۔ اور اپنی اس بات پر اُس نے بڑا اصرار کیا۔ چنانچہ میں نے اسے بادلِ نخواستہ سرِ الٰہی دے دیا۔ ابھی چالیس دن ہی گزرے تھے۔ عوام الناس نے اِس سے ایسی راز کی باتیں سنیں۔ جنہیں لوگوں کی عقلیں باور کرنے سے یکسر قاصر تھیں۔ اور اِن اسرار کی بدولت لوگوں نے اسے پھانسی پر چڑھوا کر قتل کروادیا۔ اِس طرح کے دیگر بھی کئی واقعات ہیں۔ لیکن ہم انہیں دو پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا ـــــ پُر دم ہے اگر تُو، تو نہیں خطرہء اُفتاد

حضرت سیدی عبدالعزیز دِباغؒ کی مختلف علوم وفنون میں مہارت:

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اپنے شیخ وپیرومرشد کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔ کہ! میں نے سیدی عبدالعزیز دباغؒ سے کئی احادیث نبوی ﷺ کے متعلق استفسار کیا۔ جو اس وقت مجھے بھی یادنہیں۔ آپؒ کا جواب بالکل علمائے محدثین کے موافق ہوتا تھا۔ (بلکہ اُن سے بھی عمدا) عجبیات تو یہ تھی۔ کہ! جب

میں آپؒ سے اس بابت گفتگو کیا کرتا تھا۔تو آپؒ صریح طور پرنشاندہی فرمادیا کرتے تھے۔کہ یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے یا صحیح مسلم کی۔اور اُس حدیث کو واضح امتیاز کے ساتھ بتادیا کرتے تھے۔ بالآخر جب ایک عرصے تک مَیں آپؒ کا امتحان کرتا رہا۔اور مجھے تحقیق ہوگئی۔کہ آپؒ حدیث اور غیرحدیث میں بآسانی امتیاز کرسکتے ہیں۔تومَیں نے ایک مرتبہ اُن سے دریافت کیا۔کہ! آپؒ کیسے معلوم کرسکتے ہیں؟ (کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟) تو آپؒ نے فرمایا۔کہ! نبی اکرم ﷺ کا کلام مبارک چھُپا نہیں رہ سکتا۔(پھرآپؒ نے ایک مثال سے یہ توضیح بیان فرمائی۔کہ!) جب کوئی شخص موسمِ سرما میں بات کرتا ہے۔تو اُس کے منہ سے بھاپ نکلتی ہے۔لیکن یہ بھاپ موسم گرما میں نہیں نکلتی۔یہی حال اُس شخص کا بھی ہے۔کہ جو کلامِ نبی کریم ﷺ کو جب بیان کرتا ہے۔تو اِس کے کلام سے نور نکلتا ہے۔اور جو کسی اور کا کلام پڑھتا ہے۔تو وہ کلام بغیر نور کے نکلتا ہے۔ ایک مرتبہ مَیں نے اپنا یہی سوال دہرایا۔(کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟) تو آپؒ نے فرمایا۔کہ! جب چراغ غذا (یعنی تیل وغیرہ) حاصل کرتا ہے۔تو اِس کا نور (روشنی) قوی ہوجاتا ہے۔لیکن جب اسی چراغ کو غذا کے بغیر چھوڑ دیا جائے۔تو یہ اپنی ہی حالت پر قائم رہتا ہے۔اِسی طرح سے عارفین کا بھی یہی حال ہے۔کہ! جب وہ نبی کریم ﷺ کے کلام مبارک کی سماعت کرتے ہیں۔تو اُن کے انوار قوی اور اُن کے معارف میں زیادتی ہوجاتی ہے۔لیکن جب وہ لوگ غیر (نبیؐ) کا کلام سنتے ہیں۔تو اپنی حالت پر قائم رہتے ہیں۔جس کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا۔کہ! آپؒ کی معرفت نہایت قوی ہے۔اور احادیث کی پہچان کے حوالے سے آپؒ کسی (بہت بڑے) پہاڑ کی مانند ثابت قدم ہیں۔پھرمَیں نے قرآن و حدیث کے بارے میں آپؒ کی آزمائش شروع کردی۔کیونکہ آپؒ قرآنِ پاک کے حافظ تو تھے ہی نہیں (اور نہ ہی آپؒ کو تمام احادیث زبانی یاد تھیں) اسی لئے مَیں بعض اوقات آپؒ سے کوئی آیتِ قرآنی کے متعلق پوچھتا۔کہ یہ قرآنی آیت ہے یا حدیث؟ تو آپؒ فرماتے۔کہ یہ قرآنی آیت ہے۔اور بعض اوقات میں کسی حدیث کے بارے میں استفسار کرتا۔کہ یہ قرآن ہے یا حدیث؟ تو آپؒ فرماتے۔یہ حدیث نبوی ﷺ ہے۔مَیں ایک مدت تک اسی نوعیت کے سوالات پوچھتا رہا۔یہاں تک کہ ایک دن مَیں نے یہ جملہ پڑھا۔ **حافظوا علی الصلوٰت الوسطٰی.(وھی صلوٰۃ العصر) و قوموا للہ قانتین** ۔ ترجمہ: سب نمازوں کی محافظت کرو۔ بالخصوص درمیانی نماز کی۔(جوعصر کی نماز ہے) اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سراپا ادب و نیاز بن کر قیام کرو۔ پھرمَیں نے دریافت کیا۔کہ یہ قرآنی آیت ہے یا حدیثِ نبوی ﷺ ؟ تو آپؒ نے فرمایا۔کہ! اِس میں زیادہ تر الفاظ قرآنِ پاک کے ہیں۔اور کچھ حدیث کے۔ اور واقعی اس جملے میں **وھی صلوٰۃ العصر** ۔اور وہ عصر کی نماز ہے۔جب مَیں نے یہ سوال پوچھا تھا۔تو کافی سارے علماء کی جماعت حاضرِ خدمت تھی۔اور ہم سب حضرت سیدی دباغؒ کے جواب مستطاب کو سن کر بہت متحیر ہوئے۔اور مَیں نے یہ بات سن کر آپؒ کی دست بوسی کی۔اور پھرمَیں نے آپؒ سے یہ درخواست کی۔کہ آپؒ مجھے حدیث، حدیثِ قدسی اور قرآنِ پاک کے درمیان فرق بتائیں۔کیونکہ حدیثِ قدسی اور قرآنِ مجید دونوں کلام ہونے کے اعتبار سے مشابہت رکھتے ہیں۔(کیونکہ قرآن تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔جبکہ حدیثِ قدسی بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ رسول اللہ ﷺ ہی ہے) لیکن حدیثِ قدسی کی تلاوت کا حکم نہیں دیا گیا۔تو آپؒ نے فرمایا۔کہ! یہ تینوں (کلام۔حدیث نبوی ﷺ، حدیثِ قدسی اور قرآنِ پاک) اگرچہ نبی مکرم ﷺ کے مبارک ہونٹوں سے ہی برآمد ہوئے ہیں۔اور اِن تینوں میں ہی نبی اکرم ﷺ کے کچھ انوارات پائے جاتے ہیں۔لیکن اِس کے باوجود اِن تینوں میں واضح فرق موجود ہے۔جیسے کہ! قرآنِ مجید کا نور قدیم ہے۔جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مخصوص ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے۔ ☆حدیثِ قدسی میں موجود نور کا تعلق حضرت نبی مکرم ﷺ کی روح مبارکہ کے ساتھ ہے۔یہ قرآنِ پاک کے نور کی مانند نہیں ہے۔کیونکہ قرآنِ کریم کا نور قدیم ہے۔جبکہ یہ نور قدیم نہیں۔ ☆ حدیث نبوی ﷺ میں پایا جانے والا نور آپ ﷺ کی ذات (بشری) کا نور ہے۔روح کا نہیں ہے۔ لہٰذا اِن تینوں (قرآنِ پاک، حدیثِ قدسی اور حدیثِ نبوی ﷺ) کی تینوں اقسام کا نور نسبت کے اعتبار سے مختلف و جداگانہ ہوگا۔

نیک اعمال کی اقسام : حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ بیان فرماتے ہیں۔کہ! اعمال کی دو اقسام ہیں۔

نمبر 1. کچھ ایسے اعمال ہوتے ہیں۔جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔اور بظاہر مخلوق کو اِن سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔جیسے کہ! نماز، روزہ، رکوع وسجود، خشیتِ الٰہی اور وہ تمام نیکیاں جن کا تعلق صِرف اللہ تعالیٰ ہی ذات سے ہے۔ **نمبر2.** کچھ ایسے اعمال ہوتے ہیں۔جن کی وجہ سے ظاہری طور پر مخلوقِ خدا کو فائدہ حاصل ہورہا ہوتا ہے۔جیسے کہ! غلام کا آزاد کرنا، صدقہ وزکات دینا، لوگوں کی حاجت روائی کرنا اور اِسی نوعیت کے دیگر اُمور دوسرے قسم کے نیک اعمال میں آتے ہیں۔اَب اِن دونوں قسم کے نیک اعمال کی توضیح حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ نے یوں بیان فرمائی ہے۔کہ! ☆ پہلی قسم کے نیک اعمال کی جزاء تو یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ عمل کرنے والے شخص کو ایک ایسا نور عطا فرماتا ہے۔کہ! جس کی بدولت نہ صرف اُس شخص کے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔بلکہ اس کی معرفت وعرفان کی قوت بھی مضبوط ہوتی چلی جاتی ہے۔وسوسے اور شکوک وشبہات ختم ہوتے چلے جاتے ہیں۔اور دنیا ہی میں اِس کا ایمان صاف ہوجائے گا۔اور آخرت میں اسے عظیم مشاہدہ نصیب ہوگا۔(انشاءاللہ تعالیٰ) لہٰذا اِس قسم کی جزاء نورِ محض اور قوتِ ایمان ہے۔ ☆ دوسری قسم کے نیک اعمال کی جزاء یہ ہے۔کہ! اِن اعمال کے کرنے سے انسان کی اپنی ہی ذات کی اصلاح ہوتی ہے۔مثلاً رزق میں خیر وبرکت و وسعت اور کثرت ہوتی ہے۔اس طرح ذات کو بہت نفع حاصل ہوتا ہے۔انسان مختلف قسم کی آفات وبلیات اور مصائب سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔جس کے نتیجے میں انسان کو دنیا ہی میں بے پناہ ولاتعداد نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔اور آخرت میں یہی صدقات جنت کی نعمتوں کی شکل میں ڈھل جائیں گے۔جن سے کہ وہ شخص لطف اندوز ہوگا۔لہٰذا یہ بات واضح ہوگئی۔کہ! پہلے قسم کے اعمال کی جزاء کا فائدہ ایمان کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔اور دوسری قسم کے اعمال کی جزاء ذات کی اصلاح کی شکل میں حاصل ہوتا ہے۔

دنیاوی اسباب کی مثال : حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ نے ارشاد فرمایا۔کہ! دنیاوی ذریعہ معاش خواہ تجارت ہو یا زراعت، اِن کی حیثیت فقیر (سیدی دباغؒ) کے ہاتھ میں کشکول کی مانند ہے۔اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے۔کہ وہ کسی سبب کے بغیر رزق عطا نہیں فرماتا۔ بلکہ جب بندہ دنیاوی اسباب میں سے کسی ایک سبب کا کشکول ہاتھ میں لے کر اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان بارگاہ میں دست سوال دراز کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ ربوبیت کے مطابق اُسے رزق عطا فرما دیتا ہے۔اسی لئے انسان کو چاہیئے۔کہ! وہ اپنے اختیار کردہ کشکول کی اصل حقیقت کو پیشِ نظر رکھے۔اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرتے ہوئے سبب کے بجائے اللہ تعالیٰ کی عظیم المرتبت ذات کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی فقیر کی پوری کی پوری توجہ اپنے کشکول کے بجائے صدقہ وخیرات دینے والے کی طرف مبذول ہوتی ہے۔جب انسان اِسی کیفیت کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی وسیع بارگاہ میں دست سوال دراز کرتا ہے۔تو اس کا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات سے تعلق قائم ہوجاتا ہے۔جس کے نتیجے میں اِس کا ظاہری ذریعہ معاش بھی قرب خداوندی کا سبب بنے گا۔کیونکہ اس کا اصل اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان ذات پر ہے۔ اِسی لئے وہ صِرف وہی ذرائع آمدن کے ایک یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔کیونکہ رزق دینے والی ذات تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔اگر وہ چاہے۔تو کسی ایک ذریعے سے اس قدر رزق عطا فرما دے۔جو دوسروں کو متعدد ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔(لہذا اِن تمام نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے) انسان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔اور ہمیشہ آمدن کے جائز ذرائع اختیار کرنے چاہیئے۔اولیاء اللہ کا بھی یہی طریقِ اسلوب ہے۔

ایک حدیثِ نبوی ﷺ کی نہایت پُر علم شرح حضرت سیدی دباغؒ ایک مشہور معرف حدیث نبوی ﷺ کی شرح فرماتے ہیں۔وہ حدیثِ مبارکہ یہ ہے۔کہ! **ان ھذا القرآن انزل علیٰ سبعۃ اُحرف**۔(ترجمہ) بے شک! اس قرآنِ پاک کو سات حروف پر اُتارا گیا۔

احمد بن مبارک کہتے ہیں۔کہ! حضرت شیخ دباغؒ نے میرے سامنے جو معانی اور مفاہیم بیان کئے۔تو میں تین دن تک شیخؒ کے ساتھ بحث میں مصروف ومشغول رہا۔اور آپؒ اس کے معانی کی وضاحت کرتے رہے۔اس کے بعد مجھے اندازہ ہوا۔کہ یہ حدیث نبوی ﷺ (معنوی، اصطلاحی اور فہمی وسعت کے اعتبار) سے نہایت ہی عظیم مرتبے کی حامل ہے۔اس کی تشریح کے دوران مَیں نے اس قدر اسرار کا علم حاصل کیا۔کہ جن کی وضاحت کرنا ممکن ہی نہیں۔تاہم مَیں (احمد بن مبارکؒ) اپنے الفاظ میں ان کا (قدرے) خلاصہ بقدر استطاعت تحریر کررہا ہوں۔

نبی مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی خاص قوت ودیعت کررکھی ہے۔کہ! جس کے انوار سات قسم پر مشتمل ہیں۔ان میں سے ہر ایک نور کے دو رخ ہیں۔ایک رخ تو آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کے بارے میں ہے۔اور دوسرے پہلو کا تعلق مخلوق کے ساتھ آپ ﷺ کے تعلق سے ہے۔یہ انوار پہلے رخ (یعنی آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ کے تعلق) میں متواتر فیضان کرتے رہتے ہیں۔اور کبھی نہیں تھمتے۔اور نہ ہی سست پڑتے ہیں۔پس جب اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی آیت نازل کرتے ہیں۔تو اس نازل شدہ آیت کے ہمراہ پہلے رخ کے نور میں سے تھوڑا سا نور بھی ظاہر ہوکر آتا ہے۔سارا تو نہیں۔کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونے کی وجہ سے تھمتا ہے اور نہ سست پڑتا ہے۔اس لئے مخلوقات کی طرف توجہ کے وقت صِرف تھوڑا سا نور ظاہر ہوتا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ جب دوسری آیت اُتارتا ہے۔تو اس میں دوسرے رُخ کا کچھ نور ہوتا ہے۔پھر جب تیسری آیت اُترتی ہے۔تو اس میں تیسرے نور میں سے کسی قدر نور رہتا ہے۔اسی طرح ساتویں نور تک۔ پھر مَیں نے عرض کیا۔ یہ ساتوں انوار کہ جن کی طرف سات حرف کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے۔کون سے ہیں؟ حضرت شیخ دباغؒ نے فرمایا۔وہ سات حروف یہ ہیں۔ ☆ **حرفِ نبوت**۔ ☆ **حرفِ رسالت**۔ ☆ **حرفِ آدمیت**۔ ☆ **حرفِ روح**۔ ☆ **حرفِ علم**۔ ☆ **حرفِ قبض**۔ ☆ **حرفِ بسط**۔ شائقین حضرات مکمل تفصیل کے لئے کتاب ''الابریز'' یا اس کے اردو ترجمہ بنام ''**خزینہ معارف**'' کی طرف رجوع فرمائیں) جب آپؒ تشریح فرمارہے تھے۔تو مَیں نے آپؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔کہ! آیت میں کچھ تو اجزاء نبوت کے ہوتے ہیں۔کچھ اجزاء رسالت کے ہوتے ہیں۔اور اسی طرح باقی پانچ حروف کے۔اس لئے مَیں نے عرض کیا۔کہ! یا حضرت! اِن سات حروف کے اجزاء کی مزید تشریح فرمادیں۔اور یہ بھی بتادیں۔کہ! ان حروف کی ان پر تفریع کیسے ہوتی ہے۔تاکہ اُن کا فائدہ مکمل ہوجائے۔سیدی دباغؒ نے فرمایا۔کہ! اِن سات حرفوں میں سے ہر ایک کے سات سات اجزاء ہوتے ہیں۔

☆ **حرفِ نبوت** : حرفِ نبوت کی شناخت وعلامت یہ ہے۔کہ! آیتِ مبارکہ میں صبر کا حکم دیا گیا ہو۔اور حق کی جانب رہنمائی کی گئی ہو۔وہ آیت دنیا اور اس کی خواہشات (شہوات) سے گریز کرنے کی تعلیم دیتی ہو۔اس کی وجہ یہ ہے۔کہ! نبوت طبعی طور پر حق ہی کی طرف مائل ہوتی ہے۔اور صرف حق بیان کرتی ہے۔اور حق ہی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔اور اس ضمن میں خیر خواہی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

☆ **حرفِ نبوت**: حرفِ نبوت کے سات اجزاء یہ ہیں۔قولِ حق۔ صبر۔رحمت۔ معرفتِ الٰہیہ۔ خوفِ تام۔بغضِ باطل۔عفو

☆ **حرفِ رسالت** : حرفِ رسالت کی نشانی وعلامت یہ ہے۔کہ! اس آیت میں دارِ آخرت، اس کے درجات اور وہاں رہنے والوں کے مقامات اور اِنہیں حاصل ہونے والے ثواب کا ذکر موجود ہے۔

☆ **حرفِ رسالت** : حرفِ رسالت کے سات اجزاء یہ ہیں۔برضا ورغبت روح کا ذات میں قیام۔علمِ کامل۔ہر ایک سے سچائی۔سکینہ ووقار۔مشاہدہ کاملہ۔موت بحالتِ حیات۔اہلِ جنت کی سی زندگی۔

☆ حرفِ آدمیت: حرفِ آدمیت کا ماحصل وہ نور ہے۔کہ! جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں ودیعت کر رکھا ہے۔اور انہیں اس سے انسانی کلام کرنے پر قدرت بخشی ہے۔تا کہ ان کا کلام ملائکہ، جنات اور باقی جملہ مخلوقات کے کلام سے یکسر ممتاز ہو سکے۔باوجود اس کے کہ یہ صفت تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔اسے ان ساتوں میں سے اس لئے شامل کیا گیا۔کہ یہ صفت آنحضرت ﷺ میں طہارت اور صفائی کے لحاظ سے انتہا کو پہنچ چکی ہے۔جس کی وجہ سے طہارت اور صفائی میں آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کا کمال اس درجہ عالیہ تک پہنچ چکا ہے۔کہ جس سے بڑھ کر کوئی کمال ممکن نہیں۔اور آنحضرت ﷺ کی ذات کے ماسوا کسی اور کی ذات میں اس کا ہونا بھی ناممکن ہے۔مختصر یہ کہ! جب یہ نور جس سے کہ انسان کلام کیا کرتا ہے۔آنحضرت نبی مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس میں یہ نور باقی تمام انوارات (نورِ نبوت۔نورِ رسالت۔نورِ علم۔نورِ روح۔نورِ قبض اور نورِ بسط) کے ساتھ پایا گیا۔تو یہ نور انتہائی کمال پر ہی ہوگا۔کیونکہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اِن چھ انوارات سے مستفیض ہو رہی ہے۔لہذا آپ ﷺ پر جب آیات کا نزول ہوگا۔تو کوئی آیت بھی ایسی نہ ہوگی۔کہ جس میں یہ نور نہ پایا جائے۔کیونکہ قرآنِ حکیم بنی نوعِ انسان ہی سے تعلق رکھنے والے ایک گروہ کی زبان یعنی عربی میں ہی نازل ہوا ہے۔

☆ **حرفِ آدمیت** : حرفِ آدمیت کے سات اجزاء یہ ہیں۔کمالِ حسنِ ظاہری۔کمالِ حواسِ ظاہری۔کمالِ حسنِ باطنی۔کمالِ حواسِ باطنی۔ ذکوریت (نر ہونا)۔نزعِ حظِ شیطان۔کمالِ عقل۔

☆ حرفِ روح: حرفِ روح کی شناخت یہ ہے۔کہ! قرآنِ پاک کی آیت اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدسہ یا اس کی صفاتِ مبارکہ کے بیان پر مشتمل ہو۔اور اس میں مخلوق کا کوئی ذکر نہ ہو۔اس کی وجہ یہ ہے۔کہ! روح ہمیشہ مشاہدہ حق میں محو و مستغرق رہتی ہے۔اسی لئے جب بھی اس نوعیت کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے۔تو اس میں نورِ روح لازمی موجود ہوتا ہے۔

☆ **حرفِ روح**: حرفِ روح کے سات اجزاء یہ ہیں۔

ذوقِ انوار۔طہارت۔تمیز۔بصیرت۔عدمِ غفلت۔قوتِ سریان۔ تکلیف والے اجرام سے بے حسّی۔

☆ حرفِ علم: حرفِ علم کی پہچان یہ ہے۔کہ! آیت میں گذشتہ لوگوں کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہوں۔مثلاً عاد۔ثمود۔قومِ نوح۔قومِ ہود۔قومِ صالح وغیرہ کے حالات و واقعات یا اس میں کسی رائے کے مذموم ہونے کی اطلاع دی گئی ہو۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ **اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالۡهُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُهُمۡ وَمَا کَانُوۡا مُهۡتَدِیۡنَ** ۔ (ترجمہ) یہی وہ لوگ ہیں۔جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی۔لیکن ان کی تجارت فائدہ مند نہ ہوئی۔اور وہ (فائدہ مند و نفع بخش سودے کی) راہ جانتے ہی نہ تھے۔یعنی کہ مختصر طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔کہ وہ تمام آیات کہ جن میں واقعات بیان کئے گئے ہوں۔وعظ و نصیحت کی گئی ہو۔یا پھر حکمت آمیز باتیں کی گئی ہوں۔ سیدی دباغؒ فرماتے ہیں۔کہ اس حرف کے نور کا تعلق انسان سے جہالت کو دور کر کے اسے عارف و معرف بنا دیتا ہے۔

☆ **حرفِ علم** : حرفِ علم کے سات اجزاء یہ ہیں۔حملِ علوم۔عدمِ اضاعت۔معرفتِ لغات۔انجام سے واقفیت۔احوالِ کونین سے متعلق علوم سے آگاہی۔احوالِ ثقلین سے متعلق علوم سے آگاہی۔ جہات کا صرف سامنے کی جہت میں محصور ہو جانا ۔

☆ حرفِ قبض: حرفِ قبض کی علامت یہ ہے۔کہ! آیتِ کریمہ میں کفار و مشرکین کو مخاطب کیا گیا ہو۔کبھی انہیں تباہی کی وعید سنائی گئی ہو۔اور کبھی دیگر طریقوں سے ڈرایا گیا ہو۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے۔کہ! **فی قلو بھم مرض فزادھم اللہ مر ضا ولھم عذاب الیم م بما کانوا یکذبون** ۔(ترجمہ) اور ان کے دلوں میں بیماری ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری کو اور بڑھا دیا۔اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔(سورہ بقرہ۔آیت نمبر 102) نور اور ظلمت کی افواج ہمیشہ برسرِ پیکار رہتی ہیں۔جب نبی مکرم ﷺ کی توجہ ان ظلمتوں کی طرف مبذول ہوتی ہے۔تو اس وقت حرفِ قبض کا یہ نور ظاہر ہوتا ہے۔اور اس نور میں سے مذکورہ بالا قسم کی آیات سامنے آئی ہیں۔

☆ **حرفِ قبض**: حرفِ قبض کے سات اجزاء یہ ہیں۔

لذتِ خیر کی حس اور باطل سے کلفت۔انصاف۔ضد سے نفرت۔امتثالِ امر۔میلان الی الجنس۔انقباض کی قوتِ کاملہ۔حق گوئی سے شرم نہ کرنا۔

☆ حرفِ بسط: حرفِ بسط کی شناخت یہ ہے۔کہ! کسی آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہو۔جب آپ ﷺ کی توجہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی طرف مبذول ہوتی ہے۔تو اس وقت بسط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔اور یہ آیات مقامِ بسط سے ظاہر ہوتی ہیں۔ حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں۔ کہ! اِن ساتوں حروف کی تقریباً یہی پہچان و علامات اور نشانیاں ہیں۔جو یہاں ذکر کی گئی ہیں۔ورنہ ہر ہر حرف میں **366** وجہیں ہیں۔اگر مَیں ہر حرف کی **366** مختلف وجوہ میں سے ہر ایک کا ذکر کرنا شروع کر دوں۔تو نبی مکرم ﷺ کے باطن کا آفتاب سب لوگوں کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔لیکن یہ درحقیقت وہ رموز و اسرار ہیں۔کہ! جنہیں چھپانا واجب ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل کے تحت جن لوگوں کو **فتح کبیر** عطا فرماتا ہے۔وہ ان کا علم حاصل کر لیتے ہیں۔اور جسے فتح حاصل نہیں ہوتی۔اس کے لئے مناسب یہی ہے۔کہ! وہ اپنی ظاہری حالت پر ہی باقی رہے۔

☆ **حرفِ بسط**: سات اجزاء یہ ہیں۔فرحِ کامل۔ذات میں خیر کا قیام۔فتحِ حواسِ ظاہری۔فتحِ حواسِ باطنی۔رفعت۔حُسنِ تجاوز۔انکساری۔

سیدی عبدالعزیز دباغؒ نے ارشاد فرمایا۔کہ احادیثِ مبارکہ میں جو اختلافِ تلفظ پایا جاتا ہے۔اُس کی وجہ باطنی انوارات کے

اختلاف کی **فرع** ہے ۔ کیونکہ قبض کی بدولت کچھ حروف کو ساکن پڑھا جاتا ہے ۔ اور اس پر پیش پڑھی جاتی ہے ۔ زبر حرفِ رسالت سے پیدا ہوتی ہے ۔ اور زیر حرفِ آدمیت سے پیدا ہوتی ہے ۔ اور ہر آیت کے لئے ایک خاص فتح اور مخصوص ذوق ہوتا ہے ۔

ذات (بدن) اور روح میں فرق : حضرت سیدی دباغؒ فرماتے ہیں ۔ کہ! ذات کی پیدائش تو مٹی سے ہوئی ۔ اور تمام مخلوقات بھی مٹی سے پیدا ہوئی ۔ البتہ روح سے ملاءِ اعلیٰ سے ہے ۔ اور ملاءِ اعلیٰ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت رکھتے ہیں ۔ اب چونکہ ہر شئے اپنی اصل کی طرف ہی لوٹتی ہے ۔ بلکہ رجوع کرتی ہے ۔ لہٰذا نورِ روح کو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوگا ۔ جبکہ نورِ ذات کو مخلوق کے ساتھ متعلق ہے ۔

میان خالق و مخلوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

خلاق و مخلوق کے درمیان بھی کچھ رمز (بھید ۔ راز) ہیں ۔ کہ ہر دم کا احوال لکھنے والے ملائکہ (کراماً کاتبین) تک کو بھی ان کی خبر نہیں ہے ۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت : حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ بیان فرماتے ہیں ۔ کہ! اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی (جیسے کہ! قرآنِ کریم میں یا کسی حدیثِ قدسی یا پھر کسی رحمانی صحیفہ میں) یہ بات ارشاد نہیں فرمائی ۔ کہ تم اپنے نفس کو خوش کرنے کے لئے کوئی (نیک) عمل کرو ۔ تو میں تمھیں اس کا اجر و ثواب عطا کروں گا ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ ارشاد فرمایا ہے ۔ کہ تم پورے خلوص کے ساتھ صِرف میری ہی عبادت کرو ۔ تو میں تمھیں اجر و ثواب عنایت کروں گا ۔ لہٰذا تم اپنے اعمال کے بارے میں یہ نیت و گمان رکھو ۔ کہ یہ تمام اعمال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے لئے ہیں ۔ اور انہیں بجالانے کا مقصد صِرف اور صِرف اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور بلند ترین مقام و مرتبہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر لاتعداد و بے شمار انعامات ، اکرامات و احسانات کئے ہیں ۔ اور مزید بھی وہ اپنی نوازشات کو محض اپنے ہی فضل و کرم اور مہربانی کی بدولت ہمیں اجر و ثواب سے نوازتا رہے گا ۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر ہم غریبوں کی محبت کا اُڑایا ہے مذاق

معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے ضروری امر : حضرت سیدی عبدالعزیز الدباغؒ نے فرمایا ۔ کہ! جب تک حضرت سیدالوجود ﷺ کی معرفت حاصل نہ ہو ۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی ۔ اور اسی طرح سے جب تک کسی شیخِ کامل کی معرفت حاصل نہ ہو ۔ اُس وقت تک حضرت نبی آخرالزمان ﷺ کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی ۔ اور شیخ کی معرفت اُس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی ۔ جب تک مرید (سالکِ صادق) کی نگاہ میں فنا نہ ہو جائے ۔ نہ کسی پر نظر جائے ۔ نہ ہی خیال ۔ یعنی سب کو مردہ سمجھے ۔ اور سب (یعنی تمام غیر اللہ) کی طرف سے تمام تر توقعات منقطع نہ کر لے ۔ (حضرت احمد بن مبارک سلجماسیؒ) نے فرمایا ۔ کہ حضرت سیدی الدباغؒ کے اس کلام سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا اکرم فرمایا ۔ ہر قسم کی خیر و خوبی نصیب ہونے کا یہی (کلام) وسیلہ بنا ۔

ستارے کچھ بتاتے ہیں ، نتیجہ کچھ نکلتا ہے بڑی حیرت میں ہے ، میری ہتھیلی دیکھنے والا

ایک بہت بڑا عقلی حجاب : جاننا چاہیئے ۔ کہ! وہ شخص کتنا ہی بڑا جاہل ہوگا ۔ جو کہ اس غلط فہمی کا شکار ہو ۔ کہ جو نیک اعمال اور اچھے امور کی انجام دہی ہونے کے بعد محض اپنی محنت و دیانت سے اجر و ثواب حاصل کرتا ہے ۔ جبکہ وہ یہ بات بخوبی جانتا اور سمجھتا بھی ہے ۔ کہ اس کے اعمال اور نیک امور کی سرانجام دہی میں اس کی اپنی ذات کا کوئی عمل دخل نہیں (جب تک کہ ربِ متعال نہ چاہے) کیونکہ اس کی اپنی ذات اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہے ۔ اور اس کے اعمال بھی اللہ کے مخلوق (تخلیق شدہ) ہیں ۔ تو یہ کیسے ممکن ہے ۔ کہ! ہم اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ اعمال میں سے نیکیوں کو اپنے ہی کھاتے میں شامل کرلیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم و عنایات کو پس پردہ ڈال کر اپنی محنت جتائیں ۔ (توبہ نعوذ باللہ) درحقیقت ہماری غفلت ، گناہوں کی کثرت اور عبادات سے لاپرواہی ہماری آنکھوں کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات سے محجوب کر دیتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے ۔ آمین ۔

حضرت نبی مکرم ﷺ کی توجہ حاصل کرنے کا طریقہ : احمد بن مبارک سلجماسیؒ نے (اپنے مرشد) حضرت سیدی عبدالعزیز الدباغؒ سے پوچھا ۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کی طرف کامل توجہ کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے ۔ تو حضرت سیدی دباغؒ نے جواب مرحمت فرمایا ۔ کہ! تین چیزوں کے ذریعے ، ایک تو **محبتِ نبوی** ﷺ دوسری حددرجہ **تعظیمِ نبوی** ﷺ اور تیسری آپ ﷺ کے فضائل و کمالات کو پیشِ نظر رکھنا (یعنی **شمائلِ نبوی** ﷺ کو بار بار پڑھنا) ۔ (پھر حضرت دباغؒ مزید فرماتے ہیں ۔ کہ!) یہ تینوں نعمتیں اس وقت حاصل ہوسکتی ہیں ۔ جب انسان کے وجود کے سات حصے مکمل طور پر حضرت نبی مکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہو جائیں ۔ سوچ ۔ غور و فکر ۔ عقل ۔ مثالِ ذات ۔ روح اور علم ۔ جب یہ ساتوں انوارات انسان کے وجود کا حصہ بن جائیں ۔ تو محبتِ نبوی ﷺ ، **تعظیمِ نبوی** ﷺ اور حیرانگی (فضائل و کمالات یعنی شمائلِ نبوی ﷺ) ۔

حضورِ اکرم ﷺ **سے کسی اَمر کا پوشیدہ ہونا** : صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں آیا ہے ۔ کہ! آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیلِ امینؑ کے چلے جانے کے بعد فرمایا ۔ کہ! اس شخص کو ، جو سوالات کر رہا تھا ۔ واپس لاؤ ۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ نے ان کی تلاش کی ۔ مگر ان کا پتہ نہ لگا ۔ تب آنحضرت ﷺ نے فرمایا ۔ یہ جبرائیلؑ تھے ۔ اور وہ مجھ سے اس مرتبہ کے سوا کبھی نہیں چھپ سکے ۔ (یعنی ان کو اس مرتبہ مَیں پہچان نہ سکا) حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں ۔ کہ! آنحضرت ﷺ کا جبرائیلؑ کو نہ پہچاننا درحقیقت اس وجہ سے تھا ۔ کہ! بعض اوقات آنحضرت ﷺ مشاہدہ حق میں اس قدر محو و مشغول ہو جاتے تھے ۔ کہ! آپ ﷺ کی ذاتِ پاک مع اپنے جملہ تعلقات اور اجزاء و عروق کے اس عالم سے بے تعلق ہوکر

نورِ حق سبحانہٗ میں محو ہو جاتی۔ چنانچہ اس طرح آپ ﷺ کی ذات کا تعلق غیر اللہ سے کلی طور پر منقطع ہو جاتا۔ چنانچہ جب حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے۔ تو آنحضرت ﷺ اُس وقت بھی مشاہدہ ربانی میں محو و مشغول تھے۔ اسی لئے اُنہیں پہچان نہیں پائے۔ (ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ!)

آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے اس **اشعریین** کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ جنہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری کے اونٹ طلب کئے تھے۔ کہ! ''**واللہ لا احملکم ولا عندی ما احملکم علیہ**'' اللہ تعالیٰ کی قسم! میں تم کو سواری کے لئے اونٹ نہ دوں گا۔ اور نہ میرے پاس (اونٹ) ہیں۔ کہ تم (لوگوں کو میں) دوں۔ مگر (اتنی بڑی اس قسم کھانے کے بعد) آپ ﷺ نے ان کو اونٹ عطا فرما دیئے۔ (اَب دریافت طلب بات یہ ہے۔ کہ) آپ ﷺ نے پہلے اونٹ نہ ہونے کی قسم کھائی، پھر انکار کر دیا اور آخر میں اونٹ بھی عطا کر دیئے۔ حالانکہ! آپ ﷺ صادق و امین اور حق گو و راست شخصیت ہیں۔ پھر اس اشکال کا جواب کیا ہوگا۔ حضرت سیدی عبدالعزیز الدباغؒ ان اشکال کا جواب ان الفاظ میں عنایت فرماتے ہیں۔ کہ! آپ ﷺ کا کلام باطن اور مشاہدے کے اعتبار سے نکلا کرتا تھا۔ چنانچہ کبھی تو آنحضرت ﷺ ذاتِ الٰہی کے مشاہدے میں ہوتے۔۔۔ اور کبھی آنحضرت ﷺ ذاتِ باری تعالیٰ کی قوت اور غلبہء قدرت کے مشاہدے میں مشغول ہوتے۔ اس مشاہدے سے اللہ تعالیٰ کی قوت اور غلبہء قدرت کے مشاہدے کی وجہ سے خوف اور بے چینی ہوتی۔ اور ان دونوں مشاہدات میں آپ ﷺ مخلوق سے بالکل غیر متوجہ ولاعلم ہو جاتے۔ اور اس وقت آپ ﷺ کسی کو بھی نہیں دیکھتے تھے۔

کلامِ نبوی ﷺ پوشیدہ نہیں رہ سکتا : کتاب الابریز میں سید احمد بن مبارک سلجماسیؒ کہتے ہیں۔ کہ! عجیب بات تو یہ تھی۔ کہ! جب مَیں آپ (یعنی سیدی عبدالعزیز الدباغؒ) سے اس قسم کی گفتگو کرتا رہا۔ تو آپؒ اُس حدیث کو جسے امام بخاریؒ نے بیان کیا ہے۔ اور صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ یا امام مسلمؒ نے (صحیح مسلم) میں بیان کیا۔ مگر امام بخاریؒ نے نہیں دی ہے۔ اُن میں امتیاز کر لیتے۔ بالآخر جب ایک عرصے تک مَیں آپؒ کا امتحان کرتا رہا۔ اور مجھے تحقیق ہوگئی۔ کہ! آپؒ حدیث اور غیر حدیث میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ تو مَیں نے دریافت کیا۔ کہ آپؒ یہ کیسے دریافت کر لیتے ہیں۔ تو ایک مرتبہ آپؒ نے فرمایا۔ کہ! حضرت نبی مکرم ﷺ کا کلامِ مبارک چھپا نہیں رہ سکتا۔ لیکن ایک اور مرتبہ جب مَیں نے یہی سوال کیا۔ تو آپؒ نے فرمایا۔ جب کوئی انسان موسم سرما میں جب بات کرتا ہے۔ تو اُس کے منہ سے بھاپ نکلتی ہے۔ لیکن یہی بھاپ موسم گرما میں نہیں نکلتی۔ بعینہٖ یہی حال اُس شخص کا ہے۔ جو کلامِ نبوی ﷺ جب پڑھتا ہے۔ تو اُس کے منہ سے کلام (یعنی حدیثِ نبوی ﷺ کے الفاظ) سے نُور نکلتا ہے۔ اور جو کسی اور کا کلام پڑھتا ہے۔ تو کلام بغیر نُور کے نکلتا ہے۔ (اسی طرح سے) جب مجھے علم ہوگیا۔ کہ آپؒ قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبوی ﷺ میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ تو خیال آیا ہے۔ کہ! قرآنِ حکیم اور حدیثِ قدسی کے فرق کے بارے میں آپؒ کو آزماؤں۔۔۔ اور عرض کیا۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ سے پھر آپؒ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ اِن تینوں (یعنی قرآنِ حکیم، حدیثِ قدسی اور حدیثِ نبوی ﷺ) میں فرق بیان فرما دیں۔ کیونکہ! حدیثِ قدسی ایک طرف سے تو قرآنِ حکیم سے مشابہت رکھتی ہے۔ (یعنی حدیثِ قدسی میں بھی قرآنِ حکیم کی طرح اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہوتا ہے) اور دوسری طرف اس حدیث سے جو قدسی تو نہیں ہے۔۔۔ آپؒ نے فرمایا۔ یہ تینوں کلام (یعنی قرآنِ حکیم، حدیثِ قدسی اور حدیثِ نبوی ﷺ) اگرچہ آنحضرت نبی مکرم ﷺ کے دہن مبارک ہی سے نکلے ہیں۔ اور اِن تینوں میں آنحضرت ﷺ ہی کے انوارات پائے جاتے ہیں۔ پھر بھی اِن میں یہ فرق ضرور ہے۔ کہ! قرآنِ حکیم میں جو نور ہے۔ وہ قدیم ہے۔ اور وہ ذاتِ حق سبحانہٗ میں سے نکلا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام بھی قدیم ہے۔ اور حدیثِ قدسی کا نور آنحضرت ﷺ کی روح مبارک کا نور ہے۔ لیکن نورِ قرآن کی طرح قدیم نہیں ہے۔ اور جو نورِ حدیثِ غیر قدسی (یعنی حدیثِ نبوی ﷺ) میں پایا جاتا ہے۔ وہ آپ ﷺ کی ذات کا نور تو ہے مگر روح کا نہیں۔ لہٰذا یہ تین قسم کے نور (انوارات) ہوئے۔ جو اپنی نسبتوں کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ نورِ قرآن ذاتِ حق سبحانہٗ کی طرف سے ہے۔ نورِ حدیثِ قدسی روحِ نبوی ﷺ کی طرف سے ہے۔ اور غیر قدسی حدیث (یعنی احادیثِ نبویہ ﷺ) کا نور آنحضرت ﷺ کی ذات سے ہے۔

ایک عجیب سا جواب : پھر مَیں نے دریافت کیا۔ کیا حدیثِ قدسی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یا نہیں؟ تو آپؒ نے فرمایا۔ کہ! یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو نبی ﷺ ہی کا کلام ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ! حضرت نبی مکرم ﷺ پر حق سبحانہٗ کی طرف سے بعض اوقات اس کثرت سے انوارات برستے تھے۔ کہ آپ ﷺ کو ایک خاص قسم کا مشاہدہ حاصل ہوتا تھا۔ اگرچہ عام مشاہدہ تو آپ ﷺ کو ہر وقت ہی حاصل رہتا تھا۔ چنانچہ ایسی حالت و کیفیت میں اگر انوار کے ساتھ حق سبحانہٗ کی کا کلام بھی سنائی دیتا تھا۔ یا کوئی فرشتہ نازل ہوتا تھا۔ تو یہ قرآنِ حکیم ہوتا۔ لیکن اگر کلام سنائی نہ دیتا۔ اور نہ ہی کوئی فرشتہ اُترتا۔ تو یہ وقت حدیثِ قدسی کا ہوتا۔ لہٰذا اس حالت و کیفیت میں جب آپ ﷺ کلام فرماتے۔ تو آپ ﷺ شانِ ربوبیت ہی میں کلام فرماتے تھے۔

نورِ نبوی ﷺ کی تین حالتیں : معین مقدار کے نور کے وقت آپ ﷺ جو کلام فرمائیں گے۔ وہ حدیثِ نبوی ﷺ ہوگا۔ اسی طرح سے اگر انوارات پھیل جائیں۔ اور ذاتِ نبوی ﷺ کو مشتعل کر دیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنی معتاد حالت (عام حالت) سے باہر ہو جائیں۔ تو اس وقت جو کلام ہوگا۔ وہ کلام اللہ (یعنی قرآنِ حکیم) ہوگا۔ نزولِ قرآن کے وقت بھی آپ ﷺ کی یہی حالت ہوتی تھی۔ اور اگر انوارات پھیل جائیں۔ اور آپ ﷺ اپنی حالت سے نہ نکلیں۔ تو اُس وقت آپ ﷺ جو کلام فرمائیں گے۔ وہ حدیثِ قدسی کہلائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک مرتبہ آپؒ (دباغؒ) نے یہ جواب فرمایا۔ کہ! جب نبی ﷺ کلام فرمائیں۔ تو اگر یہ کلام آپ ﷺ کے اختیار سے باہر ہو۔ تو یہ قرآنِ حکیم ہے۔ اگر آپ ﷺ کے اختیار میں ہے۔ اور پھر اس میں عارضی انوارات پھیل جائیں۔ تو یہ حدیثِ قدسی ہے۔ اور اگر انوارات دائمی ہوں۔ تو یہ حدیثِ

غیر قدسی (یعنی احادیثِ نبویہ ﷺ) ہیں۔ آپ ؒ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ! جس کسی میں عقل ہو۔ اور وہ خاموشی سے قرآنِ حکیم سنے۔ پھر خاموشی سے کسی اور کلام کو سنے۔ تو دونوں میں ضرور فرق پائے گا۔ اس بات کی سب سے قوی ترین دلیل یہ ہے۔ کہ! صحابہء کرام ؓ نہایت عقل منداور زیرک دماغ تھے۔ اُنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کا اتنا قدیم دِین اسی لئے چھوڑا تھا۔ کہ ان پر یہ بات واضح ہوگئی تھی۔ کہ یہ کلام اللہ ہی ہوسکتا۔ لہذا جو بھی شخص قرآنِ حکیم کو بغور سنے گا۔ اور اُس کے معانی کو دل پر جاری کرے گا۔ تو اُسے لازمی طور پر یہ محسوس ہو جائے گا۔ کہ یہ پُر عظمت اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہوسکتا ہے۔۔۔

ایمان میں اضافے کے اسباب : ایک مرتبہ حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ ؒ نے اِن اُمور کا تذکرہ کیا۔ کہ جن کی بدولت ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ **نمبر 1.** قبور کی زیارت کرنا۔ **نمبر 2.** صِرف اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے صدقہ کرنا۔ **نمبر 3.** جھوٹی قسم کھانے سے بچنا۔ **نمبر 4.** جن اعضاء کے پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اپنے اُن اعضاء کو چھپانا۔ اور دوسرں کے) اُن اعضاء کی طرف دیکھنے سے بچنا۔ **نمبر 5.** (خود کو گناہوں سے بچانا) اور اپنے اور دیگر لوگوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کرنا۔ کیونکہ جو شخص دوسرے لوگوں کے گناہوں کی ٹوہ میں رہنا شروع کردیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں یہ وسوسہ پیدا کردیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ گار کے تمام تر گناہوں کے باوجود اس قدر نعمتوں سے نوازا ہے۔ کہ شاید یہ نعمت اس کے گناہوں کی بدولت میسر آئی ہے۔ (استغفراللہ۔ توبہ نعوذ باللہ) **نمبر 6.** حاملینِ شریعت یعنی علمائے کرام کی تعظیم بھی ایمان میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اِن کی قدر پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ سیدی عبدالعزیز دباغ ؒ فرماتے ہیں۔ کہ! اگر لوگوں کو علمائے عظام کی قدر و قیمت کا پتہ چل جائے۔ تو وہ اُنہیں زمین پر چلنے بھی نہ دیں۔ بلکہ ہر علاقے کے لوگ اپنے علماء کو کندھوں پر آٹھا کر گھومیں۔ عارف باللہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ کہ! مسلمانوں کے چہروں کی طرف نظر کرنے سے بھی دولتِ ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اِسی ضمن میں حضرت احمد بن مبارک کہتے ہیں۔ کہ! مسلمان اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی نافرمان کیوں نہ ہوں۔ اِن کی قربت کی اہمیت پھر بھی بہت فائدہ منداور نفع بخش ہوتی ہے۔ کیونکہ دین وشریعت کے احکامات کی معرفت ہی سب سے قیمتی چیز ہے۔ لہذا ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا چاہیئے۔ ہم مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کے ہمراہ رہتے ہیں۔ گلیوں، بازاروں اور حالتِ سفراور زندگی کے دیگر تمام معاملات (جیسے لین دین، رشتے ناطے اور دیگر کئی اُمور) میں بہرحال ہمارا واسطہ مسلمانوں ہی سے پڑتا ہے۔ بطورِ خاص جہاں اَمر بالمعروف کی دعوت اور نہی عن المنکر کی روک تھام اور دیگر نیک کاموں کے نصائح کئے جاتے ہیں۔ یا جہاں دعوت ودین کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ (شکر الحمدللہ)

اِرتکابِ گناہ کے نقصانات :

حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ ؒ نے (احمد بن مبارک سلجماسی ؒ سے) دریافت کیا۔ کیا تم جانتے ہو؟ کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ دردناک عذاب کسے دیا جائے گا؟ مَیں نے عرض کیا۔ آپ ؒ بیان فرمائیں۔ (تو) آپ ؒ نے فرمایا۔ کہ! جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے تندرست جسم، مکمل عقل اور پوری صحت عطا کی ہو۔ اور اِس کے ساتھ اسے زندگی کی تمام نعمتوں سے بھی سرفراز کیا ہوا ہو۔ اور پھر اِس (غافل شخص) کو ایک، دو یا اِس سے زیادہ دنوں تک خیال بھی نہ آسکے۔ اور اس کے برعکس جب وہ کسی گناہ کا ارتکاب کرنے لگے۔ تو مکمل طور پر اس گناہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس سے بھرپور لذت حاصل کرے۔ اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری سے بے نیاز ہوکر اس گناہ کے ارتکاب کو اچھا سمجھنے لگے۔ غرض یہ کہ گناہوں کی دلدل میں پوری طرح سے دھنس جائے۔ اور اللہ تعالیٰ سے مکمل طور پر لاتعلق ہو جائے۔ پوری طرح سے گناہوں میں مائل ہو جائے۔ اور اِن کا ارتکاب اس طرح کرے۔ جیسے کہ یہ ایک جائز عمل ہو۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن یہ عذاب دیا جائیگا۔ کہ اسے مکمل طور پر آگ میں ڈال دیا جائے۔ اس آگ کی وجہ سے ایسے شخص کو ہر جہت سے عذاب ہوگا۔ اور اسے اس عذاب کی مزید طلب اسی طور سے ہوگی۔ جیسے کسی خارش زدہ کو خارش کی طلب ہوتی ہے۔ حالانکہ خارش کرنا خود اسی کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔

اِرتکابِ گناہ کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا :

حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ ؒ نے مزید فرمایا۔ کہ! گناہوں کے ارتکاب کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا بہت ہی عمدا اور افضل عمل ہے۔ اس لئے جب کوئی بندہ (خدانخواستہ) کسی گناہ کا مرتکب ہونے لگے۔ تو اسے چاہیئے۔ کہ یہ بات پیشِ نظر رکھنے کی کوشش کرے۔ کہ اس کا پروردگار زبردست قدرت (طاقت) کا مالک ہے۔ انشاءاللہ اس (اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تخیل وتصور) کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے گا۔ (جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہ معاف فرمادے گا) لیکن اگر گناہوں کو معاف نہ بھی کیا گیا۔ تو بھی اس کے عذاب میں ضرور کمی آجائے گی۔

حکایت : ایک مرتبہ حضرت سیدی عبدالعزیز دباغ ؒ نے گناہ کے ارتکاب کے وقت اپنے رب کو یاد کرنے کے بارے میں اپنے شیخ حضرت عمر بن الھواری ؒ کے حوالے سے ایک حکایت بیان فرمائی۔ کہ! حضرت عمر بن محمد الھواری ؒ فرماتے ہیں۔ کہ! ایک مرتبہ ایک انتہائی گناہ گار شخص میرے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں بھی اس وقت اپنے شیخ کے پاس موجود تھا۔ اس نے میرے شیخ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اے میرے آقا۔ میں بہت گناہ گار ہوں۔ اور مسلسل گناہوں کا ارتکاب کرتا رہتا ہوں۔ اس سے بچنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے ؟ میرے شیخ نے فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے۔ کہ تو اپنے پروردگار کی نافرمانی میں مشغول ہے۔ گناہوں کو چھوڑ دے۔ اور دوبارہ گناہوں کے مرتکب نہ ہونا۔ اس نے عرض کی۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ شیخ نے فرمایا۔ تجھ پر افسوس ہے۔ تو اپنے پروردگار کی بارگاہ میں توبہ کرلے۔ پھر اس نے یہ عرض کی۔ کہ یہ بھی نہیں کرسکتا۔ تو شیخ نے اپنی توجہ اس سے ہٹالی۔ وہ (گناہ گار) شخص ایک دو دن تک وہاں ٹھہرا رہا۔ آخر کار جب وہ اُٹھ کے جانے لگا۔ تو دوبارہ اپنے شیخ سے دریافت کیا۔ کہ اے میرے آقا! میں گناہوں سے

کیسے نجات حاصل کروں۔شیخ نے فرمایا۔تُو جب بھی (کسی چھوٹے یا بڑے) گناہ کا ارتکاب کرنے لگے۔تو تین باتیں ذہن میں رکھ لینا۔

نمبر 1. جو گناہ و برائی تم کرنے لگے ہو۔اول تو تم اس گناہ اور برائی کو یاد رکھو۔اس کی قباحتوں اور اس کے ارتکاب کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی وغضب کے بارے میں سوچ لینا۔ **نمبر 2.** اپنے وجود کی کم مائیگی اور کمزوری کا خیال کرنا۔کہ (اس قدر حقیر ہونے کے باوجود تم) کس طرح تم اپنے (مہربان، رحیم وکریم ذات کے حامل) رب تعالیٰ کی نافرمانی کررہے ہو۔ **نمبر 3.** اپنے پروردگار کی عظمت وطاقت وقدرت اور اُس کے سطوت وقہر کا خیال دل میں لانا۔کہ وہ جب چاہے۔تمھاری گرفت کرکے تمھیں قرار واقعی سزا (بھی) دے سکتا ہے۔اور پھر یہ سوچنا۔کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے درگزر کرتے ہوئے کس طرح تمھارے عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے۔(یاد رہے۔کہ) ان تینوں باتوں کو پیشِ نظر رکھو گے۔تو پھر جو جی میں آئے کرلینا۔چنانچہ وہ شخص چلا گیا۔اور کچھ مدت کے بعد مجھے (الہواریؒ کو) ملا۔اور مجھے سلام کیا۔اور کہا۔کہ (شاید) آپؒ مجھے نہیں پہچانتے؟ میں نے کہا۔آپ کون ہیں؟ کہنے لگا۔میں وہی معاصی ہوں۔حضرت کے کلام کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے میری دستگیری فرمائی۔اس طرح کہ جس وقت میں معصیت کا ارادہ کرتا۔تو جن اُمور (مذکورہ تین باتیں) کو حضرت (الہواریؒ) نے یاد رکھنے کو فرمایا تھا۔(اِن تینوں باتوں کو جب میں) یاد کرتا تھا۔تو گناہ نہیں کرسکتا تھا۔اور یہی (تین نصائح) میری توبہ کا سبب بنے۔

والدین کی نافرمانی کے 04 بڑے نقصانات اور فرمانبرداری کے 04 بڑے فوائد :

حضرت سیدی دباغؒ اپنے شیخ حضرت عمر بن الہواریؒ سے نقل کرتے ہیں۔کہ! والدین کی فرمانبرداری کے چار (بڑے) فوائد یہ ہیں۔جو کہ مذکورہ نقصانات کی ضد ہیں۔ **نمبر 1.** دنیا اس شخص سے اس طرح محبت کرتی ہے۔جس طرح کہ ایک بندہ مومن جنت کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ **نمبر 2.** لوگ اس کی گفتگو، توجہ اور دلچسپی سے سنتے ہیں۔ **نمبر 3.** اولیائے کرام ایسے شخص سے محبت کرتے ہیں۔ **نمبر 4.** ایسے شخص کا ایمان (روز بروز بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح سے والدین کی نافرمانی کے چار (بڑے) نقصانات یہ ہیں۔ **نمبر 1.** دنیا اس (اپنے والدین کے نافرمان شخص) سے دور ہوجاتی ہے۔یہاں تک کہ لوگ اِس سے اس قدر نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔جتنی نفرت کوئی بندہ مومن جہنم سے کیا کرتا ہے۔ **نمبر 2.** ایسا شخص لوگوں کے درمیان بیٹھ کر (جب) گفتگو کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ سامعین کی توجہ کسی اور طرف مبذول کروادیتا ہے۔اس شخص کی گفتگو سے نور و برکت نکال دیتا ہے۔اور لوگ ایسے شخص (کی گفتگو سن کر) اسے ناپسند کرنے لگ جاتے ہیں۔ **نمبر 3.** دیوانُ الصالحین کے اراکین ایسے شخص کی طرف مہربانی اور شفقت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔(یہاں تک کہ اسے مصائب ومشکلات میں گھائل دیکھ کر بھی) اس پر ترس نہیں کھاتے۔ **نمبر 4.** ایسے شخص کا نورِ ایمان دن بدن کم (اور کمزور) ہوتا چلا جاتا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ جس شخص کو تباہی کا شکار کرنا چاہے۔تو اس کے ایمان کا نور مکمل طور پر ختم ہوجاتا ہے۔اور ایسے شخص کی موت کفر کی حالت میں ہوا کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس آفت سے محفوظ فرمائے۔(آمین) اور وہ ناقص ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس آفت سے محفوظ ومامون رکھے۔(آمین)

حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ نصیحت فرماتے ہیں۔کہ! مذکورہ اِن چاروں فوائد اور نقصانات کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھو۔

لوگوں کی اقسام :

(بقول سیدی دباغؒ) انسان کو چاہیئے۔کہ! وہ ہمیشہ اپنی کیفیت کا جائزہ لازمی لیتا رہے۔کہ وہ کس مقام پر موجود ہے۔اور اس نے اپنی ذات کے لئے کون سا دروازہ کھول رکھا ہے۔(یاد رہے۔کہ یہ کام فوراً کرلینا چاہیئے۔اور ہمیشہ اِس کام کی مسلسل تکرار کرنی چاہیئے) اس سے پہلے کہ انسان اپنے کئے پر شرمسار وشرمندہ ہو۔(کیونکہ! اگر کافی وقت گزر گیا) تو اس کی ندامت بھی کسی کام نہیں آئے گی۔بقول سعدی شیرازیؒ!

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری   وقتِ پیری گُرگ ظالم میشود پرہیزگار

اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔کہ! ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرنا ''بابُ الحق'' کو کھولنے کے لئے کافی ہے۔جیسا کہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی کرنا شر کے دروازوں کو کھولنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔حالانکہ حقیقت حال تو اِس سے مختلف ہے۔کیونکہ ظاہر کا باطن کے مطابق ہونا لازمی ہے۔لہٰذا اِس اعتبار سے لوگوں کی (غالبًا) چار قسمیں ہوں گی۔

نمبر 1. وہ لوگ کہ جن کا ظاہر وباطن دونوں ہی اللہ کے ساتھ ہوں۔ظاہر کی صورت یہ ہے۔وہ انسان مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کرے۔جبکہ باطنی تعلق کا مفہوم یہ ہے۔کہ ظاہری اطاعت کے وقت انسان کسی بھی قسم کی غفلت کا شکار نہ ہو۔اور اسے مراقبے ومشاہدے کی صلاحیت بھی حاصل ہو۔اس قسم سے تعلق رکھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہوں گے۔(انشاء اللہ تعالیٰ) اگر کوئی انسان یہ سوچ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ومائل ہو۔کہ عبادت کا اہل صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔تو اس کی عبادت میں کبھی بھی کوئی وسوسہ یا شائبہ داخل نہیں ہوسکے گا۔(انشاء اللہ تعالیٰ) **نمبر 2.** وہ لوگ کہ جن کا ظاہر وباطن دونوں ہی غیر اللہ کی جانب مبذول ہوں۔(اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اِس سے محفوظ رکھے۔آمین) یہ تو وہ لوگ ہیں۔کہ جن کا ظاہر بھی احکاماتِ خداوندی کی خلاف ورزی میں مشغول ہے۔اور اِن کے باطن پر تو ویسے بھی غفلت وتاریکی کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں۔یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ترین لوگ ہیں۔ **نمبر 3.** وہ لوگ کہ جن کا ظاہر تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق نظر آئے۔اور اِن کا باطن غیر اللہ کی طرف مائل ومشغول ہو۔چنانچہ ظاہری طور پر تو یہ لوگ احکامِ خداوندی کی پیروی میں مشغول نظر آتے ہیں۔مگر اِن کا باطن غفلت کا شکار رہتا ہے۔ **نمبر 4** اس کی توضیح میں حضرت دباغؒ مزید فرماتے ہیں۔کہ! اس خامی کی بنیادی وجہ یہ ہے۔کہ! انسان عبادت کرتے وقت صِرف عام عادت کے تحت چند افعال سرانجام دے۔اِن کے نزدیک عبادت بھی دیگر عام عادات کی مانند ایک عادت ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔جس کی وجہ سے اِن کا وجود اِس عادت سے مانوس ہوجاتا ہے۔لہٰذا یہ

احکامِ شریعت کی پیروی کے بجائے صِرف اپنی عادت سے مجبور ہو کر عبادت کیا کرتے ہیں۔
یاد رہے۔ کہ! اِس قسم سے تعلق رکھنے والے کچھ افراد کی کیفیت تو یہاں تک ہوتی ہے۔ کہ ایسے لوگ دیگر لوگوں میں ایک متقی و پرہیز گار اور عبادت گزار و نیک شخص کی حیثیت سے مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور پھر اِس بات سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ کہ! اگر ہم نے عبادت نہ کی۔ یا عبادت میں کوئی کوتاہی وغفلت برتی۔ تو ہماری شہرت کو نقصان پہنچے گا۔ (ریا کار مسلمان کی یہی نشانی ہے) ایسے لوگ ہمیشہ دیگر لوگوں کی نظروں میں اپنی قدر ومنزلت اور اپنے تقوی و نیکی کی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لئے دائمًا عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ تو وہ لوگ ہیں۔ کہ جتنی زیادہ عبادت کرتے جائیں گے۔ اُسی قدر ہی اللہ تعالیٰ اور اُس کی عنایات و اکرامات سے دور ہوتے چلے جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی عبادت سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین) بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے۔ کہ! اِس قسم سے تعلق رکھنے والے افراد میں سے کسی شخص کی ملاقات پہلی قسم سے تعلق رکھنے والے اولیائے کرام سے ہو جاتی ہے۔ وہ ولی اللہ اس (ریا کار) شخص کے باطن میں موجود پروان چڑھنے والی خرابی وتباہی کو پہچان کر اس شخص کی اس بیماری سے نجات کے لئے ایسے شخص کو ظاہری عبادات سے روک کر عدم ادائیگی کا حکم دیتا ہے۔ جن کا کہ یہ شخص عادی ہو چکا ہوتا ہے۔ لیکن وہ اپنی عادت و بیماری سے مجبور ہو کر اُس ولی اللہ کی نصیحت کو قبول نہیں کرتا۔ اور بدستور ظاہری عبادات کی ادائیگی میں محو ومستغرق اور مشغول رہتے ہوئے خود کو تباہ و برباد کر لیتا ہے۔ (استغفر اللہ۔ توبہ ونعوذ باللہ) بہت سے عبادت گزار صرف اِسی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنے ہیں۔ کہ اُنہوں نے اپنی کی ہوئی عبادت پر بھروسہ کر لیا۔

حکایت احمد بن مبارک سلجماسیؒ اسی نوعیت کا ایک سبق آموز واقعہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ! اِن کے زمانے میں کسی شخص کی باطنی کیفیت ایسی ہی ہو گئی تھی۔ تو حضرت بسطامیؒ نے اُس شخص کو نوافل کی ادائیگی نہ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن اس نے آپؒ کا حکم نہ مانا۔ اس کے ساتھیوں نے اسے سمجھایا بھی۔ کہ! تم آخر اتنے بڑے شیخ کی بات کیوں نہیں مان رہے۔ لیکن حضرت بایزیدؒ نے اُس کے ساتھیوں کو کہا۔ کہ اسے اس کے اسی حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نظروں سے گر چکا ہے۔

نمبر 4. وہ لوگ کا جن کا ظاہر تو غیر اللہ کی طرف مائل ومشغول محسوس ہوتا ہے۔ لیکن باطنی اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ومشغول ہیں۔ ایسے لوگ ظاہری طور پر تو شریعت کے احکامات کی (کھلم کھلا) خلاف ورزی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لیکن اِن کا باطن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مائل بہ کرم مراقبہ حق میں مشغول ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ چنانچہ وہ معصیت کے ظاہری ارتکاب کے باوجود مشاہدہ حق سے غافل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسے لوگوں کو گناہ بہت بھاری محسوس ہوتے ہیں۔ اور اسے یوں لگنے لگتا ہے۔ کہ جیسے اس پر پہاڑ پھینک دیا گیا ہو۔ ایسا شخص ہمیشہ پریشان اور **غمگین** رہتا ہے۔ اس قسم سے تعلق رکھنے والے افراد تیسری قسم کے لوگوں سے بدرجہا بہتر اور افضل ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ ظاہری عبادات کا بنیادی مقصد تو انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ جو اس قسم کے افراد کو میسر ہو جاتا ہے۔ لیکن تیسری قسم کے لوگ محرومی کا شکار رہتے ہیں۔

روحانی سفر میں سات (07) بڑی رکاوٹیں : حضرت شیخ احمد دباغ کی تعلیمات میں ہے۔ کہ!

اول۔ جسم، دل اور دماغ کا اللہ تعالیٰ سے عدم تعلق۔ دوئم۔ اللہ تعالیٰ سے روحانی تعلق کا نہ ہونا۔ سوئم۔ زندگی کے بڑے مسائل کا ہونا۔
چہارم۔ ناجائز دولت۔ پنجم۔ خاندانی مسائل کا درپیش ہونا۔ ششم۔ اولاد اور احباب سے عدم تعلق۔ ہفتم۔ استاد کی اتباع کا نہ ہونا۔

طہارت کے دس درجات: درجاتِ طہارت روح کی طرف منسوب ہیں۔ جو کہ دس ہیں۔ (اس مضمون میں جگہ جگہ روح اور ذات کے الفاظ استعمال ہوں گے۔ چونکہ انسان مرکب ہے روح وجسم کا۔ لہذا یہاں پر ذات سے مراد جسم یعنی جان کے ہوں گے) جب روح اپنی بصیرت کی مدد سے کوئی خواب دیکھتی ہے۔ تو اسے اصلی حالت پر دیکھتی ہے۔ کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تغیر نہیں ہو سکتا۔ اور جب روح اسے (یعنی خواب کو) ذاتِ انسانی کے حوالے کرنے لگتی ہے۔ تو ذات کی طرف دیکھتی ہے۔ پس اگر ذاتِ انسانی ظلام سے پاک اور ہر لحاظ سے معصوم ہو۔ تو وہ اس خواب کو روح تک بغیر تبدل وتغیر کے (جیسا کہ اس نے ملاحظہ کیا ہوا ہوتا ہے۔ کی طرف) ادا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر (خدانخواستہ) ذات میں ظلمت ہو گی۔ تو اسے ادا کرتے وقت خواب میں بھی تغیر وتبدل ضرور ہو گا۔ لہذا اس خواب کی تعبیر بھی ظلمت کی مقدار کے مطابق ہو گی۔ اس بات سے یہ نتیجہ بخوبی اُخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ! روح جب تک ذات تک خواب پہنچاتی ہے۔ اس کا پہچاننا انہی دو اقسام (ظلمت وطہارت) میں منقسم ہو جاتا ہے۔ لہذا خواب کی ادائیگی کے وقت خواب میں ذاتِ طاہرہ کے لئے کسی قسم کا ردوبدل تو صرف ظلمتوں (ظلال) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یاد رہے۔ کہ! کلی طور پر مصفےٰ و پاکیزہ اور معصوم اجسام تو صرف انبیاءؑ کے ہوا کرتے ہیں۔ عوام الناس کے اجسام کی معصومیت و پاکیزگی تو جزئی ہوتی ہے۔ اور ایک جہت سے ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری جہت سے نہیں ہوتی۔ اسی لئے طاہرت کے بھی دس درجات ہیں۔ جو کہ درجہ ذیل ہیں۔

☆ **پہلا درجہ** : پہلا درجہ طہارت آنحضرت نبی مکرم ﷺ کی ذات کی نسبت جہلِ مرکب کا نہ ہونا۔ اس قسم کے جہل سے پاک ہونا ہر طرح کی دوسری صفائی سے بڑھ کر ہے۔ اسی لئے اس صفائی کے ہوتے ہوئے جو خواب آئیں گے۔ ان کی تعبیر کی گویا ضرورت ہی نہیں۔ (کیونکہ یہ سچے خواب ہیں)

☆ **دوسرا درجہ** : دوسرا درجہ طہارت یہ ہے۔ کہ! بارگاہِ عالیہ رسالت مآب ﷺ کے بارے میں جہلِ بسیط سے پاک ہونا۔ اس صفائی کا درجہ پہلے درجہ سے کم ہے۔ لہذا اس صفائی والے آدمی کے خواب کی تھوڑی سی تعبیر کی ضرورت بہر حال ہو گی۔ ☆ **تیسرا درجہ** : تیسرا درجہ طہارت عقیدہ ثقلیہ میں جہلِ مرکب سے پاک ہونا ضروری ہے۔ اس درجے کی صفائی کا درجہ گذشتہ دونوں درجات کی صفائی کے بعد آتا ہے۔ اسی لئے اس کے خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی

☆ **چوتھا درجہ**: چوتھا درجہ طہارت عقیدہ ثقلیہ میں جہلِ بسیط سے پاک ہونا ضروری ہے۔اس درجے کی صفائی کا درجہ گذشتہ تینوں درجات کی صفائی کے بعد آتا ہے۔اسی لئے اس کے خواب میں بھی تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ (بلکہ آنے والے جملہ درجات میں ہر ہر خواب کی تعبیر جاننا نہایت لازمی ہے)

☆ **پانچواں درجہ**: پانچواں درجہ طہارت عقیدہ خفیفہ میں جہلِ مرکب سے پاک ہونا ضروری ہے۔یہ عدم اور صفائی سے بھی نچلے درجے کی ہے۔

☆ **چھٹا درجہ**: چھٹا درجہ طہارت عقیدہ خفیفہ میں جہلِ بسیط سے پاک ہونا ضروری ہے۔اس عدم کا درجہ ماقبل کے بعد آتا ہے۔

☆ **ساتواں درجہ**: ساتواں درجہ طہارت یہ ہے۔کہ! حرام کا قصداً ارتکاب نہ کیا جائے۔مزید برآں اس میں عالمِ انوار اور عالمِ اغیار کا بُعد موجود ہے۔لہذا اس میں ماقبل والی ظلمت کے ساتھ مزید ظلمت بھی پائی گئی ہے۔ ☆ **آٹھواں درجہ**: آٹھواں درجہ طہارت یہ ہے۔کہ! مکروہ بات کا عمداً نہ کرنے کا ہے۔ ☆ **نواں درجہ**: نواں درجہ عدم سہو حرام ہے۔ ☆ **دسواں درجہ**: دسواں درجہ عدم سہو مکروہ کا ہے۔یہ درجہ سب سے زیادہ ثقیل اور ذات کا حوالہ کرتے وقت سب سے زیادہ ظلمت والا ہے۔

قلندراں کہ بہ تسخیرِ آب و گل کوشند   زِ شاہاں تاج ستانند و خرقہ بردوشند

ظلمت کے دس درجات: قوت وضعف کے اعتبار سے ظلمت کے دس درجات ہیں۔یہ دس درجات مذکورہ طہارت کے دس درجات کا عدم اور ضد ہیں۔اسی لئے درجاتِ ظلمت کا حال ثقل اور جفت کے اعتبار سے درجات طہارت کے برعکس ہوگا۔ ☆ **پہلا درجہ**: پہلا درجہ وہ ظلمت ہے۔جو کہ فعلِ مکروہ کے سہوًا مرتکب ہونے سے ذات میں داخل ہوجائے۔(یعنی سہوًا صغیرہ کبیرہ گناہ کرنے سے) ☆ **دوسرا درجہ**: دوسرا درجہ وہ ظلمت ہے۔جو ایک حرام بات کو سہوًا کرنے میں ذات میں داخل ہو جائے۔(یعنی سہوًا جھوٹ بولنے،غیبت وغیرہ کرنے سے) ☆ **تیسرا درجہ**: تیسرا درجہ وہ ظلمت ہے۔جو ذات میں ایک مکروہ چیز کو عمداً اور قصداً کرنے سے۔(بائیں ہاتھ سے کچھ کھانے پینے یا کوئی فعلِ مکروہ سرانجام دینے سے) ☆ **چوتھا درجہ**: چوتھا درجہ وہ ظلمت ہے۔جو کہ حرام کو ارادۃً کرنے سے۔(جیسے زنا (زنا چاہے نفس،آنکھ یا عقل سے ہو)،روزہ توڑنے وغیرہ سے) ☆ **پانچواں درجہ**: پانچواں درجہ وہ ظلمت ہے۔جو خفیف عقیدے میں جہلِ بسیط کی وجہ سے ذات میں داخل ہوتی ہے۔(یاد رہے۔کہ! جہل چاہے بسیط ہو یا مرکب دونوں ہی ایمان کے لئے بہت بڑی رکاوٹیں ہیں۔جہلِ بسیط (یا جہل مطلق) سے مراد یہ ہے۔کہ! انسان علم نہ رکھتا ہو۔اور اسے اپنے علم نہ ہونے اور نہ ہی جاننے کا یقین ہو۔لہذا اس طرح کی جہالت شروع میں تو مذموم اور قابلِ مذمت نہیں۔لیکن اسی جہالت پر قائم رہنا اخلاقی لحاظ سے بہت برا اور قابلِ مذمت ہے۔اور جہل مرکب سے مراد یہ ہے۔کہ! انسان عالم تو نہیں ہے۔اور اس کے ذہن میں واقعیت اور حقیقت سے متعلق کچھ بھی نہیں ہے۔پھر بھی اس کا یہ خیال ہے۔کہ! وہ واقعتاً حقیقت تک پہنچ گیا ہے۔جہل بسیط یعنی ایسا جاہل جو جانتا ہے کہ وہ جاہل ہے۔جبکہ جہل مرکب یعنی ایسی جہالت جو نہیں جانتا کہ وہ جاہل ہے۔مگر جہالت دور بھی نہیں کرتا۔اور اپنے جہل کو درست قرار دیتا ہے۔اور اسی طرح سے عقیدہ خفیف یعنی ایسا عقیدہ جس کی وجہ سے کوئی شخص دائمًا جہنم میں تو نہیں رہے گا۔مگر اسے سزا ضرور ملے گی۔اسی طرح سے عقیدہ ثقلیہ وہ ہے۔جس کا حامل شخص دائمًا دوزخ میں رہے گا) ☆ **چھٹا درجہ**: چھٹا درجہ وہ ظلمت ہے۔جو ذاتِ انسانی پر جہل مرکب کے طور پر عقیدہ خفیف میں جہالت کی وجہ سے سرزد ہو۔ ☆ **ساتواں درجہ**: ساتواں درجہ وہ ظلمت ہے۔جو ذات پر عقیدہ ثقلیہ میں جہلِ بسیط کی وجہ سے داخل ہو۔

☆ **آٹھواں درجہ**: آٹھواں درجہ وہ ظلمت ہے۔جو ذات پر عقیدہ ثقلیہ میں جہلِ مرکب کی وجہ سے داخل ہوتی ہے۔

☆ **نواں درجہ**: نواں درجہ وہ ظلمت ہے۔جو ذاتِ انسانی پر آنحضرت نبی مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے متعلق جہلِ بسیط کی وجہ سے داخل ہو۔(یعنی حضور ﷺ کے متعلق ایسی صفات کا عقیدہ رکھنا جو کہ آپ ﷺ میں موجود نہ تھی) ☆ **دسواں درجہ**: دسواں درجہ وہ ظلمت ہے۔جو ذاتِ انسانی پر آنحضرت نبی مکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے متعلق جہلِ مرکب کی وجہ سے داخل ہو۔

سر تے ٹوپی،تے نیت کھوٹی،لینا کی سر ٹوپی دھر کے   تسبیح پھری پر دل نہ پھریا،لینا کی تسبیح ہتھ پھڑ کے

حضرت سیدنا عبدالعزیز دباغؒ نے فرمایا۔کہ! ظلمت کے دس درجات نگاہِ ذات کی طرف منسوب ہیں۔

یاد رہے۔کہ! ظلمت وطہارت کے یہ دس دس درجات صرف عوام الناس کے لئے ہیں۔نہ کہ انبیاء ورسلؑ۔کیونکہ! انبیاء ورسلؑ تو ازلی ودائمی طور پر پاکیزہ و معصوم ہوتے ہیں۔اور اسی طرح سے گروہِ انبیاء ورسلؑ کی نیند بھی عام لوگوں کی نیند کی طرح نہیں ہوتی۔کیونکہ! وہ خواہ سوئے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں۔مگر وہ ہمہ وقت حقیقی طور پر مشاہدہ حق میں مشغول ومحو ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے۔کہ! ان کی آنکھیں تو سوئی ہوئی ہوتی ہیں۔مگر دل بیدار رہوتے ہیں۔

☆ **فتوح۔** **ما یفتح الله للناس من رحمة فلا ممسک لها** ۔(ترجمہ) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو کچھ لوگوں کے لئے کھول دے۔پس اسے کوئی بند کرنے والا نہیں۔(القرآن۔02:35) ایسی چیز،جو کہ غیب سے بن مانگے اور بغیر تلاش وجستجو کئے دستیاب ہو جائے۔اسے فتوح سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس کی تین اقسام ہیں۔پہلی قسم رزق اور عیش کے ارادے کے ساتھ وابستہ ہے۔جس کی تین شرائط ہیں۔ طلب کے بناء۔محنت کے بناء۔توقع کے بناء۔ فتوح کی دوسری قسم ''علم لدنی'' ہے۔اس سے مراد! بناء سیکھے شریعت کے موافق ہونا۔ بناء سنے قلبی اسرار سے آگاہی۔ بناء تجربے کے حکمت پر عبور۔ فتوح کی تیسری قسم ''غیبی اشارات'' کی ہے۔جو کہ تین باتوں سے عبارت ہے۔ عمدہ خوابوں کی بشارت۔ نیک وصالح لوگوں کی سی دُعا۔ دلوں میں قبولیت۔

یک نفسے خموش کن در خمشی خروش کن   وقتِ سخن تا خامشی در خمشی تُو ناطقی

حصولِ فتح کے بعد کی تفصیلات و کیفیات :

جب انسان تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے۔اور اُسے **توبہ نصوحہ** حاصل ہوجاتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنے خصوصی فضل وکرم کی برسات وبہار شروع کردیتا ہے۔اور اُسے فتوحات ملنا شروع ہوجاتی ہیں۔علمائے تصوف اور اولیائے عظام کی اپنی اپنی اصطلاحات کے مطابق فتح دراصل کئی معنوں ومفاہیم میں استعمال کی جاتی ہے۔لیکن زیادہ تر کا یہ خیال ہے۔کہ **فتح کا مطلب یہ ہے**۔کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے تقویٰ وبزرگی حاصل ہونے کے بعد مستجاب الدعوات ہوجاتا ہے۔اور اور اُس کے تمام اُمور اَز جانب الٰہی خود بخود ہوتے چلے جاتے ہیں۔اور اُس سے مافوق الفطرت اعمال وافعال اور اقوال کا ظہور ہونے لگتا ہے۔تو اِن تمام انعامات ،احسانات اور اکراماتِ الٰہیہ کو فتح کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو فتح نصیب کرتا ہے۔تو بہت سے انوار اس کے وجود میں داخل ہوجاتے ہیں۔یہاں تک کہ یہ تمام انوارات اِس شخص کی رگوں، ہڈیوں اور گوشت پوست میں کے ریشوں میں سما جاتے ہیں۔اور اِن کے داخلے کے جو ٹھنڈک وفرحت اور تازگی کا مسحور کن احساس ہوتا ہے۔اس کی کیفیت بوقت نزع (جو کہ شہادت سے پہلے ہو) کی تکلیف کی مانند ہوتی ہے۔اِن انوار کی خصوصیت یہ ہے۔کہ! جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کسی بھی قسم کی مخلوق کا مشاہدہ کروانا چاہتا ہے۔تو یہ انوار اس مخلوق سے اَسرار کو اُس بندے کے سامنے نمایاں کردیتے ہیں۔اس لئے کہ جب تک یہ زمین، بنی نوعِ انسان، حیوانات، جنات، حشرات اور جمادات وغیرہ تمام اشیاء انسانی وجود میں سرایت نہ کرجائیں۔اس وقت تک انسان مخلوقات کا مشاہدہ نہیں کرسکتا۔اور ان کے اَسرار کی آمد کے وقت بھی انسان کو نزع کی سی تکلیف کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا دیدار اور مشاہدہ اس وقت تک نصیب نہیں ہوسکتا۔جب تک کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات کے ساتھ انسان کا وجود سیراب نہ ہوجائے۔ بہر حال! مذکورہ بیان کی مثال ہم یوں بیان کرسکتے ہیں۔کہ! فتح سے پہلے انسانی ذات ایک تاریک اور ظلمت وغفلت کا وجود رکھتی ہے۔جبکہ نبی مکرم ﷺ کی عظیم المرتبت ذاتِ اقدس ایک (اشرف ترین بشر اور) نور کی مانند ہے۔جس کی کئی اقسام ہیں۔اور یہ اقسام ایک لاکھ انوار سے متجاوز ہیں۔جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے تاریک وجود کو (نبی کریم ﷺ کے) نور سے منور کرنا چاہتا ہے۔تو اس وقت نورِ محمدی ﷺ کی تجلّی انسان کے وجود پر وارد ہوتی ہے۔چنانچہ انسان کے وجود (کی 366 رگوں، گوشت پوست، ہڈیوں اور تمام جسم) کے اندر آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے اَسرار سرایت کرجاتے ہیں۔

مطمئن سے ہو گئے یہ حقیقت جان کر   اور بھی اِک زندگی ہے، ماورائے زندگی

اہلِ فتح کو کن باتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے: حضرت سیدنا عبدالعزیز دباغؒ نے فرمایا۔کہ! **مقامِ اول** میں جن امور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔وہ یہ ہیں۔(1) بندوں کے افعال جو کہ وہ خلوت میں کرتے ہیں۔(2) ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کا مشاہدہ۔(3) اس آگ کا مشاہدہ، جو پانچویں زمین میں ہے۔(4) ساتوں زمینوں کے باہمی اشتیاک اور ان میں جو مخلوقات آباد ہے۔اور ان کا مشاہدہ ایک زمین سے دوسری تک کیسے نکلیں گے۔اور ہر زمین کا مابہ الامتیاز کیا ہے۔جو دوسری میں نہیں پایا جاتا۔(5) ساتوں آسمانوں کے باہمی اشتیاق کا مشاہدہ، کہ ایک دوسرے سے کس طرح ملا ہوا ہے۔اور آپس میں ان کی کیا نسبت ہے۔اور ان میں ستارے کس طرح سے رکھے گئے ہیں۔(6) شیاطین کا مشاہدہ، کہ ان کے توالد وتناسل کی کیا صورت ہے۔(7) جنات کا مشاہدہ اور وہ یہ کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔(8) شمس وقمر اور ستاروں کی رفتار اور ان خوفناک آوازوں کا مشاہدہ جو فوراً اہلاک کردیں۔

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر   فعلِ بد خود ہی کریں، لعنت کریں شیطان پر

مقامِ دوئم میں جو مشاہدات حاصل ہوتے ہیں۔وہ یہ ہیں۔جیسے مقامِ اول میں اہلِ فتح کو امور ظلمانی اور فانی مشاہدات کرائے گئے تھے۔اسی طرح سے دوسرے مقام میں اسے انوار باقیہ کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔چنانچہ اسے عام فرشتے، محافظ فرشتے، دیوانِ اولیاء کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ اور اسی طرح سے بعض انبیاءؑ کا بھی مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔لہٰذا سالک کو چاہیئے۔کہ! سوائے آنحضور نبی مکرم ﷺ کے کسی بھی مقام پر نہ ٹھہرے۔مثلاً اگر کوئی شخص مقامِ عیسیٰؑ پر ٹھہر گیا۔تو انہی کے اسرار سے سَیر ہوجائے گا۔اور بالآخر انہی کا مذہب (یعنی شریعت عیسویؑ) کو اختیار کرکے مذہبِ محمدی (شریعتِ محمدی ﷺ) کو فراموش کر بیٹھے گا۔اللہ تعالیٰ بچائے۔ہر صاحبِ فتح کے لئے ہر وقت بڑے عظیم خطرات پیش نظر رہتے ہیں۔لہٰذا جب تک مقامِ محمدی ﷺ کا مشاہدہ نہ کرلیا جائے۔کیونکہ ظاہر ہے۔کہ! آنحضور نبی مکرم ﷺ کے مقام کا مشاہدہ کرلینے کے بعد امتی کو ہر طرح کا سکون وآرام، راحت وسرور حاصل ہوجاتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کی ذات اقدس میں جو قوت موجود ہے۔وہ کسی بھی نبی ورسل یا کسی اور مخلوق میں قطعاً موجود نہیں۔اور یہی قوت جملہ مخلوقات میں صرف آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کھینچ لیتی ہے۔یہی وجہ ہے۔کہ! آپ ﷺ اعز المخلوقات، سید المرسلین، امام المرسلین اور رحمت اللعالمین ہیں۔ **مقامِ سوئم** میں صاحبِ فتح مذکورہ بالا انوار میں تقدیر کے اسرار کا مشاہدہ کرتا ہے۔ **مقامِ چہارم** میں اس نور کا مشاہدہ ہوتا ہے۔جس پر فعلِ الٰہی منسط (پھیل) اور گھل مل گیا ہو۔جیسا کہ پانی میں نمک۔اس مقام پر پہنچ کر بہت سے لوگوں کو دھوکہ لگ جاتا ہے۔کیونکہ وہ اس نور کو نورِ الٰہی خیال کرتے ہیں۔حالانکہ نورِ الٰہی درحقیقت اس نور سے بدرجہا بلند وبرتر ہے۔ **مقامِ پنجم** میں فعلِ الٰہی کی اس نور سے علیحدگی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔کہ نور (واقعتاً) نور نظر آتا ہے اور فعل فعل۔اہلِ فتح اس مقام پر اپنی غلطی کو نہ صرف محسوس کرتا ہے۔بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا پہلا گمان غلط تھا۔

اب جو بچھڑے ہیں تو احساس ہوا ہے ہم کو   درد کیا ہوتا ہے؟ تنہائی کسے کہتے ہیں

دیوانُ الصّالحین کے انعقاد کی جگھیں :

سیدی عبدالعزیز دباغ ؒ فرماتے ہیں۔کہ! صالحین (اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کے چند چنے ہوئے بزرگ اولیاءاللہ) کا دیوان اسی غارِ حرا میں منعقد ہوتا ہے۔جس میں کہ نبی مکرم ﷺ بعثت نبوت سے قبل تنہائی میں عبادت وریاضت کیا کرتے تھے۔اور سال بھر میں صرف ایک مرتبہ دشتِ سوس اور سوڈان کے مغربی حصے کے درمیان ''زاوی اسا'' نامی جگہ پر سوڈان سے تعلق رکھنے والے اولیائے کرام کا اجتماع ہوا کرتا ہے۔ان میں سے بعض حضرات صِرف اِسی ایک رات میں دیوان میں تشریف لایا کرتے ہیں۔تو میں (احمد بن مبارک ؒ) نے دریافت کیا کیا اِن دومقامات کے علاوہ بھی کسی جگہ پر زیادہ سے زیادہ اولیائے کرام کا اجتماع ہوتا ہے؟ تو آپ ؒ نے فرمایا۔کہ! اِن دومقامات کے علاوہ کسی بھی جگہ پر زیادہ سے زیادہ دس اولیائے کرام اکٹھے ہوسکتے ہیں۔اس سے زیادہ نہیں ہوتے۔کیونکہ زمین اِن کے انوارات کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ومنشاء بھی یہی ہے۔کہ! یہ حضرات (اولیائے کرام) پوری کی پوری روئے زمین کے درمیان پھیلے رہیں۔(یادرہے۔کہ!) جب اولیائے کرام اس مقدس دیوان میں اکٹھے ہوتے ہیں۔تو یہ ایک دوسرے کی روحانی مدد بھی کرتے ہیں۔چنانچہ اِن کے وجود سے انوار نکل کر دوسروں کے وجود میں اس طرح داخل ہوتے ہیں۔جیسے تیر ایک طرف سے چل کر دوسری طرف لپکتا ہے۔لہذا جب یہ مجلس برخواست ہوتی ہے۔تو تمام اولیاءاللہ کی روحانیت ونورانیت میں (بہت زیادہ) اضافہ ہوچکا ہوتا ہے۔نچلے طبقے کے اولیاء اپنے وجود کے ہمراہ حاضر ہوتے ہیں۔(یعنی کہ جب وہ حاضر ہوں گے۔تو اپنے گھربار یا لوگوں کی نظروں کے سامنے نہیں ہوں گے) جبکہ اکابر اولیاءاللہ کے لئے ایسی کوئی پابندی نہیں ہے۔

دیوان الصالحین کے انعقاد کا مخصوص وقت اور قبولیت دعا کی گھڑی :

دیوان کے انعقاد کا مخصوص وقت رات کا وہ آخری حصہ ہے۔کہ جب نبی آخرالزماں ﷺ کی مبارک پیدائش ہوئی۔رات کا یہ تیسرا پہر مقبولیت کے لئے بھی ایک بنیادی سبب ہے۔اس ضمن میں ایک حدیثِ نبوی ﷺ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ہمارا پروردگار رات کے آخری پہر میں آسمانِ دنیا پر اپنی خصوصی توجہ فرماتا ہے۔اور ارشاد فرماتا ہے۔کون ہے؟ جو مجھ سے دعا مانگے۔اور مَیں اس کی دعا کو قبول کروں۔اسی ضمن میں صاحب **الابریز** فرماتے ہیں کہ! جوشخص وقتِ قبولیت کو پانا چاہے۔اُسے چاہیئے۔کہ وہ سوتے وقت (بحالت وضو) سورہ کہف شریف کی آخری آیات (**11** مرتبہ) پڑھ کر پاک وصاف بستر پر سوجائے۔اور نیت یہ ہو کہ! رات کو بوقتِ استجابت آنکھ کھلے۔یعنی کہ! یااللہ تعالیٰ (رات کے جس وقت) ساعتِ قبولیت ہو مجھے اپنے خصوصی فضل وکرم سے بیدار فرمادے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا o خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا o قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَلَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا o قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ج فَمَنۡ کَانَ یَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشۡرِکۡ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا o

اس کے بعد صاحب عمل ہذا یہ دُعا کرے۔کہ! یااللہ تعالیٰ (رات کے جس وقت) ساعتِ قبولیت ہو۔مجھے اپنے خصوصی فضل وکرم، وسعتِ رحمت اور اپنی عظمت وربوبیت کے صدقے سے بیدار فرمادے۔آمین۔ یہ شیخ عبدالرحمٰن ثعالبیؒ کا بیان ہے۔کہ! ہم نے بارہا اس (عمل) کو آزمایا۔اور اس کو اوروں نے بھی تجربہ کیا۔حتیٰ کہ اکثر ایسا ہوا۔کہ متعدد اشخاص نے یہ آیات پڑھ کر (ساعتِ قبولیت کے وقت) جاگنے کی دعا مانگی۔اور کسی ایک کو دوسرے کی نیت کا بھی علم نہیں تھا۔مگر جب بیدار ہوئے۔تو بھی ایک ہی وقت میں۔

☆ حضرت سیدی دباغ ؒ نے ارشاد فرمایا۔کہ! صاحبِ عمل کو عمل (یعنی کسی بھی قسم کی کوئی نیکی یا نیک عمل) کرتے وقت اپنا (ایک سرسری سا) جائزہ لینا چاہیئے۔اگرچہ اس کا عمل کسی قدر معمولی ہی کیوں نہ ہو۔کیونکہ ہر معمولی سے معمولی نیکی کا بھی کوئی نہ کوئی اجر (اور ثواب) ضرور ہوتا ہے۔اور اس اجر کا مخصوص نور ہوتا ہے۔جو نیکی کرنے والے شخص کے باطن پر ظاہر ہوتا ہے۔اور یہ اثر محسوس بھی کیا جاسکتا ہے۔(اس اثر کو محسوس کرنے کا سہل طریق یہ ہے۔کہ!) اگر نیکی کرتے وقت انسان کا دل دنیاوی خواہشات اور اللہ تعالیٰ سے منقطع کرنے والے اُمور سے معمور ہوگا۔تو انسان کو سمجھ لینا چاہیئے۔کہ وہ اجر (اور ثواب) سے محروم رہے گا۔کیونکہ اجر سے محرومی کے باعث اس کا دل غافل ہے۔لیکن اگر عمل کرتے وقت انسان کا دل بارگاہ ربّ العزت کی طرف متوجہ ہو۔تو انسان کو سمجھ لینا چاہیئے۔کہ اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کا بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔(انشاءاللہ تعالیٰ) اسی طرح اگر کوئی شخص پورے خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔البتہ (اس شخص کی اسی) دعا کی قبولیت کا اثر دوصورتوں میں سے کسی ایک صورت میں (ضرور) ظاہر ہوتا ہے۔ایک صورت تو یہ ہے۔کہ سائل کی درخواست کے مطابق اس کی مراد پوری کردی جاتی ہے۔جبکہ دوسری صورت یہ ہے۔سائل کی مراد تو پوری نہیں ہوتی۔البتہ اسے مراد پوری نہ ہونے کی حکمت کے راز سے آگاہ (ضرور) کردیا جاتا ہے۔اور یہ خصوصیت صِرف اولیاءاللہ ہی کو حاصل ہے۔ ☆ غوث الوقت (جو کہ اولیائے کرام کا سرخیل Chair-Person ہوا کرتا ہے) غارِ حرا کے باہر بیٹھتا ہے۔اس وقت مکہ معظمہ اس کے دائیں کندھے کے عین پشت پر ہوتا ہے۔جبکہ مدینہ منورہ اس کے بائیں گھٹنے کے بالکل مقابل ہوتا ہے۔اور سات اقطاب دراصل غوث الوقت کے حکم کے تحت (دنیا میں) تصرف کرتے ہیں۔اِن میں سے چار اقطاب تو اس غوث کے دائیں جانب بیٹھتے ہیں۔جبکہ تین اقطاب غوث کے بائیں جانب بیٹھتے ہیں۔اِن میں سے ہر قطب کے ماتحت مزید اولیائے کرام کی ایک جماعت ہوتی ہے۔جو کہ اپنے سربراہ (یعنی قطب) کے زیرِ انتظام مختلف اُمور میں تصرف کرتے ہیں۔غوث الوقت کے عین مقابل اس

دیوان کا وکیل بیٹھتا ہے۔غوث اسی وکیل کے توسط سے اہلِ دیوان سے ہم کلام ہوتا ہے۔اور یہ وکیل جملہ اراکینِ دیوان کی نمائندگی کیا کرتا ہے۔اسی لئے اسے وکیل کہا جاتا ہے۔وکیل کے پیچھے چھ صفیں ہوتی ہیں۔جن کا دائرہ دائیں طرف والے چوتھے قطب سے لے کر بائیں طرف کے ساتویں یعنی آخری قطب تک ہوتا ہے۔گویا کہ ساتوں اقطاب اس دائرے کی ایک سمت میں ہوتے ہیں۔اس کے بعد یکے بعد دیگرے صف در صف کئی صفیں ہوتی ہیں۔

بعض اوقات دیوانُ الصالحین میں (پاک طینت ومتقی) خواتین بھی حاضر ہوتی ہیں۔تاہم اِن کی تعداد بہت کم ہوتی ہے۔خواتین کی صِرف تین صفیں ہوتی ہیں۔یہ خواتین صفِ اول کے دائرہ سے اوپر غوثُ الوقت اور بائیں جانب کے اقطاب ثلاثہ کے درمیان خالی جگہ میں ہوتی ہیں۔بعض اوقات مرحوم اولیائے کاملین (جو کہ صاحبانِ اَمر اولیاء ہوگزرے ہیں) میں سے بھی کوئی نہ کوئی بزرگ (ایک یا ایک سے زیادہ) اِس دیوان میں تشریف لاتے ہیں۔اور اِنہی زندہ مشائخ کے ساتھ تشریف فرما ہوتے ہیں۔تاہم اِن کو تین نکات کی بدولت زندہ مشائخ سے ممتاز کیا جاسکتا ہے۔

نمبر 1. مرحوم مشائخ کی ہیئت ولباس تبدیل نہیں ہوتا۔جبکہ زندہ مشائخ کا لباس وہیئت تبدیل ہوجاتی ہے۔مثلاً زندہ مشائخ بعض اوقات سرمنڈواکر تشریف لاتے ہیں۔یا لباس تبدیل شدہ حالت میں ہوتا ہے۔جبکہ مرحومین کی حالت ہمیشہ ایک ہی سی رہتی ہے۔(اگر آپ کو اِس مقدس دیوان میں حاضری کا موقع نصیب ہو۔تو آپ غور کریں۔کہ!) آپ کو اہلِ دیوان میں اگر کوئی ایسا شخص نظر آئے۔جس کی حالت کسی بھی مجلس میں تغیر وتبدل کا شکار نہ ہو۔تو آپ سمجھ جائیں۔کہ! وہ مرحوم ہے۔مثال کے طور پر آپ نے اسے اس حالت میں دیکھا۔کہ اس کے سر کے بال منڈے ہوئے تھے۔اور پھر کبھی بھی اُسی بندے کے سر کے بال اُگے ہوئے دکھائی نہ دیں۔تو آپ سمجھ جائیں۔کہ اِس ولی اللہ کا انتقال اسی حالت میں ہی ہوا تھا۔ **نمبر 2.** مرحوم مشائخ سے زندہ لوگوں کے بارے میں صلاح ومشورہ نہیں کیا جاتا۔کیونکہ یہ لوگ زندہ لوگوں کے معاملات میں تصرف نہیں رکھتے۔اس کی وجہ یہ ہے۔کہ! یہ حضرات ایک ایسے جہاں کی طرف کوچ کرکے منتقل ہو چکے ہیں۔کہ جو ہماری اس دنیا سے یکسر مختلف ہے۔ہاں البتہ! اِن حضرات سے مرحومین کے بارے میں ضرور مشورہ کیا جاتا ہے۔ حضرت سیدی دباغؒ فرماتے ہیں۔کہ! قبرستان کی زیارت کے آداب میں یہ بات شامل ہے۔کہ کسی بھی مرحوم کے لئے دعائے خیر کرتے وقت زندہ (اولیائے کرام) کے بجائے کسی مرحوم ولی اللہ کا وسیل اللہ تعالیٰ کے حضور (نہایت ادب واحترام اور عاجزی وانکساری سے) پیش کیا جائے۔کیونکہ! اس صورت میں دعا کی قبولیت کا (سریع) اثر ظاہر ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ **نمبر 3.** مرحوم مشائخ کے وجود کا سایہ نہیں ہوتا۔یہاں تک کہ اگر وہ آپ کے اور آفتاب کے درمیان بھی آ کر کھڑا ہوجائے۔تو سورج کی روشنی بدستور آپ پر پڑتی رہے گی۔کیونکہ اس مرحوم کے وجود کا کوئی سایہ نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ ہے۔چونکہ موحوم مشائخ کی صِرف ارواح اس دیوان میں حاضر ہوتی ہیں۔ان کے مٹی سے بنے ہوئے اجسام تو حاضر نہیں ہوتے۔جبکہ روح کا وجود تو انتہائی لطیف وشفاف ہوا کرتا ہے۔ ☆ ایک مرتبہ حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ نے ارشاد فرمایا۔کہ! کبھی کبھی ایسا اتفاق بھی ہوجایا کرتا ہے۔کہ دیوان برخاست ہونے یا اولیائے کرام کی کسی اور مجلس میں شامل ہوتے وقت سورج طلوع ہو چکا ہو۔اور اور بعض اولیاء دور سے دیکھ کر مجھے ملنے کے لئے لپک کر میری طرف (دوڑتے ہوئے) آتے ہیں۔اور میں اِنہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے جب دیکھتا ہوں۔تو اِن کے صِرف سائے کی موجودگی یا عدم موجودگی کی بدولت اِن کے درمیان امتیاز کرلیا کرتا ہوں۔ (یاد رہے۔کہ!) مرحوم بزرگ عالم برزخ سے پرندوں کی مانند اُڑتے ہوئے روح کی شکل میں دیوان میں آن حاضر ہوتے ہیں۔جونہی یہ دیوان کے قریب پہنچتے ہیں۔تو زمین پر اُتر کر اپنے پیَروں پر چل کر دیوان میں آن شامل ہوتے ہیں۔اِسی طرح رجال الغیب جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں۔تو اِن کی ارواح چل کر ایک دوسرے کی جانب آتی جاتی ہیں۔اور جب وہ کسی دوسرے شیخ کے پاس پہنچتے ہیں۔تو اَدب ماتقدم کے تحت اپنے پیَروں پر چل کر جاتے ہیں۔ ☆ مجلسِ دیوان میں فرشتے بھی حاضر ہوا کرتے ہیں۔اِن کی صف مذکورہ چھ صفوں کے پیچھے ہوا کرتی ہے۔ح مجلسِ دیوان میں بعض کامل اور نیک جنات بھی حاضر ہوتے ہیں۔جنہیں" روحانیون " کہا اور پکارا جاتا ہے۔اِن کی صف سب سے پیچھے ہوا کرتی ہے۔ ☆ جنات وملائکہ (فرشتوں) کی حاضری کا فائدہ یہ ہوا کرتا ہے۔کہ! دیوان کے اراکین جو کام خود براہ راست سرانجام نہیں دے سکتے۔اور وہ اُمور فرشتوں اور جنات کے دائرہ کار میں شامل ہوں۔تو ایسے اُمور جنات وملائکہ کے ذمہ لگادیئے جاتے ہیں۔

سیدی عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں۔کہ! وہ تمام اُمور جو اولیائے کرام کے براہ راست تصرف سے باہر ہوں۔اِن اُمور کی بجا آوری کے لئے ہر ہر شہر میں ملائکہ (فرشتوں) کی ایک مخصوص جماعت حاضر رہتی ہے۔مختلف علاقوں میں اِن کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔یہ فرشتے انسانی اشکال میں موجود رہتے ہیں۔یہ ملائکہ امیر وغریب، چھوٹے بڑے، خوبصورت وبدصورت ہر شکل میں موجود رہتے ہیں۔اور لوگوں کے درمیان مِل گھل کر رہتے ہیں۔لیکن لوگوں کو اِن کی اصلیت کا پتہ نہیں چلتا۔(ماسوا اہلِ بصیرت اولیائے عظام کے، کیونکہ اُن کی باطنی انکھ کھلی ہوئی ہوتی ہے)

دیوانُ الصّالحین میں آنحضور نبی مکرم ﷺ کی آمد :

سیدی عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں۔کہ! بعض اوقات مجلس دیوان میں نبی اکرم ﷺ بھی تشریف لاتے ہیں۔جب آپ ﷺ تشریف لے آئیں۔تو آپ ﷺ غوث الوقت کی نشست پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔جبکہ غوث الوقت وکیل کے مقام پر بیٹھ جاتا ہے۔اور وکیل پچھلی صف میں شامل ہوجاتا ہے۔جب آپ ﷺ تشرف لاتے ہیں۔تو آپ ﷺ کے ہمراہ اِس قدر انوار ہوتے ہیں۔کہ جنہیں زبان بیان کرنے سے یکسر قاصر ہے۔اِن کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔کہ شاید حاضرینِ مجلس اِن کے انوار کی وجہ سے جل کر خاکستر ہی ہوجائیں۔یا پھر بے ہوش ہوجائیں۔یا قتل ہوجائیں۔کیونکہ یہ انوار اپنے اندر بے انتہا ہیبت، جلال اور عظمت لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر چالیس اشخاص بہادری کے انتہائی درجے پر فائز ہوں۔اور پھر انہیں ان

انوار کے روبرو لایا جائے۔ تو وہ سب بے ہوش ہو کر گر جائیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ اراکینِ دیوان کو اپنے فضل و کرم کی بدولت یہ قابلیت و صلاحیت عطا فرماتا ہے۔ کہ! وہ اِن انوارِ بابرکات سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ البتہ دیوان کے اراکین میں بہت کم ایسے افراد (اولیائے کاملین) ہوتے ہیں۔ جو بعد میں بھی اِن انوارات کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جو انوار کہ نبی اکرم ﷺ کی تشریف آوری کے وقت صادر ہوتے ہیں۔ نبی مکرم ﷺ غوث الوقت کو براہ راست مخاطب کرتے ہیں۔ اُس وقت آنحضرت نبی کریم ﷺ کے انوارِ مطہرات اتنے شدید اور باعظمت ہوتے ہیں۔ کہ بجز غوث کے اہلِ دیوان میں سے کوئی دوسرا ولی اللہ قریب بیٹھنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست نازل ہونے والے احکامات کو برداشت کرنے اور سامنا کرنے کی اہلیت، صلاحیت اور قابلیت صِرف اور صِرف آنحضور نبی مکرم ﷺ کے کسی اور کو حاصل نہیں ہوتی۔ اور پھر آنحضرت نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ پاک سے صادر ہونے والے احکامات کو ماسوا غوث الوقت کے کسی اور میں سامنا کرنے کی اہلیت، صلاحیت اور قابلیت نہیں ہوتی۔ آنحضرت نبی مکرم ﷺ کے احکامات کو غوث الوقت اپنے وکیل کے ذریعے ساتوں اقطاب تک پہنچاتا ہے۔ اور پھر اُن کے ذریعے یہی احکامات باقی تمام اولیاء تک پہنچائے جاتے ہیں۔ اور اسی طرح جب آنحضرت نبی اکرم ﷺ اہل دیوان کی مجلس میں تشریف فرما نہیں ہوتے۔ تو مجلس کا سربراہ غوث ہوتا ہے۔ اور غوث کے انوار بھی اس قدر شدید ہوتے ہیں۔ کہ ماسوا وکیل اور ساتوں اقطاب کے کوئی اور ولی اللہ غوث کے قریب بیٹھنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ کچھ فاصلے پر ہی بیٹھتے ہیں۔

سیدی دباغ ؒ فرماتے ہیں۔ کہ! پہلے زمانے میں اہلِ دیوان فرشتے ہوا کرتے تھے۔ پھر جب سے نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے۔ تو آپ ﷺ کی اُمت کے اولیاء اللہ کو دیوان میں شامل کر دیا گیا۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ فرشتے اُمتِ محمدی ﷺ کے نائبین (**Assistants**) کے طور پر کام کرتے ہیں۔

دیوانُ الصّالحین میں انبیائے کرامؑ کی آمد :

سال بھر میں صِرف ایک رات یعنی لیلۃُ القدر (والی رات) میں انبیائے کرامؑ اور ملاءِ اعلیٰ سے تعلق رکھنے والے حضرات تشریف لاتے ہیں۔ جس میں کہ آنحضور نبی مکرم ﷺ معہ اپنی ازواجِ مطہرات و اکابر صحابہ کرام ؓ تشریف لاتے ہیں۔ (قبولیت دُعا کی مخصوص گھڑی کا وقت کب ہے؟ اور لیلۃ القدر کی رات کا وجود کیسے وقوع پذیر ہوا؟ اس کی بہت لمبی تفصیل اسی کتاب ''**الابریز**'' میں دی دی گئی ہے۔ وہاں سے دیکھی جاسکتی ہے)

دیوانُ الصّالحین میں اہلِ بیتِ اطہارؓ اور خلفائے راشدینؓ کی آمد :

سیدی عبدالعزیز دباغ ؒ فرماتے ہیں۔ کہ! جب حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ تو آپ ﷺ کے ہمراہ حضراتِ خلفائے راشدین ؓ، حضراتِ حسنین ؓ اور حضرت خاتونِ جنت جگر گوشہ رسول ﷺ حضرت فاطمۃُ الزہرا ؓ بھی تشریف لاتی ہیں۔ کبھی یہ تمام حضرات ایک ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ اور کبھی (ان میں سے) بعض تشریف لاتے ہیں۔ حضرت سیدہ و طاہرہ خاتونِ جنت ؓ دیوان میں بائیں طرف موجود صالح خواتین کی صف میں تشریف فرما ہوتی ہیں۔ اور اس وقت آپ ؓ ہی اُن (صالح خواتین) کی قائد و پیشوا ہوتی ہیں۔ سبحان اللہ۔

غوثُ الوقت کی عدم تشریف آوری :

سیدی عبدالعزیز دباغ ؒ فرماتے ہیں۔ کہ! بعض اوقات ایسے بھی ہوتا ہے۔ غوثُ الوقت دیوان میں تشریف نہیں لاتا۔ تو اِس کی غیر حاضری میں اہلِ دیوان کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بعض اوقات کچھ حضرات کو جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ مثلاً ایک مسئلے میں اکثریت ایک طرف تھی۔ اور کچھ حضرات کی رائے مختلف تھی۔ تو اکثریت کی رائے کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ اور اقلیت اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اگر دو مختلف آراء ہوں۔ اور دونوں طرف کی تعداد بھی برابر ہو۔ تو دونوں کی رائے کے مطابق تصرف ہوتا ہے۔ (اور دوسری صورت یہ بھی پیش آسکتی ہے۔ کہ!) اگر دونوں طرف تعداد برابر ہو۔ تو دونوں فریقین حجاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ حضرات تقدیرِ الٰہی کے مظاہر ہوتے ہیں۔ جب اِن کے درمیان اختلاف ہوگا۔ تو تقدیر سے اِن کو چھپا دیا جائے گا۔ ☆ پھر احمد بن مبارک ؒ نے استفسار کیا۔ کہ! یہ حضرات تو کشف و بصیرت کی عظیم الشان دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ تو پھر اِن کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوتا کیوں ہے؟ آپ ؒ نے فرمایا۔ اگر اختلاف کرنے والی جماعت کی تعداد کم ہو۔ تو ان کے سامنے حجاب سا آجاتا ہے۔ جس کے باعث وہ مرادِ الٰہی کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔ اور آخر کار تقدیر کے فیصلے کے مطابق اِن کا وقت پورا ہو جاتا ہے۔ اگر دونوں طرف تعداد برابر ہو۔ تو دونوں فریقین حجاب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر احمد بن مبارک ؒ نے استفسار کیا۔ کہ! غوث الوقت کی غیر حاضری کا سبب کیا ہوتا ہے؟ تو آپ ؒ نے فرمایا۔ غوث کی غیر حاضری کے صِرف تین ہی اسباب ہوا کرتے ہیں۔ ☆ پہلی وجہ تو یہ کہ! غوث الوقت ذاتِ باری تعالیٰ کے عظیم مشاہدے میں منہمک، محو اور مستغرق ہوتا ہے۔ اور اس کیفیت میں تمام کائنات اسکی نگاہ سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اس کی توجہ دیوان کی طرف بھی مبذول نہیں ہوتی۔ ☆ دوسری وجہ عدم دستیابی غوث کی یہ ہوتی ہے۔ کہ! اگر کسی غوث کا تقرر کئے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو۔ مثلاً سابقہ غوث کا انتقال کچھ ہی عرصہ پہلے ہوا تھا۔ اور پھر اسے مقرر کیا گیا۔ تو ابتداء میں وہ (نیا) غوث مستقل طور پر دیوان میں نہیں آتا۔ ☆ تیسری وجہ غوث کی غیر حاضری کی یہ ہوتی ہے۔ حضرت سرکار عالمین ﷺ جب دیوان میں تشریف لاتے ہیں۔ تو اس وقت اہلِ دیوان پر اس قدر شدید ہیبت طاری ہوتی ہے۔ کہ اسے (غوث الوقت کو) اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ کس وقت دیوان کے معاملات انجام پذیر ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس کے حواس رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہی کیفیت کچھ دیر جاری رہتی ہے۔ اگر (خدانخواستہ) یہی کیفیت کچھ دن تک جاری رہے۔ تو تمام دنیا کا نظام درہم برہم، تباہ و برباد ہو جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کیا غوث الوقت سے اختلاف ممکن ہے ؟

سیدی دباغؒ فرماتے ہیں۔کہ! غوث کی موجودگی میں اختلاف کے طور پر بولنا تو درکنار، کوئی اکن اگر اپنا نچلا ہونٹ بھی ہلانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔کیونکہ اس صورت میں اس بات کا قوی امکان موجود ہے۔کہ بولنے والے کا ایمان سلب ہوجائے۔بہرحال دیوان کے اراکین اگلے روز دن میں پیش آنے والے تمام اُمور اتفاق رائے سے طے کرتے ہیں۔جو کہ قضائے الٰہی کے عین مطابق ہوتے ہیں۔یہ تمام حضرات ان امور کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہیں۔ان کا تصرف تمام جہانوں میں ہوتا ہے۔خواہ وہ عالم علوی ہو یا سفلی۔بلکہ (عالم علوی سے اوپر) ستر حجابات کے اندر، بلکہ (اس سے بھی اوپر) عالم رقاء میں بھی اِن کا تصرف ہوتا ہے۔یہ لوگ تمام جہانوں کے رہائشیوں کے قلوب وخیالات تک میں تصرف کرتے ہیں۔اِن کے تصرف کے بغیر کسی کے ذہن میں کوئی بھی خیال پیدا نہیں ہوتا۔ستر حجابات عرش سے اوپر ہیں۔اور عالم رقاء کے حجابات تو اس سے بھی اوپر ہیں۔اگر یہ حضرات وہاں تک تصرف کرسکتے ہیں۔تو اِس دنیا میں اِن کے تصرف کا کیا عالم ہوگا۔(اولیاء اللہ کا اگر یہ حال ہے۔تو انبیائے کرام وصحابہ عظامؓ کے تصرفات کہاں تک ہوں گے۔یہ تو شان ہے اس اُمت کی۔سبحان اللہ)

دیوانُ الصّالحین میں کس زبان میں گفتگو ہوتی ہے ؟

سیدی عبدالعزیز دباغؒ فرماتے ہیں۔کہ! اہلِ دیوان آپس میں سریانی زبان میں گفتگو کرتے ہیں۔کیونکہ اس میں لفظی طور پر نہایت اختصار اور معنوی اعتبار سے انتہائی جامعیت ہوتی ہے۔نیز دیوان میں جو ارواح اور فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔اور ان کی زبان بھی سریانی ہوتی ہے۔(اسی لئے اگر کسی شخص میں کوئی جن حلول کرجائے۔تو آسیب زدہ شخص مبہم ولامعنی زبان میں گفتگو کرتا ہے۔جو کہ سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے) ہاں البتہ! جب کبھی اس دیوان میں آنحضرت نبی مکرم ﷺ تشریف لاتے ہیں۔تو ادب وتکریم اور اطاعت کے پیشِ نظر جملہ اہلِ دیوان بزبانِ عربی گفتگو کرتے ہیں۔

مختلف حقوق :

حضرت شیخ احمد دباغ صاحب فرماتے ہیں۔کہ! بحیثیت مسلمان ان حقوق کا بجالانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق : توحید (اللہ تعالیٰ کو واحد اِلٰہ ماننا)۔اخلاص۔نماز۔روزہ۔زکوٰۃ۔حج۔منت ونذر۔محبتِ الٰہی۔بندگی۔اطاعتِ الٰہی۔عظمتِ الٰہی۔ **حضرت رسول مکرم ﷺ کے حقوق :** ایمان۔محبت نبوی ﷺ۔ادب نبوی۔عظمتِ نبوی۔اتباعِ سنت۔دعوت وتبلیغ۔درود وسلام بھیجنا۔ **نفس (اپنی جان) کے حقوق :** آخرت کے عذاب سے بچانا۔صحت کا خیال رکھنا۔رزقِ حلال کھلانا۔صفائی۔ **دیگر انسانوں کے حقوق :** اُن کے مال، جان وعزت کا خیال رکھنا۔وعدہ پورا کرنا۔دوسروں کا احساس کرنا۔رحم کرنا۔درگذر کرنا۔عیب پوشی کرنا۔ **عام مخلوق** (جانور، چرند وپرند، نباتات۔ماحول، زمین وغیرہ) **کے حقوق :** شفقت۔رحم۔ناحق تکلیف نہ دینا۔فضول خرچی نہ کرنا۔کسی نعمت کو ضائع نہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت و حصول ٤ باتوں سے :

اللہ کو اہمیت دینا۔رسول اللہ ﷺ کو اہمیت دینا۔مخلوق پر رحم کرنا۔اللہ تعالیٰ کی حضوری۔

ایمان کا چراغ : ایمان کے چراغ کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے۔کہ! پورا چراغ مانند جسم مسلمانی ہے۔اس کے اندر تیل مانند نیک اعمال کے ہیں۔اس میں موجود سوتی ڈوری کی بتی سے مراد شیخ یا استاد کا کردار ہے۔آگ کی لَو ایمان کا شعلہ ہے۔جبکہ شیشہ گناہوں سے بچنا ہے۔تو یہ مکمل ایمان کا چراغ کہلاتا ہے۔

انسان کی چار حالتیں : ان چاروں میں سے ہر ایک کے دس، دس درجات مقرر ہیں۔جس میں طالب کو عملی، ذہنی اور روحانی طور پر مشقیں کروائی جاتی ہیں۔(حضرۃ شیخ احمد دباغ) ہر انسان کی مکمل حیات صِرف چار حالتوں سے گزرتی ہے۔حالتِ اطاعت۔حالتِ گناہ۔حالتِ نعمت۔حالتِ مصیبت۔یاد رہے۔کہ! اگر ہر انسان مندرجہ بالا چاروں حالتوں کے ردعمل کو سیکھ کر اپنی زندگی پر لاگو کرلے۔تو اس کی جملہ حیات بالآخر نعمت اور پاک زندگی بن جاتی ہے۔

☆ **اطاعت کا درست ردعمل :** عاجزی، بندگی، اخلاص۔☆ **گناہ کا درست ردعمل :** ندامت، شرمندگی، توبہ، استغفار۔☆ **نعمت کا درست ردعمل:** شکر، اور نعمت دینے والے (رب) کی طرف نسبت کرنا نہ کہ اسبابِ ظاہری (پیسہ، نوکری، جوانی وغیرہ) کی طرف۔ ☆ **مصیبت کے وقت درست ردعمل :** صبر، گناہوں سے رکنا، اللہ تعالیٰ کی طرف کامل رجوع کرنا۔

شیخ کے قُرب کا فیض بقول حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ :

(سوال) جب کوئی مرید کسی عارف باللہ کامل شیخ کی صحبتِ بابرکت اختیار کرتا ہے۔اور وہ شیخ اس بات کا دعویدار ہو۔کہ وہ (شیخ فقط) اپنی توجہ کے ذریعے اس (مرید) کی تربیت کرسکتا ہے۔تو پھر موت یا سفر کے باعث شیخ کی ظاہری عدم کو جودگی کی صورت میں اس مرید کی روحانی کیفیت، علم اور عمل میں کمی کیوں محسوس ہوتی ہے؟ لہٰذا حال اور توجہ کے ذریعے تربیت کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟ کہ ذرا سی دوری کیا آئے، کہ تربیت کارگر ہی نہیں رہتی۔

حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ نے اس سوال کا یہ جواب مرحمت فرمایا۔کہ! شیخ کامل کی توجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ پر اس کے ایمان کا نور ہے۔اور اسی نور کی بدولت وہ اپنے مرید کی تربیت کرتے ہوئے اسے ترقی کی منازل طے کرواتا چلا جاتا ہے۔لہٰذا اگر کوئی مرید اپنے شیخ کے ساتھ اس نورِ ایمان کی وجہ سے محبت کرتا ہو۔تو شیخ کی ظاہری موجودگی یا عدم موجودگی ہر حال میں شیخ کا فیض مرید کو ہمیشہ ملتا رہے گا۔(بشرطیکہ شیخ کامل ہو) بلکہ اگر شیخ کے وصال کو کئی ہزار برس بھی گزر گئے ہیں۔تو بھی اس کا فیض ختم نہیں ہوگا۔یہی وجہ ہے۔کہ! ہر زمانے کے اکابر صوفیائے کرام، اولیائے عظام (بالواسطہ اور بلاواسطہ) حضرت نبی مکرم ﷺ کے نورِ ایمان سے فیض پا کر اپنی تشنگی دور کررہے ہیں۔اور آپ ﷺ اِن کی تربیت کرتے ہوئے

(روحانی وجسمانی طور پر) انہیں سلوک ومعرفت کی منازل ومراحل طے کروا رہے ہیں۔اس کا بنیادی سبب یہ ہے۔کہ! تمام اولیاء اللہ کی محبت وچاہت کا اصل سبب آنحضرت رسالت مآب ﷺ کا نورِ ایمان ہے۔لہذا جب بھی کوئی مرید اپنے شیخ کے ساتھ صِرف شیخ کی ظاہری شخصیت کی وجہ سے محبت کرے گا۔اوراس کی توجہ شیخ کے نورِ ایمان کی طرف نہیں ہوگی۔تو اس وقت اسے شیخ کی ظاہری موجودگی میں توفیق ملے گی۔مگر شیخ کی غیر موجودگی (یعنی غیر حاضری) کی صورت میں فیض نہیں مل سکے گا۔ظاہری شخصیت کے ساتھ محبت کی علامت یہ ہے۔کہ مرید دنیاوی واُخروی استفادے ومنافع کے حصول یا نقصان کو پانے یا بچنے کی خاطر اپنے شیخ سے بے انتہا محبت کرے۔اور شیخ کے نورِ ایمان کے سببِ محبت وچاہت کی دلیل بھی صِرف یہی ہونا چاہیئے۔اور اِسی طرح مرید کی غرض وغایت اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کا حصول ہو۔اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ومطلب نہ ہو۔لہذا جب بھی کوئی مرید اپنے شیخ کی غیر حاضری میں اپنے اندر کوئی کمی یا روحانی فیض کے حصول میں رکاوٹ محسوس کرے۔تو اس عدمِ فیض کو بجائے اپنے شیخ کے اپنا ہی قصور سمجھے۔

شَیخ اور مرید کے آداب بقول حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ:

ایک مرتبہ ایک فقیہہ نے عیدی عبدالعزیز دباغؒ سے کسی بزرگ کے اس قول کے بارے میں دریافت کیا۔کہ اَب (روحانی) تربیت باقی نہیں رہی۔کیا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ اِس (فقیہہ) کے سوال کی اصل عبارت یہ ہے۔ اے میرے آقا وپیشوا! اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو وہی (روحانی) فتوحات عطا فرمائی ہیں۔جو اس نے اپنے اکابر اولیائے کرام کو عطا فرمائی تھیں۔اِس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو اہلِ بیتِ رسول ﷺ سے نسبت کا شرف کا عطا فرمایا ہے۔آپؒ اپنے علوم میں سے ہمیں بھی کچھ عطا فرمائیں۔تاکہ لوگوں کے قلوب میں سے شکوک وشبہات دور ہوسکیں۔اللہ تعالیٰ آپؒ کو علمِ لدنی سے مالا مال فرمائے۔آمین۔آپ واضح عبارات میں مثالوں کے ہمراہ جواب مرحمت فرمائیں۔تاکہ ہمارے ذہن صاف ہوسکیں۔(کیونکہ!) نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔کہ! **الخلق عیال اللہ واحب الخلق الی اللہ انفعھم لعیا لہ** ۔ ترجمہ: تمامی مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔اور مخلوقات میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا محبوب وہ شخص ہے۔جو اس کی عیال کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔(مجمع الزوائد۔ہیثمیؒ)

☆ حضرت شیخ زروقؒ فرماتے ہیں۔ ''آج کل وہ تربیت (خانقاہی نظام میں روحانی تربیتِ سلوک ومعرفت) ختم ہوچکی ہے۔جسے تصوف کی اصطلاح میں تربیت کہا جاتا ہے۔آج کل تو صِرف ہمت اور حال باقی رہ گئے ہیں۔لہذا اہم کتاب وسنت کو مضبوطی سے تھام لیں۔اور اِس میں کوئی کمی یا اضافہ نہ کریں۔'' کیا تربیت کا یہ انقطاع صِرف شیخ زروقؒ کے زمانے ہی میں تھا؟ یا حضرت عیسیٰ نبیؑ کی تشریف آوری تک جاری وساری رہے گا؟ اور اگر یہ انقطاع اَب بھی موجود ہے۔تو اِس کا بنیادی سبب کیا ہے؟ اور اگر اَب بھی یہ تربیت باقی ہے۔تو روئے زمین پر وہ کون سا شیخ ہے؟ جو اپنی پسند اور طریقہ کار کے مطابق مرید کی صحیح اور بہتر تربیت کرسکتا ہے؟ آپؒ ہمیں بتائیں۔کہ وہ شیخ کون سی مملکت اور کس شہر کا باسی ہے۔جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر کوئی شخص کامیابی حاصل کرسکتا ہے؟

☆ سیدی عبدالعزیز دباغؒ نے جواب دیا۔روحانی تربیت کا بنیادی مقصد تو یہ ہے۔کہ! انسان کے وجود کو رعونت سے پاک کیا جائے۔تاکہ وہ سرِ خداوندی کو حاصل کرنے کے قابل ہوسکے۔اور یہ اُسی وقت ہی ممکن ہے۔جب اس کے اندر موجود تمام تاریکیاں اور ظلمتیں چھٹ جائیں۔اور کسی بھی حوالے سے اس کا باطل کے ساتھ کوئی تعلق باقی نہ رہے۔بعض اوقات باطل سے لاتعلقی کی صورت یہ ہوتی ہے۔کہ! اصل خلقت کے اعتبار سے انسان پاک وصاف پیدا ہوتا ہے۔یہ خصوصیت عام طور پر قرونِ ثلاثہ سے تعلق رکھنے والے حضرات میں پائی جاتی ہے۔اِسی لئے ہی تو اِس زمانے کو خیر القرون کہا جاتا ہے۔کیونکہ اس زمانے سے تعلق رکھنے والے لوگ حق کے ساتھ نہایت پختہ تعلق رکھتے تھے۔سوتے جاگتے کسی بھی وقت حق سے جدا اور لاتعلق نہیں رہتے تھے۔لہذا اگر کوئی شخص روحانی طور پر اِن کے باطن کا جائزہ لینے کی کوشش کرے۔تو وہ اس نتیجے پر جا پہنچے گا۔کہ ان میں سے بیشتر حضرات کی توجہ کا مرکز تو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسولِ معظم کی خوشنودی ورضا کا حصول ہی تھا۔اسی لئے ان سے کثرت کے ساتھ بھلائی کا صدور ہوتا تھا۔کیونکہ ان کے وجود میں حق کا نور واضح اور روشن نظر آتا تھا۔علم وفضل کے اعتبار سے یہ لوگ اجتہاد کے اس مرتبے تک پہنچ چکے تھے۔جسے کہ الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔لہذا ان لوگوں کو رسمی تربیت کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔عام طور پر کوئی مرید صِرف اپنے شیخ سے ملاقات کر کے شیخ کے سِر اور نور کا وارث بن جاتا۔شیخ صِرف مرید کے کان میں جب کوئی ایک بات کہتا۔تو اس کے نتیجے میں مرید کو فتح نصیب ہوجاتی۔کیونکہ وہ مرید باطنی اعتبار سے نہایت پاکیزگی کا مالک ہوتا تھا۔اوراس کی تمام تر توجہ کا مرکز ہدایت ورہنمائی کا حصول ہوتا تھا۔

☆ بعض اوقات شیخ کو اپنے مرید کے وجود سے تاریکیاں دور کرنے کے لئے اس کی تربیت کرنی پڑتی تھی۔ یہ صورتِ حال اس وقت پیش آئی۔جب قرونِ ثلاثہ کا بہترین زمانہ (دَور) رُخصت ہوچکا تھا۔لوگوں کی نیتوں میں فتور آچکا تھا۔ان کے ارادے اور خواہشات خراب ہوچکے تھے۔دنیا ان کے دل ودماغ پر قابض ہوچکی تھی۔اوران کی زندگی کا مقصد صِرف شہوانی خواہشات کی تکمیل تھی۔اس زمانے میں جب کسی شیخ طریقت کو کوئی اہل مرید نظر آتا۔اور شیخ یہ دیکھتا۔کہ مرید کی تمام تر توجہ کا مرکز دنیا ہے۔تو وہ اس کی فکری اصلاح کے لئے خلوت میں بیٹھ کر ذکر کی کثرت اور خوراک کی قلت کی اس مرید کو تلقین کیا کرتا۔اسی خلوت کی وجہ سے وہ مرید باطل پرست لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا۔اور کود بھی باطل کلام اور لغو گفتگو سے محفوظ رہتا۔خوراک کی قلت کے باعث خون کے بخارات کم ہوجاتے۔اوراس کی طبیعت شہوانی خواہشات سے یکسر ہٹ جاتی۔جس کے نتیجے میں بالآخر اس مرید کی مکمل توجہ اللہ تعالیٰ اوراس کے محبوب رسول ﷺ کی طرف مبذول ہوجاتی۔جب مرید اس حد تک پاک وصاف ہوجاتا۔تو اس کا وجود سِر کو برداشت کرنے کا اہل ہوجاتا۔پھر ایک طویل عرصے تک یہی طریقہ کار جاری رہا۔یہاں تک کہ حق وباطل، نور وظلمت کے مابین کسی قسم کا کوئی امتیاز نہ رہا۔بعض لوگوں نے تو مشیخیت کا لبادہ اوڑھ کر

لوگوں کوخلوت میں لے جا کرتعویذات وعملیات اوراسی نوعیت کی چلہ کشی کرنے کی تلقین شروع کردی ۔جس کے نتیجے میں انسان کوظاہری طور پر کچھ کرتب دکھانے کی صلاحیت حاصل ہوجاتی تھی ۔اورشیخ زروق ؒ کے زمانے میں یہی رواج اورچلن عام تھا۔اسی لئے توانُہوں نے لوگوں کو یہ مشورہ دیا۔کہا گرتم تربیت کے حصول کے لئے کسی شیخ کے پاس جاؤ گے ۔اوراگروہ شیخ دھوکہ باز ،فریبی اور بازی گرہوا۔توتمھارا اپنا (روحانی اور مالی وجانی) نقصان ہوگا۔اس سے بہتر یہ ہے ۔کہ تم کتاب وسنت کے راستے کواختیارکرو۔کیونکہ اس راستے میں دھوکہ بازی ،فریب کاری اور بازی گری کا کسی بھی قسم کا کوئی اندیشہ یا شائبہ نہیں ہے ۔کیونکہ ان کے ذریعے ہدایت حاصل کرنے والا شخص گمراہی اور گناہوں سے پاک ومبراء رہتا ہے ۔اسی لئے شیخ زروق ؒ یا ان جیسے دیگر مشائخ عظام کا کلام حزم واحتیاط شمار ہوگا۔(یادرہے ۔کہ!) اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہوگا۔کہ! روحانی تربیت مکمل طور پر دنیا میں ناپید ہوچکی ہے ۔اور یہ ممکن ہوبھی نہیں سکتا۔کیونکہ نبی مکرم ﷺ کے روحانی فیوضات وبرکات قیامت تک اہلِ ایمان کے شامل حال رہیں گے ۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

اَب رہا آپ کا یہ سوال کہ! آپ کو واضح طور پر بتایا جائے ۔کہ! وہ کون سی سلطنت یا کون سے شہر میں قیام پذیر ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے ۔کہ! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مختلف مما لک میں ایسے بہت سے افراد (مذکورہ خصائل کے حامل) موجود ہیں ۔مگر اہل سنت والجماعت سے (وہ ہستیاں) باہر نہیں ہیں ۔اگر آپ انہیں تلاش کریں ۔تو ضرور پالیں گے ۔

شیخ و پیر و مرشد اور مربی کے اوصافِ عالیہ :

حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی ؒ فرماتے ہیں ۔کہ! پیر درحقیقت وہ ہے ۔کہ جسے مرید کے باطن پر تصرف حاصل ہو۔ اور وہ ہرلحظہ و ہرگھڑی مرید کے ظاہری و باطنی معاملات و مشکلات کومعلوم کر کے حل کر سکے ۔اور اُس کے آئینہ باطن کو پاک ومصفّٰی کر سکے ۔اگر یہ کام کر سکنے کی اُس کے اندر صلاحیت وقابلیت موجود نہیں ۔تو وہ پیرِ طریقت کہلانے کا قطعاً حقدار نہیں ۔

☆ (بقول حضرت باہو ؒ) پیروہ ہے ۔کہ جومرید کوارادت میں داخل کرتے ہی بزمِ نبوی ﷺ تک پہنچا سکے ۔اورمرید کرتے ہی اُسے مقام خوف ورِجاء سے بآسانی گزار سکے ۔بعدازاں طالب حق کوعلم معرفت الٰہی ،رموزحقیقتِ اشیاء اورلوح محفوظ کی سیر کرادے ۔بلکہ حضرت سلطان صاحب کا تو یہاں تک کہنا ہے ۔کہ وہ پیرومرشد نہیں ۔جواپنے مرید کو برسہا برس تک ریاضت وعبادات کی چکی میں پیستا رہے ۔تب بھی وہ درجاتِ ولایت کوعبور نہ کر سکے ۔مرشد کامل اپنے مرید یعنی طالبِ صادق کو نہ ذکرواذکار میں ڈالتا ہے ۔اورنہ ہی لمبے چوڑے وردوظیفے بتاتا سکھاتا ہے ۔اورنہ ہی مراقبات ومحاسبات میں ڈال کراُس کا قیمتی وقت ضائع کرتا ہے ۔بلکہ تصورِاسمِ ذات ’’اللہ‘‘ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچا کررب العالمین کی نظر میں قبول ومنظور کروادیتا ہے ۔اور اِسی تصوراسمِ ذات ’’اللہ‘‘ ہی کی توجہ سے اُس کے باطن کومعمور،منوراورمزین کرادیتا ہے ۔یادرہے ۔کہ اسم اللہ ذات کی تاثیر سے طالب روشن ضمیر کوعلم غیب الغیب اور ہدایتِ لاریب بطریق نعم البدل ازراہ فیض وفضل لامتناہی حاصل ہوتا رہتا ہے ۔یہ مرحلہ توابتدائی فقر کی اصل ہے ۔

☆ **کامل (پیرومرشد، ھادی و رھبر)** :ایسا شیخ طریقت کہ جس کواصطلاحِ صوفیہ میں کامل اُس شخص (اُستاد یا پیرومرشد یا ھادی ورہبر) ہیں ۔جواپنی ذات تک تو کامل ہوتا ہے ۔لیکن کسی دوسرے کو باطنی فیض نہیں پہنچا سکتا۔ ☆ **اکمل (پیرومرشد، ھادی و رھبر)** :ایسا شیخ طریقت کہ جوخود بھی صاحبِ کمال ہو۔اوراپنے علاوہ دوسروں کے لئے بھی متنفع ہو۔یہ درجہ اورایسا شخص متذکرۂ الصدر یعنی کامل سے بدرجہا بہتر وبزرگ تر ہوتا ہے ۔ ☆ **مکمل (پیرومرشد، ھادی و رھبر)** :ایسا شیخ طریقت کہ جوخود اِتنا صاحبِ کمال ہو۔کہ وہ مشیتِ ایزدی اورتقدیرِالٰہی کے موافق دیگرلوگوں کوبھی پلک جھپکنے میں کامل بنادے ۔بلکہ جوکشف وکرامات اورعلم لدنی اپنے پاس رکھتا ہے ۔وہ مرید کوبھی اُسی لمحے عطا کردے ۔ایسا شخص کامل واکمل سے کئی سوگنا اکمل ومعظم ہوتا ہے ۔اِس کی دومشہور امثال سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؓ اورحضرت باقی باللہ ؒ ہیں ۔

مرید پر لاگو باتیں :(ارادت کی پر تاثیر غذائیں) :

سیدنا شیخ ابوطالب مکیؒ نے فرمایا کہ! مرید (جوکہ راہ طریقت کا مسافر ہے) کے لئے سات باتوں کا پایا جانا بہت ضروری ہے ۔

۱۔ ارادے میں سچائی کا ہونا۔اس کی علامت یہ ہے کہ آخرت کے لئے زادراہ کا تیارکرنا۔ ۲۔ طاعت کے اسباب اختیارکرنا۔اس کی علامت یہ ہے کہ برے دوستوں کوچھوڑدینا۔ ۳۔ حال نفس کی معرفت رکھنا۔اس کی علامت یہ ہے کہ آفات نفس سے آگاہ ہونا۔ ۴۔ عالم ربانی کی مجلس میں بیٹھنا۔اس کی علامت یہ ہے کہ عالم ربانی کودوسروں پرترجیح دینا۔ ۵۔ توبہ نصوح کا ہونا تاکہ اس کے سبب حلاوت طاعت پائے اور ہمیشہ ثابت قدم رہے ۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خواہش نفس کے اسباب کا خاتمہ اورنفس کواس کی مرغوب اشیاء سے دوررکھنا۔ ۶۔ ایسی حلال اشیاء کھانا جومزموم نہ ہوں ۔اس کی علامت یہ ہے ۔کہ رزق حلال تلاش کرنا اوراس میں شرعی حکم سے موافقت رکھنے والے کسی مباح سبب کی بناء پرعلم کوپیش نظررکھنا۔ ۷۔ نیک کام میں مددکرنے والے کسی اچھے رفیق کا ہونا۔ اچھے رفیق کی علامت یہ ہے کہ اس کا نیکی اورتقوی کے کاموں میں تعاون کرنا اورگناہ وسرکشی سے منع کرنا۔ (یادرہے ۔کہ!) یہی سات عادتیں اورخصلتیں ارادت کی غذائیں ہیں ۔جن کے بغیرارادت قائم نہیں ہوسکتی۔اورانہیں سات باتوں پرعمل کرنے سے چارچیزوں میں مدداورتقویت کا حصول ممکن ہے ۔خاموشی ،کم خوردن ،کم گفتن اورکم خوابیدن ۔اوریہی چارعادات ایک مسلم کی زیب وزینت ہیں ۔ (بمطابق قرآن) **و من احسن قولا ممن دعا الی اللہ و عمل صالحا و قال اننی من المسلمین** ۔ اور اس بات سے اچھی (بھلا) کس کی بات ہوسکتی ہے ۔جواللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے ۔اورنیک عمل کرے ۔اور

کہے۔(کہ) مَیں تو مسلمان ہوں۔(بمطابق قرآن) **وامرت ان اکون من المسلمین۔** اور مجھے حکم دیا گیا۔(کہ) مَیں مسلم بن کر رہوں۔ (بمطابق قرآن) **فقو لو ا اشھد و با نا مسلمون۔** تو صاف کہہ دو۔کہ تم گواہ رہو۔کہ ہم تو مسلمان ہیں۔

☆ **شَیخِ طریقت (پیرومرشد، ھادی و رھبر :** شَیخِ طریقت کہ! جس کو احکاماتِ شریعت پر مکمل کاربند رہنے، اخلاص، توکل، رضا الٰہی، عبادت وریاضت کے باعث خلافت واجازت حاصل ہو۔اور اُس کو اپنے شَیخِ طریقت سے ربط وتسلسل ہوتا ہوا آنحضور ﷺ تک سلسلہ طریقت پہنچتا ہو۔

حضرت سلطان باہوؒ اپنی مشہور کتاب ''**نور الھدیٰ**'' میں فرماتے ہیں۔کہ! فقر کا تمام راستہ ریاضت ومجاہدے سے حاصل نہیں ہوتا۔بلکہ آنحضرت نبی مکرم ﷺ کی نگاہِ حق اور عنایت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔مرشد کامل اپنی خاص توجہ سے طالب صادق کو حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا دیتا ہے۔اور ہر ہر منصب اور مرتبہ آنحضور ﷺ سے سفارش کر کے دِلوا دیتا ہے۔واضح ہو کہ توجہ کی دو اقسام یہ ہیں۔☆ اول توجہ وہ ہے۔کہ مرشد اپنے مرید وطالب کو ایک ہی توجہ، ایک ہی تصور، ایک ہی تفکر، ایک ہی دَم سے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف عطا کرا دیتا ہے۔یعنی جسّہ اربعہ عناصر صفات سے ایک دم باہر آکر غرق فنا فی اللہ ذات ہو جائے۔ ☆ دوم وہ توجہ کہ طالب (اپنے مرشد کی) ایک ہی توجہ، ایک ہی تصور، ایک ہی تفکر، ایک ہی دَم سے مجلس خصوصی یعنی بزم نبوی ﷺ میں پہنچ کر جملہ انبیاءؑ، اہل، بیتِ رسول ﷺ، صحابہ کرامؓ، اولیاء، اصفیاء، اور جملہ اصحابِ کبار وپنج تن پاک، آئمہ مجتھدینؒ، حضرت شَیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کے دیدار پرانوار اور ملاقات متبرکات سے مشرف ہو کر اِن سب پاک ہستیوں کے منظورِ نظر ہو کر ملازمِ درگاہ ہو جائے۔اور اُن سے جملہ مہمات دینی و دنیاوی واُخروی اور معرفت توحید ورسالت، جمیعت وحقیقت کے ظاہری وباطنی خزائن کی کلیدات حاصل کر کے جملہ مخلوقات کو قید ومسخر اور تصرف میں آسانی لاسکتا ہے۔ایسا عارف کامل ایک ہی توجہ، ایک ہی تصور، ایک ہی تفکر، ایک ہی دَم میں اپنا دَم ملا کر حضرت جبرائیلِ امینؑ کے ساتھ ملا لیتا ہے۔

☆ **بیعت کی حقیقت :** حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔اور اپنے نفس کی حرکتوں اور اعمال کی بُرائیوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔اور جس پر وہ اپنی توفیق ارزانی نہ کرے۔تو اُسے کوئی راہ پر نہیں چلا سکتا۔ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں۔وہ اکیلا ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔اور ہم شہادت دیتے ہیں۔کہ ہمارے آقا حضرت سید الانبیاء والمرسلین ﷺ اس کے عبدِ خاص اور (آخری) رسول ﷺ ہیں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ نذیر وبشیر بنا کر (تمام جہانوں کیلئے) مبعوث فرمایا۔آپ ﷺ پر آپ ﷺ کے آل واصحاب، ذریات و ازواجِ مطہرات اور تمام اُمت پر اللہ تعالیٰ کی لاتعداد و بے شُمار رحمتیں وبرکتیں اور اربوں درود وسلام ہوں۔آمین۔

بیعت کے لئے منقول کلماتِ مبارکہ یعنی خطبہء مسنونہ :

بسم اللہ الرحمن الرحیم o الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ فلا ھادی لہ☆ واشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ☆ و صلی اللہ علیہ وعلٰی الہ و صحبہ و بارک وسلم☆

اس کے بعد مرید کو ایمان کی اجمالاً تلقین کرے اور کہے کہ! میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا (مُرادِ خُداوندی کے مطابق) اور میں ایمان لایا سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اور تمام انبیاءؑ پر، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے پاس آیا۔آپ ﷺ کی تشریح اور مُراد کے مُطابق، اور میں دین اسلام کے سوا تمام ادیان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔اور اسی طرح میں ہر قسم کے صغیرہ وکبیرہ گُناہوں اور نافرمانیوں سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ کرتا ہوں۔اور میں اسلام کی تجدید کرتا ہوں۔اور کہتا ہوں! **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔** اس کے بعد مُرید سے کہے! کہ، میں نے بیعت کی آنحضرت محمد ﷺ سے، آپ ﷺ کے خُلفاءؓ کے واسطے سے، ان پانچ باتوں پر! ۱۔ **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ** ۲۔ نماز کے قائم کرنے پر۔ ۳۔زکٰوۃ کے دینے پر ۴۔رمضان کے روزوں پر ۵۔استطاعت کی صورت میں فریضہ حج کے ادا کرنے پر۔ پھر مُرید کو کہا جائے کہ وہ یہ کہے کہ! میں نے بیعت کی آنحضرت محمد ﷺ سے، آپ ﷺ کے خُلفاءؓ کے واسطے سے، اور بیعت کی میں نے ان باتوں پر کہ میں کبھی بھی دانستہ یا غیر دانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو قطعاً شریک نہیں کروں گا، نہ کبھی میں چوری کروں گا، نہ کبھی میں جھوٹ بولوں گا، نہ کبھی میں بدکاری کروں گا، نہ کبھی میں کسی کو قتل کروں گا، نہ کبھی میں اپنی طرف سے کسی پر بُہتان لگاؤں گا اور کسی بھی امر میں آنحضور سید المرسلین ﷺ کی نافرمانی کروں گا۔اس کے بعد قُرآنِ مجید کی یہ دو آیتیں پڑھے۔ **یا یھاا لذین آمنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الو سیلۃ و جاھدو فی سبیلہ لعلکم تُفلحون** ☆ (سورہ المائدہ، آیت نمبر۔۳۵) **ان الذین یبا یعونک انما یبایعون اللہ یداللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علٰی نفسہ امن اوفٰی بما عھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرًا عظیمًا** ☆ (سورہ الفتح، آیت نمبر ۱۰) اس کے بعد مُرشد اپنے لئے، مُریدین کے لئے اور حاضرین مجلس کے لئے اجتماعی دُعا کر کے یہ کہے۔ **بارک اللہ لنا ولکمو نفعنا و ایاکم** ☆اس کے بعد اس تلقین میں کوئی حرج نہیں ہے۔کہ مُرید کس سلسلہ طریقت کو اختیار کرتا ہے۔مشہور ومعروف سلاسل طریقت یہ ہیں۔ **قادریہ، چِشتیہ، نقشبندیہ، سُھروردیہ، قلندریہ، اُویسیہ، شا ذلیہ** وغیرہ۔

دوبارہ بیعت کرنا : آنحضرت ﷺ سے دو مرتبہ بیعت لینا ثابت ہے۔مشائخ سے بھی دوسری مرتبہ بیعت لینا منقول ومرفوع ہے۔اگر

دوسرے مرشد سے بیعت پہلے پیر میں کسی خلل یا غیر متشرع بات کے ظہور کی وجہ سے ہے۔ تو دوسری بیعت میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مرشد کے وصال یا کسی طرح غائب ہوجانے کی صورت میں بھی دوسری (تجدید) بیعت میں کوئی حرج نہیں جس میں اس کی واپسی کی امید باقی نہ رہی ہو البتہ بلاوجہ دوسرے شیخ سے بیعت کرنا اسے ایک کھیل سمجھنا تصور ہوگا۔ اس طرح نہ تو خیر و برکت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی مشائخ دلی طور پر توجہ کرکے منازل سلوک طے کرواتے ہیں۔

سوال : بیعت واجب ہے یا سُنت؟ بیعت کے سُنت ہونے میں کیا حکمت ہے؟ بیعت لینے والے کی اہلیت وشرائط کیا ہیں؟ ایفائے بیعت کیا ہے؟ بیعت توڑنے سے کیا مُراد ہے؟ نیز ایک ہی بزرگ یا کئی بزرگوں سے دوبارہ بیعت جائز ہے یا نہیں؟ بیعت کے لئے کون سے الفاظ منقول ومتداول ہیں؟

جواب : بیعت سُنت ہے واجب نہیں، صحابہ کرامؓ نے آنحضور ﷺ سے بیعت کے ذریعے یقیناً قُربِ خداوندی حاصل کیا۔ مگر یاد رہے کہ کسی شرعی دلیل سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی تارک بیعت کو گناہ گار قرار دیا گیا ہو اس پر آئمہ دین میں سے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ گویا بیعت کے واجب نہ ہونے پر اجماع ہے۔ اور اسی طرح بیعت کے سُنت ہونے میں یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ اس نے نفس پر مخفی امور کو ظاہری افعال واقوال سے وابستہ کردیا اور ایک اعتبار سے زبان کو دل اور ضمیر کا ترجمان قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح مُرشد کی اہلیت وشرائط میں سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ قُرآن وحدیث کا علم بھی رکھتا ہو اور متبع شریعت بھی ہو۔ اس سے ہماری مُراد یہ نہیں کہ وہ ان علوم میں چوٹی کی مہارت رکھتا ہو۔ یعنی اس سے ہماری یہ مُراد ہے کہ وہ قُرآنِ مجید کے مطالب ومعانی، اسکی لُغاتِ مشکلہ، شانِ نزول، اعراب اور قصص وغیرہ سے (کچھ نہ کچھ حد تک) باخبر ہو اسی طرح احادیث میں وہ کم از کم مشکوٰۃ المصابیح کو اچھی طرح پڑھ کر سمجھ چُکا ہو۔ اسی طرح مرشد کے لئے دوسری شرط یہ ہے۔ کہ وہ عدل وانصاف اور تقوی کے بلند مرتبے پر فائز ہو۔ مُرشد کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دنیا کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دیتا ہو اور اس کی طرف راغب ہو مؤکدہ عبادات مکمل پابندی سے ادا کرتا ہو اور صحیح احادیث میں وارد شدہ ذکر واذکار پر عامل ہو اور ہمیشہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے لولگائے رکھے اور اسے یادداشت کی مشق کامل حاصل ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ خود بھی اور اپنے مریدین ومعتقدین کو نیکی کا دائماً حکم دیتا رہے اور بُرائیوں سے روکتا رہے۔ مرشد کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ طویل عرصہ تک مسلسل مشائخ کی صحبت اور تربیت سے فیض حاصل کر چُکا ہو اور اس نے دورانِ تربیت مشائخ سے باطنی نور اور قلبی سکون کی دولت حاصل کی ہو یہ اس لئے کہ انسان سنت الٰہی کے مطابق اس وقت تک فلاح حاصل نہیں کرسکتا جب تک اس کا تعلق اور واسطہ فلاح یافتہ افراد سے نہ پڑے۔ بیعت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ و عاقل ہو اور اس معاملے میں شوق اور دلچسپی بھی رکھتا ہو حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ آنحضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں بیعت کے لئے ایک بچہ پیش کیا گیا آپ ﷺ نے اس کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا، دُعا دی مگر اس سے بیعت نہ لی۔

☆ مشائخ کے ہاں بیعت کا جو سلسلہ جاری ہے۔ اسکی عموماً تین صورتیں ہیں مثلاً تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے توبہ پر بیعت، اسناد حدیث کے سلسلے میں شامل ہونے اور برکت حاصل کرنے کی نیت سے بیعت اور احکام الٰہیہ پر صدق دل اور مصمم ارادے کے ساتھ عمل پیرا ہونے اور دل کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنے کے عزم پر بیعت۔ اور یہی تیسرا طریقہ اصل ومقصود ہے۔ کیونکہ پہلی دونوں صورتوں میں بیعت کی تکمیل اور اسے پورا کرنے یا اس کے ساتھ وفاداری نبھانے سے مُراد یہ ہے۔ کہ مرید کبیرہ گناہوں سے بچے۔ اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے۔ فرائض، سنن اور مستحبات کی لازماً پابندی کرے۔ بیعت توڑنے یا اس عہد سے باہر نکل جانے سے مراد یہ ہے۔ کہ مریدان تمام باتوں سے روگردانی کرے۔ تیسری صورت میں بیعت کے عہد کو نبھانے اور اسے پورا کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ مرید عبادت، ریاضت ومجاہدے میں اتنی محنت شاقہ کرے۔ کہ بالآخر وہ ایمان، اطمینان، ایقان اور یقین کے نور سے اس قدر منور ہوجائے۔ یہاں تک کہ یہ جملہ چیزیں بطور عادت وفطرت اس سے صادر ہونے لگیں۔ اس حالت میں بعض دفعہ سالک کو ایسی چیزوں کی اجازت دی جاتی ہے۔ جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ کہ اِن میں بعض جسمانی فائدہ بخش چیزیں یا ایسی چیزیں جن کی ضرورت پڑتی ہے۔ شامل ہیں مثلاً علوم دینی کی تدریس وتعلیم، یا عہدہ قضاء کے فرائض کی ادائیگی۔ اور اس بیعت وعہد کو توڑنا یہ ہے۔ کہ مرید مذکورہ امور سے عمداً غافل ہوجائے۔

دو جوامع الکلم احادیثِ نبوی ﷺ :

حدیثِ اول : حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔ کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ **1**۔ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور یقیناً حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں۔ **2**۔ نماز کا قائم کرنا۔ **3**۔ زکوۃ کا ادا کرنا۔ **4**۔ حج کرنا (اگر چہ استطاعت ہو) **5**۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیحین)

حدیثِ دوئم : فرمانِ حضرت نبی مکرم ﷺ! میرے پاس (فرشتہ وحی) حضرت جبرائیلؑ تشریف لائے۔ اور کہا۔ اے محمد ﷺ! اسلام کے دس حصے ہیں۔ اور خائب وخاسر ہو وہ شخص، جس کے پاس (ان دس حصص میں سے) کوئی حصہ نہیں۔ **پہلا (حصہ):** لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے۔ **دوسرا (حصہ):** نماز ہے۔ اور وہ پاکیزگی ہے۔ **تیسرا (حصہ):** زکوٰۃ ہے۔ اور وہ فطرت ہے۔ **چوتھا (حصہ):** روزہ ہے۔ اور وہ جہنم سے ڈھال ہے۔ **پانچواں (حصہ):** حج ہے۔ اور وہ شریعت ہے۔ **چھٹا (حصہ):** جہاد ہے۔ اور وہ غزوہ ہے۔ **ساتواں (حصہ):** امر بالمعروف ہے۔ اور وہ وفاداری ہے۔ **آٹھواں (حصہ):** نہی عن المنکر ہے۔ اور وہ بخت ہے۔ **نواں (حصہ):** جماعت ہے۔ اور وہ اُلفت ہے۔ **دسواں (حصہ):** اطاعت ہے۔ اور وہ حفاظت ہے۔

رسالہء الھامیہ ۔ (فرامینِ ربِ متعال در زبانِ شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ نے اپنی باطنی معراج کے دوران اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہونے والی گفتگو اور سوال و جواب کو بہت پیارے اور منفرد انداز میں بیان فرمایا ہے۔ جو واقعتاً اپنے اندر بے شمار اسرار و رموز سموئے ہوئے ہیں۔ یہ تمام باتیں دراصل حضور غوثِ پاکؒ کی کتاب ''**الرسالۃ**'' سے لئے گئے ہیں۔ جو کہ آنحضورؒ کی الہامی، القائی اور آفاقی تصنیف ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! کوئی شخص گناہ کی وجہ سے مجھ سے دُور نہیں ہوتا۔ اور نہ کوئی شخص طاعت کی وجہ سے مجھ سے قریب ہوتا ہے۔ (معنی ظاہر ہیں) ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! غیر اللہ سے متوحش (خوفزدہ) ہو۔ (جبکہ) اللہ تعالیٰ سے محبت (کیفیتِ اُنسیت) رکھو۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! جو طور طریق ناسوت (یعنی عالمِ اجسام) وملکوت (یعنی عالم ارواح) کے مابین ہے۔ وہ **شریعت** ہیں۔ اور جو طور طریق ملکوت (عالم ارواح) وجبروت (مرتبہء صفات) کے مابین ہیں۔ وہ **طریقت** ہیں۔ اور جو طور طریق جبروت (مرتبہء صفات) ولاہوت (مرتبہء فناء فی اللہ) کے مابین ہیں۔ وہ **حقیقت** ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! مَیں کسی شئے میں ایسا ظاہر نہیں ہوا۔ جیسا انسان میں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! تیرے لئے طوبیٰ (بہت زیادہ خوشی) ہے۔ اگر تُو میری مخلوق پر شفقت کرے۔ اور پھر تیرے لئے طوبیٰ ہے۔ اگر تُو میری مخلوق کو معاف کرے۔ اس کے معنی ظاہر ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! مَیں نے نفس کے اندر زاہدوں کے لئے راستہ بنایا۔ اور دل کے اندر عارفوں کے لئے راہ بنائی۔ اور روح کے اندر واقفین کے لئے راستہ بنایا۔ اور مَیں نے اپنے آپ کو بھیدوں کا مقام بنایا۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! مَیں مکانوں کا پیدا کرنے والا ہوں۔ اور انسانوں (آدمؑ کی اولاد) کے سوا میرا مکان نہیں ہے۔ آدمی میرا پوشیدہ اور چھپا ہوا بھید ہے۔ اور اسی طرح سے میں انسان کا چھپا ہوا بھید ہوں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! انسان میرا بھید ہے۔ اور میں انسان کا بھید ہوں۔ اگر انسان جان لے۔ کہ! اس کا مرتبہ میرے نزدیک کیا ہے۔ تو (انسان اپنی) ہر ہر سانس میں کہے۔ کہ! آج کے دن ساری بادشاہت میرے سوا کسی اور کو سزاوار نہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! فقیر کا کھانا میرا کھانا ہے۔ اور فقیر کا پینا میرا پینا ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! مَیں نے ملائکہ (فرشتوں) کی تخلیق انسانی نور سے کی۔ اور انسان کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! میں نے انسان کو اپنی سواری اور سارے اکوان کو انسان کی سواری بنایا۔ (یعنی کہ! میں نے انسان کو اپنی خوشی کے لئے پیدا کیا۔ اور جملہ مخلوقات کو اس کی خوشی کے لئے پیدا کیا) ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! اچھا طالب میں ہوں۔ اور اچھا مطلوب انسان ہے۔ اچھا سوار میں ہوں۔ اور اچھی سواری انسان ہے۔ اچھا سوار انسان ہے۔ جس کی اچھی سواری سارا اکوان ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! انسان کوئی چیز نہیں کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، نہ کھڑا ہوتا ہے، نہ بیٹھتا ہے، نہ بولتا ہے، نہ سنتا ہے، نہ کوئی کام کرتا ہے، نہ کسی شئے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے بے رُخ ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ! اس میں مَیں ہوتا ہوں۔ مَیں ہی اس کو ساکن رکھتا ہوں۔ اور میں ہی اس کو حرکت میں لاتا ہوں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! انسان کا جسم، اس کا نفس، اس کی روح، اس کا قلب، اس کے کان اور آنکھ، اس کی زبان اور اس کے ہاتھ پاؤں (نیز اس کی) ہر ایک چیز کو مَیں نے اپنی ذات سے اپنے ہی لئے ظاہر کیا۔ وہ نہیں ہے مگر مَیں ہوں۔ اور مَیں اس سے غیر نہیں ہوں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! جب تم کسی فقیر کو اس حال میں دیکھو۔ کہ وہ فقر وفاقہ کی آگ میں جل گیا ہے۔ اور فاقہ کے اثر سے شکستہ حال ہو گیا ہے۔ تو اس کا تقرب ڈھونڈیں۔ کیونکہ! میرے اور اُس کے مابین کوئی پردہ (حجاب) حائل نہیں ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! میرے نزدیک فقیر وہ نہیں۔ جس کے پاس کچھ نہیں۔ بلکہ فقیر وہ ہے۔ جس کا ہر شئے پر اَمر نافذ ہو۔ اور جب وہ کسی شئے کے لئے کہے ''ہو جا'' تو وہ ہو جائے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! اپنے دوستوں سے کہہ دیں۔ کہ تم میں سے جو کوئی میری داری (ہم نوائی) چاہے۔ تو فقر اختیار کرے۔ جب ان کا فقر پورا ہو جائے۔ تو وہ نہیں رہتے بجز میرے۔ اس کے معنی ظاہر ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! اپنے دوستوں سے کہیں۔ کہ فقراء کی ادعیہ کو غنیمت جانیں۔ کیونکہ! وہ میرے نزدیک ہیں۔ اس کے معنی ظاہر ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! مَیں نے فقر وفاقہ دو سواریاں انسان کے لئے بنائی ہیں۔ جس نے ان پر سواری کی۔ منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ قبل اس کے کہ وہ منزلوں اور جنگلوں کو طے کرے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! کھانا نہ کھاؤ، نہ پیو، اور نہ نیند میں آرام کرو۔ مگر یہ کہ میرے ہی پاس (کھاؤ، پیو اور سوؤ) اپنے حضورِ قلب اور چشمِ بینا سے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! جو باطن میں میری طرف سفر سے محروم رہا۔ مَیں اس کو ظاہری سفر میں مبتلا کرتا ہوں۔ اور اس کو میری طرف سے کچھ نہیں دیا جاتا۔ بجز اس کے (کہ) سفرِ ظاہری کے ذریعے دوری (جدائی ومفارقت) دی جائے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! یگانگت کی کیفیت ایسی ہے۔ کہ زبانی باتوں سے بیان نہیں کی جاسکتی۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! جو کوئی ازلی سعادت ونیکی سے نیک مسعود بن گیا۔ تو اس کے لئے طوبیٰ (بہت زیادہ خوشی) کا مقام ہے۔ اس کے بعد وہ سبک نہیں ہوتا۔ اور جو ازلی بدبختی وشقاوت کی بناء پر بُرا شقی بن گیا۔ اس کے لئے ویل جیسا دوزخ کا ذلیل مقام ہے۔ اس کے بعد وہ کبھی مقبول نہیں ہوسکتا۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! اگر انسان کو معلوم ہو جائے۔ (کہ) موت کے بعد جو کچھ ہوتا ہے۔ تو ہرگز دنیاوی حیات کی تمنا نہ کرے۔ اور ربِ متعال سے ہر ہر لمحہ ولحظہ کہے۔ کہ! اے رب! مجھ کو مار ڈال۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! قیامت کے دن میرے نزدیک خلائق کی محبت بہرا، گونگا اور اندھا ہونا ہے۔ پھر حسرت اور گریہ۔ (کیونکہ) قبر میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ظاہر ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! محبّ اور محبوب کے مابین محبت ایک حجاب ہے۔ پس جب محبّ، محبت سے فنا ہو جاتا ہے۔ تو محبوب سے واصل ہو جاتا ہے۔ اس کے معنی ظاہر ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! جنت میں میرے ظہور کے بعد اُلفت ومحبت نہیں رہے گی۔ اسی طرح سے دوزخ میں اس کے رہنے والوں سے میرے خطاب کے بعد وحشت وجلن دور ہو گی۔ اس کے معنی ظاہر ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

کہہ! یوں کہو۔ میں حاضر ہوں۔ اے ربِّ غوث! مَیں حاضر ہوں۔ میں ہر کریم سے بڑھ کرا کرم ہوں (بہت زیادہ کرم کرنے والا) ہوں۔ اور ہر رحیم سے زیادہ ارحم (سب سے زیادہ رحم کرنے والا) ہوں۔ کریم و رحیم کے معنی ظاہر ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! جس نے مجھے دیکھا۔ وہ سوال کرنے سے بے نیاز ہو گیا۔ اور جو مجھے نہیں دیکھتا۔ سوال کرنے سے اُس کو فائدہ نہیں۔ وہ تو اپنے مقابل سے حجاب میں ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! تُو میرے پاس سو جا۔ (لیکن) عوام کی نیند کی طرح نہیں۔ تو تُو مجھے دیکھے گا۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! اہلِ جنت، جنت سے مشغول ہیں۔ اور اہلِ دوزخ مجھ سے مشغول ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! گناہ گاروں کو فضل اور مہربانی کی خوشخبری دو۔ اور مغروروں کو انصاف اور بدلہ کی۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! اپنے دوستوں سے کہہ دیں۔ کہ تم میں سے جو کوئی مجھ سے مل جانا چاہتا ہے۔ اُسے چاہیئے۔ کہہ! میرے سوا ہر چیز سے نکل جائے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! وہ نماز (مجھ سے قریب تر ہے۔ کہہ) جس میں سوائے میرے اور (کوئی بھی غیر) نہ ہو۔ اور نماز پڑھنے والا اس نماز سے غائب ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! وہ اعمال (میرے نزدیک بہتر ہیں۔ کہہ!) جن میں میرا غیر نہ ہو۔ اور میرے سوا دوزخ و جنت کچھ نہ ہو۔ اور اس عمل کا کرنے والا اس عمل سے غائب اور بے خبر ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ جس کے پاس میری معراج نہ ہوتی ہو۔ جو نماز سے محروم ہے۔ وہ میری معراج سے محروم ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! معراج وہ ہے۔ جس میں آنکھ نہ جھپکے۔ نہ غلط دیکھے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! اس بندہ کے لئے خوشی ہے۔ جس کا قلب مشاہدہ کی طرف جھک گیا۔ اور اس بندہ کے لئے ویل ہے اور افسوس (ہے۔ کہہ!) جس کا قلب شہوات کی طرف جھک گیا۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! جب تم مجھے دیکھنے کا ارادہ کرو۔ کہ کس محل یا مقام میں (مَیں ہوں۔ تو) تم ایسا دل اختیار کرو۔ جو دردمند ہو۔ اور میرے غیر سے فارغ ہو۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! علم کا علم اس علم سے ناواقف ہوجانا ہے۔ (**علم العلم ھو الجھل عن العلم**) ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! مجاہدہ ،مشاہدوں کے سمندروں میں سے ایک سمندر ہے۔ تمھیں چاہیئے۔ کہہ! مجاہدہ اختیار کرو۔ کیونکہ! مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ ناممکن ہے۔ مجاہدہ، مشاہدے کا تخم ہے۔ جو مجاہدہ سے محروم رہے۔ اس کو مشاہدہ کا راستہ نہیں ملتا۔ جو مجھ سے نہ کہ میرے غیر سے مجاہدہ اختیار کرے۔ اس کو میرا مشاہدہ یا دیدار ہوجاتا ہے۔ اس کو پسند کرے یا نہ پسند کرے۔ طالبین کے لئے مجاہدہ ضروری اور ناگزیر ہے۔ جس طرح کہ ان کے لئے میں ناگزیر اور ضروری ہوں۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! جب آپ نے ارادہ کیا۔ کہہ! میرے حرم میں داخل ہوجاؤ۔ تو کوئی توجہ نہ کرو۔ ملک (دُنیا اور دنیا میں موجود جملہ اشیاء) کی طرف، نہ ملکوت (عالمِ ارواح) کی طرف، اور نہ جبروت (مرتبہ صفات) کی طرف۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! جب تم نے توبہ کا ارادہ کرلیا۔ تو تم پر لازم ہوگیا۔ کہ نفس کے وسوسوں سے باہر نکل آؤ۔ یہاں تک کہ مجھ سے مل جاؤ۔ وگرنہ تو تم دل لگی کرنے والوں میں سے ہوجاؤ گے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! میرے ساتھ رہ۔ اور اپنے قلب کو میرے غیر سے محفوظ رکھ۔ (اللہ تعالیٰ کے مطابق عشق کے یہی معنی ہیں) ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! صاحبِ علم کے لئے میری طرف اس کے علم سے کوئی راستہ نہیں۔ مگر جب کہ وہ انکار کرے۔ (یعنی اس علم کو بھول جائے) کیونکہ! وہ جب علم کو اس کے پاس چھوڑتا ہے۔ تو وہ شیطان ہوجاتا ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! رونے والوں کی ہنسی (میرے نزدیک) ہر ہنسی سے بہتر ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! گناہ گار اپنے گناہوں کے باعث محجوب ہیں۔ اور اطاعت گذار اپنی اطاعت سے حجاب میں ہیں۔ اور میرا ایک اور گروہ ہے۔ جو ان سے اوپر ہے۔ جس کو نہ گناہ کا غم ہے۔ اور نہ (ہی) طاعت کی فکر۔ ☆ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہہ! جب تم نے ظاہری عشق کو جان لیا۔ تو تم پر لازم ہوگیا۔ کہ بجائے عشق کے مجھ میں فناء ہوجاؤ۔ کیونکہ! عشق (بھی) تو عاشق و معشوق کے مابین حجاب ہے۔

عاشق یا معشوق بننے میں کیا بھتر ھے ؟ (واقعہ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ)

ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے حق تعالیٰ نے پوچھا۔ عاشق چاہتے ہو یا معشوق ؟ لیکن اُس وقت آپؒ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اسی پریشانی کے عالم میں آپ بوقتِ شب بغداد کی گلیوں میں گھوم رہے تھے۔ کہ ایک جانب سے آواز آئی۔ (کہ) بس ایک معمولی سے سوال کا جواب بھی نہیں دے سکتے ہیں۔ اور اِتنے بڑے بزرگ بنتے ہیں۔ (جب) آپؒ نے مڑ کر ملاحظہ کیا۔ تو ایک مفلوک الحال ضعیف و نحیف شخص ایک دکان پر بھاڑ جھونک رہا تھا۔ آپؒ نے مسرت میں ان کے پاس جا کر فرمایا۔ کہہ! آپؒ (ہی مجھے) اس سوال کا جواب عنایت فرمادیں۔ تو اُس بزرگ نے فرمایا۔ کل شام کو یہیں پر میرے پاس آنا۔ چنانچہ دوسرے دن جب حضور غوث پاکؒ وہاں تشریف لائے۔ تو وہ بزرگ موجود نہ تھے۔ آپؒ نے لوگوں سے دریافت فرمایا۔ کہ اس حلیے کے بزرگ یہاں مقیم تھے۔ وہ اَب کہاں ہیں؟ لوگوں نے بتایا۔ اچھا۔ وہ "کلّو" وہ تو بڑا بدمعاش نکلا۔ وہ تو سارق تھا۔ اور اس نے متعدد قتل بھی کئے تھے۔ آج صبح اُسے بادشاہ کے سپاہی پکڑ کر لے گئے۔ اور اس کو پھانسی دے کر فلاں گھورے پر اس کو پھینک دیا ہے۔ یہ سن کر حضور غوث پاکؒ کو حیرت ہوئی۔ لیکن چونکہ آپؒ کو یقین تھا۔ کہہ! وہ بزرگ تھے۔ آپؒ اس مقام پر گئے۔ جہاں اُن کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اور اُسے کتے اور گدھیں کھا رہی تھیں۔ جب آپؒ قریب پہنچے۔ تو وہ اُٹھ بیٹھے۔ اور آپؒ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ کہ آپؒ نے مقامِ عاشقی کا حشر دیکھ لیا۔ کہ دوست نے ساری حیاتی بھاڑ جھونکوائی۔ جب اس پر اکتفاء نہ کیا۔ تو چور، ڈاکو اور قاتل کہلوایا۔ اور جب اس پر بھی اکتفاء نہ کیا۔ تو پھانسی پر چڑھوایا۔ اور جب اس بات پر بھی اکتفاء نہ کیا۔ تو مروا کر مجھے کتے اور گدھوں کی خوراک بننے کے لئے پھینک دیا۔ (لہذا) خبردار! عاشقی نہ مانگنا۔ اور معشوقی بھی طلب نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ! یہ چھوٹا منہ اور بڑی بات کے برابر ہے۔ (اسی لئے) آپؒ حق تعالیٰ سے یہ عرض کریں۔ کہہ!

یارب متعال! میں طلب سے باز آیا۔ حضور جل جلالہٗ! آپ جو چاہیں عطا فرمائیں۔ (پھر) جب حضور پیرانِ پیرؒ نے حق تعالیٰ کی بارگاہِ مقدسہ میں تسلیم و رضا سے لبریز بعینہٖ یہی جواب پیش فرمایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو مرتبہ محبوبیت عطا ہوا۔ اور آپ محبوبِ سبحانی ہوگئے۔ (ماشاءاللہ)

سلسلہء قادریہ میں تصوف کی بنیاد آٹھ باتوں پر :

عظیم المرتبت سلسلہء عالیہ قادریہ کے مریدین ومعتقدین کے لئے آٹھ خصائل کا ہونا نہایت ضروری :

☆ السخاء حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ جیسی ہونی چاہیئے ۔ ☆ الرضاء حضرت اسحاقؑ (یا حضرت اسماعیلؑ) بن ابراہیمؑ جیسی ہونی چاہیئے ۔

☆ الصبر حضرت ایوبؑ جیسا ہونا چاہیئے ۔ ☆ الاشارۃ (مناجات) حضرت زکریاؑ جیسا ہونا چاہیئے ۔

☆ الغربۃ (تضرع) حضرت یحیٰؑ جیسی جیسا ہونا چاہیئے ۔ ☆ الصوف (خرقہ پوشی) حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ جیسا ہونا چاہیئے ۔

☆ السیاحۃ (سیاحت وتجرد) حضرت عیسیٰ روح اللہؑ جیسی ہونی چاہیئے ۔ ☆ الفقر حضرت سیدنا محمد رسول اللہؐ جیسا ہونا چاہیئے۔

مقامِ محبوبیت : جب افراد ترقی کرتا ہے ۔تو قطبِ وحدت ہوکر مرتبہ محبوبیت (یعنی مقامِ معشوقی) پر پہنچ جاتا ہے ۔دو افراد اس مقامِ معشوقی پر پہنچے ہیں ۔ایک پیرانِ پیر سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونیؒ ۔یہی دونوں حضرات ولایت کے آخری مقام تک پہنچ پائے ہیں ۔کیونکہ اِن کے ساتھ سلوک میں عمر اور کمال (دونوں) نے وفا کی ۔جس کی وجہ سے اِن دونوں حضرات نے جلدی جلدی ترقی حاصل کرتے ہوئے مقامِ معشوقی (مرتبہ محبوبیت) کو بفضلِ الٰہی حاصل کرلیا۔**ھذا من فضل ربی** ۔ اِن دونوں حضرات کا مشرب روحِ احمد ﷺ تھا ۔حضرت خضر نبیؑ فرمایا ۔کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء بدایونیؒ (دونوں حضرات ہی) مقامِ معشوقی (یعنی مقامِ محبوبیت) پر تھے ۔اِن کی مثل کوئی دوسرا نہیں ہوا ۔کتاب بحرالمعانی میں لکھا ہوا ہے ۔کہ ! حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ اور حضرت خواجہ ابوبکر شبلیؒ بھی مقامِ معشوقی تک پہنچے ہیں ۔ **واللہ اعلم بالصواب** ۔بہر حال ! ولایت میں باقی تمام حضرات اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم ،آنحضور ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰؓ کے تصدق وتوسل سے مقامِ فردانیت تک بمشکل پہنچ پائے ہیں ۔کیونکہ سلوک میں عمر اور کمال نے اِن کے ساتھ وفا نہ کی ۔اِسی لئے وہ جلد ہی) عالمِ بقاء کی طرف کوچ کر گئے ۔

تقوٰی ، صبر و شکر راضی بخدا   ایں چنیں تقوٰی بود باطن صفا

مقامِ محبوبیت : صاحبِ بحرالمعانی فرماتے ہیں ۔کہ !مَیں ایک دن دریائے نیل میں حضرت خضرؑ کے ہمراہ ایک کشتی میں بیٹھے محوِ گفتگو تھا۔(ہمارے مابین) محبوبانِ خدا کے متعلق باتیں ہورہی تھیں ۔(دورانِ گفتگو) حضرت خضرؑ نے فرمایا ۔کہ ! سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین محبوبِ الٰہی دہلویؒ ہر دو حضرات ''مقامِ محبوبیت'' پر فائز ہیں ۔اولیائے اُمت میں سے یہ رُتبہ دیگر اولیاء اللہ میں سے کسی اور کو اَب تک عطا نہیں ہوسکا۔

مرتا ہوں خامشی پر ، یہ آرزو ہے میری   دامن میں کسی کوہ کے ، اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

مکتوباتِ غوثیہ : (اَز زبانِ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

اے عزیز ! جب شہود کے کنارے پر بادل کے پھٹنے سے فیض چمکنے لگے ۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ **یھدی اللہ لنورہ من یشآء** ۔ ترجمہ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ۔اپنے نور کی ہدایت دیتا ہے) اور وصول کی ہوائیں مہربانی کے راستے سے چلنا شروع کریں ۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔**یختص برحمتہ من یشآء** ۔ ترجمہ (اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ۔اپنی رحمت سے خاص کرلیتا ہے) اور محبت کی خوشبوئیں قلوب کے باغات میں ظاہر ہوں ۔اور شوق کے بلبلے ارواح کے باغات میں ۔(جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) **یا اسفٰی علٰی یوسف** ۔ ترجمہ (اے افسوس ،یوسفؑ کے فراق پر) کے نغمات سے ہزار داستان ترنم میں آئے ۔اور اشتاق کی آگیں مخفی عالم میں شعلہ اُڑائیں ۔اور افکار کی پرواز زیادہ اُڑانے کی وجہ سے بے پَر ہوجائے ۔اور بڑی بڑی عقلیں سرفت کی وادی میں پاؤں گم کریں ۔اور بڑے بڑے افہام کی بنیادیں ہیبت کے ٹکرانے سے تزلزل میں آجائیں ۔اور مقاصد کی کشتیاں **ما قدر اللہ حق قدرہ** ۔ ترجمہ (اللہ تعالیٰ کی قدر کا اندازہ نہ کرسکے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔کہ **وھی تجری بھم فی موج کالجبال** ۔ ترجمہ (وہ اِن کے ساتھ موج میں پہاڑ چل رہی تھیں) کی ہواؤں کے ساتھ حیرت کی گہرائیں میں داخل ہوجائیں ۔اور **یحبو ھم و یحبو نہ** ۔ ترجمہ (وہ اِن سے محبت کرتے ہیں ۔اور اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں) کے عشق کے دریا کی موجیں ٹھاٹھوں میں آئیں گیں ۔ہر ایک زبانِ حال پر نذر کرے گا ۔ **رب انزلنی منزلا مبارک وانت خیر المنزلین** ۔ ترجمہ (اے میرے اللہ تعالیٰ سابقہ مہربانی مجھ کو مبارک مقام پر اُتار ۔(کیونکہ) تو بہتر اُتارنے والا ہے) **ان الذین سبقت لھم منا الحسنٰی** ۔ ترجمہ (یقیناً جس کے لئے ہماری طرف سے بہتری سبقت کرچکی ہے ۔پہنچ جائے گی) اور اِن کو **فی مقعد صدق** ۔ ترجمہ (راست اور عزت کی بیٹھک میں) کے دریا کے کنارے پر اُتار دے گا ۔ **الست بربکم** ۔ ترجمہ (کیا مَیں تمھارا رب نہیں ؟) کی شراب کے مستانوں کی مجلس میں پہنچائے گا ۔**للذین احسنوا الحسنٰی وزیادۃ** ۔ ترجمہ (جنہوں نے احسان کیا ۔اِن کے لئے بہتری اور زیادتی ہے) کی نعمتوں کے دسترخوان سامنے لائے گا۔ اور وصل کے پیالے **بایدی سفرۃ** ۔ ترجمہ (ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے)**و سقا ھم ربھم شرابا طھورا** ۔ ترجمہ (فرشتوں کے ہاتھوں سے اور اِن کو اِن کا ربِ پاک پاک شراب پلائے گا)**واذا رایت ثم رایت نعیما و ملکا کبیرا** ۔ ترجمہ (جب اس جگہ کو دیکھے گا ۔نعمتیں اور بہت بڑا ملک دیکھے گا) ہمیشگی کا ملک اور ہمیشگی کی دولت سامنے آئے گی ۔ہمیشگی کے ملک اور ہمیشگی کی دولت کا مشاہدہ ہوگا ۔

عشرہ خصائلِ غوثیہ (اَز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ)

☆ **پہلی خصلت** :انسان (بات کا باور کرانے کے لئے) اللہ تعالیٰ کی قسم نہ کھائے۔(چاہے بات) سچی ہو، یا جھوٹی ہو، جان بوجھ کر ہو یا بھول کر۔ ☆☆☆ **قسم نہ کھانے کا فائدہ**: جب انسان کو اس بات (یعنی قسم نہ کھانے) کی عادت ہو جائے۔تو وہ شخص یقیناً قسم کھانا چھوڑ دے گا۔چاہے بھول کر ہو یا جان بوجھ کر۔ اور اس عادت کے باعث اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنے انوارات وتجلیات کے ابواب کھول دے گا۔اور وہ شخص اس وقت دل سے اس کا نفع محسوس کرے گا۔ بلکہ وہ اپنے بدن میں قوت، درجات میں بلندی ورفعت اور بصارت میں تیزی پائے گا۔ دوست بھی ایسے شخص کی تعریف کریں گے۔اور وہ اپنے پڑوسیوں کے نزدیک معزز گردانا جائے گا۔ یہاں تک کہ! ہر پہچاننے والا اس کے حکم کی اطاعت کرے گا۔اور ہر دیکھنے والا اس کی ہیبت اور دبدبہ کو یقیناً محسوس کرے گا۔(انشاءاللہ تعالیٰ)

☆ **دوسری خصلت** : انسان جھوٹ بولنے سے اجتناب کرے۔مذاق میں ہو یا سنجیدگی سے۔☆☆☆ **جھوٹ نہ بولنے کا فائدہ**: جب انسان جھوٹ بولنے کی عادت کو چھوڑنے کا مصمم ارادہ کرلے گا۔اور اس کی زبان جھوٹ نہ بولنے کی عادی ہو جائے گی۔تو اللہ تعالیٰ اس کا سینہ کھول دے گا۔اور علم (نافع) میں صفائی عطا فرمائے گا۔اور پھر وہ شخص یوں ہو جائے گا۔کہ جیسے وہ جھوٹ بولنا جانتا ہی نہیں۔ بلکہ ایسا شخص جب کسی دوسرے شخص کی زبان سے جھوٹ سنے گا۔تو اسے عیب شمار کرتے ہوئے نفرین کرے گا۔اور اگر اسے (یعنی جھوٹ بولنے والے کو) جھوٹ چھوڑنے کی دعوت دے گا۔تو ثوابِ (دارین) حاصل کرے گا۔ (انشاءاللہ تعالیٰ)

☆ **تیسری خصلت** : کسی سے وعدہ کرنے کے بعد وعدہ خلافی نہ کرے۔یا پھر وعدہ کرنا ہی چھوڑ دے۔

☆☆☆ **وعدہ خلافی کرنے یا وعدہ ہی نہ کرنے کا فائدہ**: کیونکہ! یہ اس کے عمل کو مضبوط کرنے اور صراطِ مستقیم اختیار کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔کیونکہ وعدہ خلافی بھی ایک قسم کا جھوٹ ہی ہے۔اور جب وہ انسان وعدہ خلافی ہی نہیں کرے گا۔تو اس کے لئے سخاوت کا دروازہ اور حیاء کا زینہ کھل جائے گا۔ سچے لوگوں کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہمیشہ موجزن رہتی ہے۔بلکہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں تو اس (وعدہ وفا لوگوں) کی تعریف وتوصیف بلند ہوگی۔(انشاءاللہ تعالیٰ)

☆ **چوتھی خصلت** : کسی بھی مخلوق پر لعنت نہ بھیجنا۔اور ذرہ سے کم مخلوق کو بھی اذیت نہ دینا۔

☆☆☆ **لعنت نہ بھیجنے یا اذیت نہ دینے کا فائدہ**: چونکہ یہ بات نیک اور سچے لوگوں کی عادت ہے۔اور اسکے باعث وہ شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہتا ہے۔اور آخرت میں بلند درجات پر فائز ہوگا۔اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہلاکت سے بچائے گا۔مخلوقات سے محفوظ و مامون رکھے گا۔ نیز اسے بندوں کی شفقت اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔(انشاءاللہ تعالیٰ) ایک حدیث میں آیا ہے۔کہ! حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ اگر کوئی شخص یہ کہے۔کہ لوگ ہلاک ہوئے۔یعنی جہنم کی آگ کے مستوجب ہو گئے۔تو اس طرح کہنے والا سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔

☆ **پانچویں خصلت** : انسان کسی کے لئے بددعا نہ کرے۔چاہے اس پر کسی نے ظلم ہی کیوں نہ کیا ہو۔☆☆☆ **کسی پر بددعا نہ کرنے کا فائدہ**: کیونکہ! جب انسان کسی کے خلاف بددعا نہیں کرتا۔نہ اپنی زبان سے اسے برا بھلا کہتا ہے۔اور نہ ہی اپنے کسی قول وفعل یا عمل کے ذریعے بدلہ لیتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ (کی رضا وخوشنودی) کے لئے اس پر کئے جانے والے ظلم کو برداشت کرے۔اور اپنے قول وفعل کے ذریعے کسی قسم کی کوئی جوابی کاروائی بھی نہ کرے۔تو یہ عادت و خصلت انسان کے درجات کو بلند مقام عطا کرتی ہے۔(انشاءاللہ تعالیٰ) (یاد رہے۔کہ!) جب کوئی انسان یہ آداب اپنائے گا۔تو دنیا وآخرت میں عزت والا مقام حاصل کرے گا۔دور ونزدیک کی مخلوقات کے قلوب میں ایسے شخص کے لئے محبت ودوستی کے جذبات پیدا ہوں گے۔ایسا شخص مستجاب الدعوات ہوگا۔بھلائی میں بلند مقام حاصل کرے گا۔اور دنیا میں مومنوں (ایمان والے) کے دلوں میں اس کی عزت ہوگی۔(انشاءاللہ تعالیٰ)

☆ **چھٹی خصلت** : اہلِ قبلہ میں سے کسی کے خلاف شرک، کفر ومنافقت کی گواہی نہ دینا۔☆☆☆ **اہلِ قبلہ کے خلاف گواہی نہ دینے کا فائدہ**: چونکہ! یہ بات اللہ تعالیٰ کی رحمت کو قریب کرتی ہے۔اور درجات کو بھی بلند کرتی ہے۔یہ بات سنت کی تکمیل اور علمِ الٰہی میں دخیل ہونے سے دور رکھتی ہے۔نیز اللہ تعالیٰ کے غیض وغضب سے بھی بچاتی ہے۔کیونکہ اس (عادت کو اختیار کرنے) سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کا قرب حاصل ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے قرب حاصل کرنے کا یہ نہایت ہی معزز باب ہے (دروازہ) ہے۔اور اس (خصلت) سے بندے کے دل میں تمام مخلوقت پر شفقت ورحم کرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

☆ **ساتویں خصلت** : ظاہری وباطنی گناہوں پر دائمی نظر رکھنے اور اِن کے کرنے کے ارادے سے اجتناب کرنا۔

☆☆☆ **ظاہری وباطنی گناہوں پر دائمی نظر رکھنے اور اِن کے کرنے کے ارادے سے اجتناب کرنے کا فائدہ**: چونکہ! جب کوئی اپنے ظاہری وباطنی گناہوں پر دائمًا نظر رکھتا ہے۔اور اِن کے سرانجام دینے سے باز رہتا ہے۔ بلکہ اپنے اعضاء (ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور دل ودماغ وغیرہ) کو دور رکھتا ہے۔تو اس (خصلت) سے اس کے اعمال صالحہ کا ثواب دنیا میں دل اور جسمانی اعضاء کو جلد ہی حاصل ہوگا۔اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اسے آخرت میں بھی ثواب عطا فرمائے گا۔ہم اللہ تعالیٰ سے (سچے دل کے ساتھ) دعا کرتے ہیں۔کہ! وہ اِن خصائل کے ذریعے ہم پر اپنا احسانِ عظیم فرمائے۔اور ہمارے قلوب سے خواہشاتِ (نفسانی، شہوانی، نسوانی وغیرہ) کو دائمًا نکال دے۔آمین۔(وانشاءاللہ تعالیٰ)

☆ **آٹھویں خصلت**: مخلوقات میں سے کسی پر، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ابوجھ نہ ڈالنا۔ بلکہ دوسروں کا بوجھ بخوشی اُٹھانا۔

☆☆☆ **بوجھ نہ ڈالنے بلکہ دوسروں کا بوجھ اُٹھانے کا فائدہ**: اگر کوئی مخلوقات میں سے کسی پر، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا ابوجھ نہ ڈالے۔ بلکہ دوسروں کا بوجھ بھی بخوشی اُٹھائے۔چاہے وہ اس کی ضرورت محسوس کریں یا نہ کریں۔کہ یہ عابدین کی عزت اور متقین کی شرافت ہے۔اس (خصلت) سے **امر بالمعروف** اور

نھی عن المنکر پرقوت حاصل ہوتی ہے۔اورحق وسچ کے معاملے میں جملہ مخلوقات ایک جیسی ہی نظر آئیں گی۔اور جب کسی انسان میں یہ صفت (یعنی خصلت) پیدا ہوجائے گی۔تو اللہ تعالیٰ اسے فناء، یقین اورتوکل (توکل علی اللہ) کی طرف منتقل فرمادے گا۔اوروہ اپنی خواہشات کے تحت کسی کو بلند نہیں کہے گا۔اورحق وسچ کے معاملے میں تمام مخلوقات ہی کو برابری کی حیثیت دے گا۔کیونکہ! اسے (اس صفت وخصلت کے اختیار کرنے والے کو) یہ یقین ہوجائے گا۔کہ یہ دروازہ معززومتقی لوگوں ہی کی شرافت کا دروازہ ہے۔اوریہی دروزہ **اخلاص** کے زیادہ قریب ہے۔

☆ **نویں خصلت** : لوگوں سے امید وطمع دائماً ختم کردینا۔اوران سے کسی بھی اسم کی غرض وغایت کی قطعاً لالچ نہ کرنا۔

☆☆☆ **لوگوں سے ہرقسم کی امید وطمع ختم کرنے اوران کی اپنی چیزوں سے لالچ نہ کرنے کا فائدہ:** چونکہ! جب کوئی لوگوں سے اپنی جملہ امیدیں اورہمہ قسم کے طمع وحرص کوختم کردیتا ہے۔بلکہ لوگوں کے پاس جوبھی کچھ ہے۔اس کی قطعاً لالچ نہیں کرتا۔تو یہی **درحقیقت بہت بڑی عزت وتکریم ہے۔بلکہ خالص غناء، عظیم تریں بادشاہت، فخرِ جلیل، یقینِ صادق اورصحیح شفاء دینے والا توکل ہے۔** یہ (صفت وخصلت) اللہ تعالیٰ پر یقین کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔اسی سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔اورعبادت مکمل ہوتی ہے۔اوریہ ان لوگوں کی علامت ونشانی ہے۔جو جملہ تعلقات توڑکر اللہ تعالیٰ سے دائمی وابستگی ورشتہ جوڑتے ہیں۔**(ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ)**

☆ **دسویں خصلت** : تواضع اختیارکرنا ہے۔☆☆☆ **تواضع اختیارکرنے کا فائدہ:** جب کوئی دائماً تواضع اختیارکرتا ہے۔تواس (صفت وخصلت) کے ذریعے اس کے مرتبہ کی بزرگی مضبوط ہوتی ہے۔اوردرجہ بلند ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اورمخلوقات کے نزدیک عزت ورفعت کی تکمیل ہوتی ہے۔دنیاوآخرت کے جس بھی کام کا ارادہ کرتا ہے۔توایسوں کوان امورپرقدرت حاصل ہوتی ہے۔(یادرہے) یہ خصلت جملہ عبادات کی اصل، فرع اورکمالیت ہے۔اسی کے ذریعے انسان درحقیقت ان نیک لوگوں کے درجات حاصل کرتا ہے۔جو ہرقسم کی چھوٹی، بڑی تکلیف ومشکل یاخوشی میں اللہ تعالیٰ سے دائماً راضی رہتے ہیں۔کیونکہ! یہی تو کمالِ تقویٰ ہے۔

علمِ باطن ہمچو مسکہ علمِ ظاہر ہمچو شیر   کے شود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

سالکینِ شطاریہ کے دس دس لوازمات : (بمطابق حضرت شاہ محمد غوث گوالیاریؒ درکتاب جواہرخمسہ)

جب کوئی سالک یا طالب صادق ظلماتِ جسمانی اورتجلیاتِ روحانی وسطواتِ نورانی سے گذرتا ہے۔توجودِقدم کے فرش پر، جوسراپا نشاط اوربے رنگی سے بے رنگ نما ہی قدم رکھتا ہے۔ان مراتب کے طے کرنے میں سالک کودس مراتب (معہ منازل) پیش آتے ہیں۔

سلوک کے دس مراتب: بدایات۔ابواب۔معاملات۔اخلاق۔اُصول۔اودیہ۔احوال۔ ولایات۔حقائق۔نہایات۔

بدایات کی دس منازل : یقظہ۔ توبہ۔انابت۔محاسبہ۔ تفکر۔ غیرحق سے دوری (مزار) سماع۔ ریاضت۔اعتصام۔

ابواب کی دس منازل : حزن۔ خوف۔اشفاق۔خشوع۔اخبات (خوف ازآمدہ صدمات) زہد۔ورع۔تبتل (انقطاع عوام) رجاء۔رُغبت۔

معاملات کی دس منازل : رھبت (حد سے تجاوزکرنے سے ڈرنا)۔مراقبہ۔حدبت۔اخلاص۔تہذیب۔استقامت۔توکل۔تفویض۔ثقہ۔ تسلیم۔

اخلاقیات کی دس منازل : صبر۔ شکر۔ رضاء۔ ایثار۔ صدق۔ خلق۔ تواضع۔فتوت۔ انسباط۔

اُصول کی دس منازل : قصل (اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا) عزم۔ ارادت۔ادب۔یقین۔اُنس۔ذکر۔فقر۔غناء۔مُراد۔

اودیہ کی دس منازل : احسان۔ علم۔ حکمت۔بصیرت۔فراست۔تعظیم۔ الہام۔ سکینہ۔ طمانیت۔ ہمت۔

احوال کی دس منازل : محبت۔غیرت۔شوق۔قلق۔ عطش۔ دھش۔ وجد۔ ھیمان۔ بروق۔ ذوق۔

ولایت کی دس منازل : لحظ۔ وقت۔ صفا۔ سرور۔ سرّ۔ نفس۔ غربت۔غرق۔ غیبت۔ تمکین۔

حقائق کی دس منازل : مکاشفہ۔مشاہدہ۔معائنہ۔حیات۔ حیات۔ قبض۔بسط۔ سکر۔صحو۔اتصال۔انفصال۔

نہایات کی دس منازل : معرفت۔فناء۔بقاء۔تحقیق۔تلبیس۔وجود۔ تجرید۔ تفرید۔ جمع۔توحید۔

مذکورہ منازل میں سے اکثر کی تفصیلات اسی باب میں آگے ''صدمیدان'' میں بھی پیش کی گئیں ہیں۔وہاں سے دیکھی جاسکتی ہیں۔

اگر (خوش قسمتی وخوش نصیبی سے) کسی ایسے بزرگ کی صحبت میسرآجائے۔اورسالک کواپنے دل میں اس صحبت سے اثرات محسوس ہوں۔تواسے چاہیئے۔کہ! اپنی استطاعت کے مطابق وہ اِن اثرات کو سمیٹے اورانہیں محفوظ کرے۔اگر اِن اثرات میں کوئی خلل اوررکاوٹ پیش آئے۔تو پھر شیخ کی صحبت اختیار کرے۔تاکہ اس کی برکت سے دوبارہ وہی اثرات وکیفیات ظہور پذیر ہوں۔سالک اس عمل کومسلسل دہراتا رہے۔یہاں تک کہ اثرات کی کیفیت ملکہ بن جائے۔اوراگراس بزرگ کی صحبت سے اثرات ظاہر نہ ہوں۔مگر محبت اورجذب کی کیفیت حاصل ہو۔تو سالک کو چاہیئے۔کہ شیخ کی صورت کا تصورکرے۔اور قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو۔تاکہ غیبت اورفنائے نفس حاصل ہو۔اوراگرروحانی ترقی یعنی واردات میں رکاوٹ اورقبض کی کیفیت پیدا ہوجائے۔تو اپنے دائیں کندھے میں صورتِ شیخ کا تصوروتخیل کرے۔اپنے قلب کو دائیں کندھے تک ممتد (پھیلا ہوا مسلسل) سمجھے۔پھرصورتِ مرشد کواس پھیلاؤ کے ذریعے اپنے قلب میں لائے۔اُمید ہے۔کہ! اس طرح غیبت اورفنا کی منازل میسرآجائیں گیں۔(انشاء اللہ العظیم)

ہر کہ خواند جوہر شطار را   مفت باید گوہرِ اسرار را

اصولِ عشرہ یا مقاماتِ عشرہ کا بیان:

اخلاص ہی ہر عمل کی قبولیت کے لئے روحِ رواں کا درجہ رکھتا ہے۔صوفیائے کرامؒ کے نزدیک اخلاص ہی کا دوسرا نام فنا ہے۔اور محبتِ ذاتیہ کے بغیر فنا کا تصور محال ہے۔لہٰذا ضروری ہوا۔کہ فنا کے ابتدائی امور (مقدمات ومبادی) حاصل کئے جائیں۔اور وہ دس مقامات ہیں۔کہ جن کو اصطلاحِ صوفیہ میں اُصولِ عشرہ یا مقاماتِ عشرہ کا نام دیا گیا ہے۔کیونکہ! بعض صوفیاء نے انہی مقامات کو طُرقِ وصولِ الی اللہ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔اکثر طور پر صوفیاء کے تجربے میں آیا ہے۔کہ! ان دس مقامات کا حصول فنائے کامل کا سبب بنتا ہے۔لیکن بعض اوقات مقاماتِ عشرہ کو حاصل کئے بغیر بھی محض فضلِ خداوندی سے فنائے کامل عطا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔کہ! **اللہ یجتبی الیہ من یشآء و یھدی الیہ من ینیب** ۔(ترجمہ) اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔چُن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔اور جو کوئی اس سے لو لگاتا ہے۔اسے اپنے پاس پہنچا دیتا ہے۔(سورہ شوریٰ۔آیت نمبر13)

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں ۔ اب دیکھئے ، ٹھہرتی ہے ، جا کر نظر کہاں

آدابِ طریقت کے لئے چار اراکینِ ضروریہ : (بقولِ حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ دررسالہ ''آدابِ طریقت'')

☆ جو مرید اپنے پیر ومرشد کی صحبت سے محروم ہو۔اسے چاہیئے۔کہ! وہ روزانہ گروہ صوفیاء کے ملفوظاتِ مقدسہ میں سے آٹھ اوراق کا (روزانہ) مطالعہ کیا کرے۔(آٹھ اوراق کی حکمت کا بیان نہیں۔کہ! آٹھ اوراق ہی کیوں؟ نہ کم نہ زیادہ) تاکہ وہ ملفوظات اس کے دل کی حیات کا سبب بن جائیں۔پس اسے چاہیئے۔کہ! اپنے طور طریقوں کی بنیاد ''چہار ارکان'' پر رکھے۔(جوکہ درج ذیل ہیں)

☆ **رکنِ اول** : **ریاضتِ نفس** ہے۔سالک کا خورد ونوش، نیند ولباس بقدرِ حاجت ہو۔نہ کہ بقدرِ شہوت۔جب تک کہ نفسِ امارہ مطیع نہیں ہوتا۔شیطان دور نہیں جاتا۔دنیاوی خیالات (عیش وعشرت، غرور وتکبر وکبریائی) اس کی نگاہوں سے محو نہیں ہوتے۔

☆ **رکنِ دوئم** : مرید کو چاہیئے۔کہ! اس کا لقمہ اور لباس **رزقِ حلال** سے ہو۔(بقولِ مولانا رومؒ)

علم و حکمت آید از نانِ حلال ۔ عشق و رقت آید از نانِ حلال

☆ **رکنِ سوئم** : **مجاہدہ** ہے۔مجاہدہ دشمنانِ باطن (یعنی شیطانِ لعین، دنیا اور نفسِ امارہ) کے خلاف جنگ ہے۔مجاہدہ یہ ہے۔کہ! سالک اپنے دل کے دروازے، جوکہ اختیارات وارادات کا محل ہیں، پر بیٹھ کر نگہبانی کرتا رہے۔کہ اس کے آئینۂ قلب پر کیا وارد ہوتا ہے۔مشائخ کرامؒ فرماتے ہیں۔کہ! بھوک اور شرعی ضرورت سے زائد کو رکھنے سے تمام مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ماحاصل اس کا یہ ہے۔کہ! شیطان کے خلاف راہِ شریعت کی روش، بسیار طاعت اور حسنِ عبادت کی پابندی کی جائے۔راہِ آخرت کا نور، قرب وکرامتِ حق، مشاہدہ جلال وجمال، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے حقائق ومعارف سے شناسائی، کشفِ اسرار اور تجلی انوار وغیرہا جملہ انعامات مخالفت نفس ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔پس لب لباب اس کا یہ ہے۔کہ! دنیا آخرت کا حجاب ہے۔جبکہ شیطان مردود شریعت کا حجاب ہے۔اگر مجاہدہ دنیا کو پس پشت پھینکنے۔اور اس کا خیال محو کرنے کے لئے ہو۔تو دل اور سینہ سے جمالِ آخرت کا ہر آئینہ نمودار ہو جاتا ہے۔اگر مجاہدہ نفسِ امارہ کی عداوت کو توڑنے اور اس کی خواہش کی مخالفت کے لئے ہو۔تو ذوالجلال کی ذات وصفات کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

☆ **رکنِ چہارم** : ذکر کے بیان میں ہے۔جان لیجیئے کہ! راہِ حقیقت کو اگرچہ عبادت، تقویٰ، ریاضت اور مجاہدہ کی ضرورت ہے۔لیکن جب تک ذکرِ حق نہ ہو۔یہ راستہ کھلتا نہیں۔حضرت خواجہ علی خرقانیؒ فرماتے ہیں۔کہ! ذکر درحقیقت ولایت کا قلعہ ہے۔جسے ذکر کی توفیق دیتے ہیں۔اسے ولایت عطا فرماتے ہیں۔اور جسے ذکر سے معزول کر دیتے ہیں۔اسے ولایت سے محروم کر دیتے ہیں۔ذکرِ حقیقی وہ ہے۔جو دل سے ہو۔لیکن وہ سالک جو ذکرِ قلبی سے شاد کام ہو۔ایسے مرید کو چاہیئے۔کہ اپنے بقیہ اوقات میں جبکہ فرائض وسنن سے فارغ ہو جائے۔تو ان اوقات میں سوائے ذکر کے کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو۔

صوفیائے کرام نے دو مختلف شعبوں میں تقسیم کیا ہے۔اِن میں سے ایک شعبے کا تعلق **تشریعی امور** سے ہے۔یعنی یہ طبقہ دعوت وارشاد کے فرائض کی سر انجام دہی میں مصروف ہے۔اور یہ طبقہ ''قطب الارشاد'' کے تابع فرمان ہوتا ہے۔جبکہ دوسرا طبقہ **تکوینی امور** سے متعلق ہوتا ہے۔یہ متصوفین کا گروہ ہے۔اور یہ طبقہ ''قطبِ مدار'' کے زیرِ نگرانی خدمات وفرائض کو بخوبی سرانجام دینے میں کوشاں ہے۔ یاد رہے کہ! قطبِ مدار کی تنظیم کے اراکین اوتاد، ابدال، نقباء، نجباء اور رجال الغیب کی حیثیتوں سے تکوینی امور سرانجام دیتے ہیں۔اِن امور کو تصوف کی اصطلاح میں خرق وغرق، احیاء واماتت اور تفریق وترزیق کہا جاتا ہے۔جبکہ آسان زبان میں جنگ وامن، عذاب وعتاب، بارش وطوفان، فتح وشکست، حکومت واقتدار اور انسانی معاشرت سے متعلق دیگر انتظامی معاملات کا طے پانا ایسے ہی اہلِ باطن کے روحانی تصرف سے وابستہ ہوتے ہیں۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔**و للہ جنود السموت والارض** ۔(سورہ فتح۔آیت نمبر4) زمین وآسمان کے لشکر اللہ ہی کے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں امام قرطبیؒ حضرت ابنِ عباسؓ کے حوالہ سے رقم طراز ہیں۔کہ! اِس آیت میں ارضی لشکروں سے مُراد اہلِ ایمان اور سماوی لشکروں سے مُراد ملائکہ ہیں۔اِسی طرح سے امام جلال الدین الشافعی السیوطیؒ اپنی مشہور ومعروف تفسیر ''الدر المنثور'' میں بحوالہ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں۔کہ! **الروح جند من جنود اللہ** ۔روحیں اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔اِسی ضمن میں سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے تذکارِ اولیائے کرامؒ کو ''جند اللہ'' سے تشبیہ دی ہے۔یہ آپؒ ہی کا ارشاد ہے۔کہ! **حکایات المشائخ جند من جنود اللہ** ۔ مشائخ کرامؒ کی حکایات (واقعات) بھی اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔

ولایت کے چالیس مقامات : (بمطابق حضرت سید طاہر علاؤ الدین قادری بغدادی گیلانیؒ)

شریعت کے دس مقامات ۔طریقت کے دس مقامات ۔ معرفت کے دس مقامات ۔ حقیقت کے دس مقامات ۔

☆☆☆ شریعت کے دس مقامات :

☆ مقامِ اول: چاہیئے ۔کہ! اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں ،آسمانی کتابوں ، روزِ قیامت (یعنی روز جزا وسزا)، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی و بدی کا اندازہ ہونے پر ایمان لانے اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر یقین لانا اور برحق سمجھنا ہے ۔

☆ مقامِ دوئم: نمازِ پنج گانہ کو فرض جاننا اوران نمازوں کو بروقت ادا کرنا، خصوصاً نمازِ وُسطیٰ (یعنی نمازِ عصر) کی حفاظت کرنا۔

☆ مقامِ سوئم: زکوٰۃ کا ادا کرنا، جو کہ اہلِ نصاب پر واجب ہے ۔

☆ مقامِ چہارم: روزے رکھنا (بالخصوص رمضان کے تمام روزے رکھنا) روزے اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ ﷺ پر فرض کئے ہیں ۔

☆ مقامِ پنجم: حج بیت اللہ شریف ، بشرطِ استطاعت ، (کم اَز کم) ساری عمر میں ایک مرتبہ ۔

☆ مقامِ ششم: اپنی کوشش سے رزقِ حلال حاصل کرنا ، کیونکہ اللہ تعالیٰ حلال کمائی میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے ۔اوراس کے مالک کی دعا قبول ہونے کی اُمید ہوتی ہے ۔

☆ مقامِ ہفتم: حرام سے پرہیز کرنا، کیونکہ! حرام دل کو سیاہ کرتا ہے ۔اور پتھر کی طرح سخت کر دیتا ہے ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت وسیاہ کرتا ہے ۔

☆ مقامِ ہشتم: شریعت کے زیرِ فرمان ادخال ، یعنی کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی متابعت کرنا اوراس کے ممنوعات سے پرہیز کرنا ۔اور حلال غذا کو حلال اور حرام غذا کو حرام جاننا ہے ۔

☆ مقامِ نہم: تلاوتِ قرآنِ مجید کرنا ، اور فرمانِ الٰہی کو صحیح جاننا اور قرآنی احکامات پر بصدقِ دل عمل پیرا ہونا ۔

☆ مقامِ دہم: نیک کام کرنے کا حکم اور برے کاموں سے ممانعت (اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر ۔کی تعمیل کرنا) جیسا کہ فرمانِ رحمانی ہے ۔کہ! نماز قائم کر۔ نیک کام کی ہدایت کر۔ ناپسندیدہ کاموں سے منع کر۔ مصیبت پر صبر کر، جو تجھ پر آئے ۔ تحقیق یہ کام کار ہائے مقصود سے ہیں ۔

اگر ہو عشق (الٰہی) ، تو ہے کفر بھی مسلمانی نہ ہو مرد ،تو مسلمان بھی کافر و زندیق

☆☆☆ طریقت کے دس مقامات :

☆ مقامِ اول: (توبہ کرنا)۔ ہر بالغ وعاقل مسلمان پر فرض ہے ۔کہ! اپنے تمام گناہوں (صغیرہ وکبیرہ) کو مالکِ حقیقی سے بخشواتا رہے ۔

☆ مقامِ دوئم: (حُسنِ خلق سے پیش آنا) یعنی نیک عادات کا اختیار کرنا ۔ تمام نیک عادات قابلِ تعریف اور ہر اچھا کام قابلِ مدح ہے ۔ کیونکہ! حُسنِ خلق ہر نیک کام کو زیادہ کرتا ہے ۔

☆ مقامِ سوئم: (مجاہدہ وتقویٰ کواختیار کرنا) پرہیز گاری، اطاعتِ الٰہی واطاعتِ رسول ﷺ کواختیار کرنے میں جدوجہد کرنا۔ پس جس کسی نے خلوصِ نیت اور صدقِ دل سے راہِ حق پانے کی کوشش کی ۔اس نے راہ حق کو پالیا۔ جس نے نہ کی ۔وہ بے مشاہدہ رہا۔

☆ مقامِ چہارم: (خوفِ الٰہی اور اُمید منجانب الٰہی) خوف و اُمید میں وابستہ رہو ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہووے ۔ اوراس کے عذاب سے بے خوف نہ ہووے ۔

☆ مقامِ پنجم: (ترکِ شہوات) یعنی خواہشاتِ نفسانی سے باز رہنا، نفسانی لذات کی پیروی نہ کرنا۔ کیونکہ خواہشات دل کو سخت وسیاہ کر دیتی ہیں ۔

☆ مقامِ ششم: شبہات سے پرہیز کرنا ۔ اُن چیزوں میں کہ جن کے اندر شک وشبہ پایا جائے یا حرام وحلال اور مکروہ کی تمیز نہ کی جا سکے ۔ یا شک وشبہ کا ان میں امکان یا گمان ہو ۔سخت پرہیز کرے ۔

☆ مقامِ ہفتم: (تضرع الی اللہ) یعنی بارگاہِ الٰہی میں زاری کرنا۔اور زاری یہ ہے ۔کہ! اس کے حضور گریہ وزاری، توبہ کرنے اور مغفرت مانگنے کے لئے ہو۔ جونہایت ہی خلوصِ قلبی، عاجزی وانکساری اور حضورِ دل کے ساتھ ہو۔ اور شرِ شیطان سے محفوظ اور مامون رہنے کے لئے ہو۔

☆ مقامِ ہشتم: (رضائے مرشد) یعنی ہر ایک اَمر میں رضائے مرشد وخوشنودیء مرشد، اس کی محبت اور نصیحت اوراس کے قول اور فرمان کی تکمیل و فرمانبرداری بدوں کسی قیاس و وہم کے بجالانے سے ہوتی ہے ۔یعنی مرید کو مردہ کی طرح اور مرشد کو غسال کی طرح ہونا چاہیئے ۔ تا کہ مرشد جس طرح اور جس طرف مرید کو پھیرنا چاہے ۔ وہ راہِ حق وعرفانِ رحمانی میں پھرتا چلا جائے ۔

☆ مقامِ نہم: (سماع وعظ) مجالس عظ میں جانا، متوجہ ہونا ، پند ونصیحت کا سننا اوران کا قبول کرنا اوران پر عمل پیرا ہونا۔ حتی کہ ناصح کی نصیحت سننے میں شرم نہ کرے ۔اور جب دوسروں کو نور وعظ ونصیحت کرے ۔تو نہایت آرام ، نرمی اور کوش اخلاقی سے گفتگو کرے ۔

☆ مقامِ دہم: (ترک ماسوی اللہ) یعنی ماسوا اللہ تعالیٰ سے ترک اور مخلوقات سے علیحدگی ۔ کیونکہ ! غیر اللہ کے میل جول سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیکی وقرب میں سخت ترین حجاب واقع ہوتا ہے ۔

☆☆☆ معرفت کے دس مقامات :

☆ مقامِ اول: ملحوظِ آداب یعنی طریقہ ادب پر استوار رہنا۔ کیونکہ! جو شخص عاقل، دانا اور باادب ہوگا۔ وہ بالضرور آدابِ شریعت میں بھی مؤدب ہوگا۔ اور ہمیشہ ان آداب کا محافظ اور نگہدار رہوگا۔

☆ مقامِ دوئم: چاہیئے۔کہ! ہر ظلم وستم اور تکلیف کا متحمل ہو۔ جو کوئی اس کو تکلیف پہنچائے۔ اس سے کینہ نہ رکھے۔ بلکہ اگر تکلیف پہنچانے والے کو کوئی تکلیف پہنچے۔ تو اسے بھی حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کرے۔ اوران کے گناہوں کو معاف کرنے والا، درگزر کرنے والا اور بخشنے والا ہو۔

☆ مقامِ سوئم: چاہیئے۔ کہ بُروں کی آگ کے شراروں سے بچنے والا ہو۔ نیکیوں کی مجلس اختیار کرے۔ ہر قسم کے فتنہ وفساد سے دور رہے۔

☆ مقامِ چہارم: خدمت مرشد کو مقدم جانے۔ خدمت مرشد صاف دلی و اخلاص پر مبنی ہو۔ اور جو ان کی خدمتِ عالیہ میں قیام پذیر ہوں۔ ان کو نیک نصیحت کرے۔ اوران کے ساتھ ظاہراً و باطناً سچی دوستی رکھے۔

☆ مقامِ پنجم: چاہیئے۔ کہ! اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہے۔ اور ہر چیز میں اس کا جلوہ دیکھنے کی سعی کرے۔ پس حقِ عبادت تو یہ ہے۔ کہ! مَیں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔ اگر خود نہ دیکھ سکے۔ تو یہ سمجھنے کی بھرپور سعی کرے۔ کہ! اللہ تعالیٰ تو مجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

☆ مقامِ ششم: چاہیئے۔ کہ! حسبِ استطاعت سخی ہو۔ اور اپنے آپ کو دوسروں پر فوقیت دے۔

☆ مقامِ ہفتم: بردباری بمقابلہ ظلم وستم۔ علاوہ ازیں کسی کام میں بھی عجلت نہ کرے۔ بلکہ ہر معاملے میں نہایت غور وخوض کے بعد متحمل ونرم ہو کر تحمل مزاجی سے کام لیتے ہوئے فیصلہ کرے۔

☆ مقامِ ہشتم: چاہیئے۔ کہ! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل کے زنگ وسیاہی کو دور کر کے منور کرے۔ چنانچہ رسول نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ! انسانوں کے قلوب اس طرح سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔ کہ! جس طرح لوہا زنگار سے۔ پس ذکرِ الٰہی سے ان کو مجلّٰی رکھو۔

☆ مقامِ نہم: چاہیئے۔ کہ! ہر طرح کی عبادتوں اور بندگیوں سے اللہ تعالیٰ کے حضور کے نزدیک جاگزین ہو۔

☆ مقامِ دہم: چاہیئے۔ کہ! اپنے آپ کو تمام انسانوں سے ذلیل وخوار اور سبک تر خیال کرے۔ اور دوسروں کو اپنے آپ سے بہت بلند اور بہتر جانے۔ اور اپنے نفس کو کسی سے کسی بھی حالت میں افضل نہ سمجھے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے۔ کہ! **ذٰلک فضل اللہ یؤ تیہ من یشآء. واللہ ذوالفضل العظیم**۔ (ترجمہ) یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے دے دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ (سورہ جمعہ۔ 28)

☆☆☆ حقیقت کے دس مقامات :

☆ مقامِ اول: تواضع۔ فروتنی۔ عاجزی۔ انکساری۔ عدم اظہارِ طاقتِ جسمانی وروحانی۔

☆ مقامِ دوئم: (فرقہ واریت سے پرہیز) یعنی کہ تیری دانست میں بلحاظ مساوات بہتر فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ یا فرد کو حقیر نہ سمجھے۔ اور نہ ہی ان میں فرق نکالے، مگر ان کی گمراہی کے باعث۔ کیونکہ! یہ تمام فرقے سوائے فرقہ اہلِ سنت و جماعت کے گمراہ ہیں۔ پس ایسا سمجھنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقرب ہے۔

☆ مقامِ سوئم: خورد ونوش، جو جو کچھ بھی از قسم طعام تھوڑا یا بہت، جس قسم کا بھی ہو، جب سامنے آوے تو کالیوے۔ لیکن نئے اور لذیذ کھانے کا منتظر نہ رہے۔ یعنی پہلے آمدہ طعام پر قناعت کرے۔

☆ مقامِ چہارم: چاہیئے۔ کہ! راہِ حق پانے میں ہمیشہ کوشاں رہے۔ اور مخلوقِ خدا میں سے کسی کو تکلیف نہ دیوے۔ بلکہ! ان کی تکالیف کو رفع دفع کرنے کی دل و جان سے کوشش کرے۔

☆ مقامِ پنجم: چاہیئے۔ کہ! ادل میں کسی کے لئے بغض وکینہ نہ ہو۔ بلکہ جو شخص اس سے بدی کرے۔ اس سے نیکی سے پیش آوے۔ اور اگر کسی سے کسی بھی وجہ سے تعلقات منقطع ہوں۔ اُن سے حتی الامکان جوڑنے کی کوشش کرے۔ بلکہ ان سے معاوضہ خواہاں بھی نہ ہو کہ جنھوں نے اس پر ظلم کیا۔

☆ مقامِ ششم: چاہیئے۔ کہ! مسکینوں، درویشوں اور غریبوں پر سختی نہ کرے۔ بلکہ ان پر نہایت مہربانی اور شفقت کی نظر کرے۔ اور جہاں تک بھی ممکن ہو سکے۔ نیکی اور خوش خلقی وخندہ پیشانی سے پیش آئے۔

☆ مقامِ ہفتم: راہِ حق میں اس کا ہر قول وفعل وعبادت محض خوشنودیٔ ذاتِ الٰہی کے لئے مخصوص ہو۔ نہ کہ ریاء ونمائش خلق کے لئے۔

☆ مقامِ ہشتم: چاہیئے۔ کہ! اپنے رازِ قلبی کو مخلوق سے دائماً پوشیدہ رکھے۔ بلکہ مخلوقِ خدا سے کسی دوسرے کا بھید بھی ظاہر نہ کرے۔ خواہ وہ کسی بھی قسم (نیک یا بد ہی کیوں نہ ہو) کا ہو۔ بلکہ جب کسی کو کوئی گناہ کرتا دیکھ بھی لے تو لازم ہے کہ پردہ پوشی کرے۔

☆ مقامِ نہم: چاہیئے۔ کہ! مناجاتِ الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہے۔ اور دنیاوی امور میں سے کسی ایک مدعا کو اپنی مناجات میں شامل نہ کرے۔ بجز اس صورت کے، کہ جہاں دینی امور میں سہولت اور آسانی کے لئے سخت ترین دنیاوی آزمائش ہو۔

☆ مقامِ دہم: چاہیئے۔ کہ! جن چیزوں کی طرف نظر کرے۔ ان سے نصیحت اور سبق حاصل کرے۔ نیز نفس کی بہتری کے لئے علمِ نافع کو حاصل کرنے کی سعی کرے۔ چنانچہ رسولِ مکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ (کہ) علم ایک زُہد وعبادت ہے۔ اور مرید کے لئے اَدب اس سے بہتر ہے۔ جس میں اس کے لئے اس زہد میں برکتیں ہی برکتیں ہیں۔

بارہ کلمات کے عجیب وغریب فوائد :

بروایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ ! آنحضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ ! یہ بارہ کلمات توریت ، زبور، انجیل اور فرقانِ حمید سے چُنے ہیں ۔ جو صاحبِ ایمان (ایمان دار) ایک ورق پر لکھے ۔ اور ہر روز اِس کو دیکھے اور ان پر عمل کرے ۔ تو اللہ تعالیٰ کے مقبولین میں سے ہو جائے گا ۔ (انشاء اللہ العظیم)

☆ **پہلا کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! روزی کا غم نہ کھا ۔ جب تک میرا خزانہ بھرا ہوا ہے ۔ اور میرا خزانہ کبھی خالی نہ ہوگا ۔

☆ **دوسرا کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! ظالم بادشاہ اور امیر کبیر سے نہ ڈر ۔ جب تک میری سلطنت ہے ۔ اور میری سلطنت ہمیشہ کے لئے ہے ۔

☆ **تیسرا کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! کسی سے محبت نہ کر ۔ اور کسی سے کچھ مت مانگ ۔ جب تک تُو مجھے چاہے گا ۔ پائے گا ۔

☆ **چوتھا کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! میں نے تمام چیزیں تیرے لئے بنائی ہیں ۔ اور تُجھ کو اپنے لئے ۔ پس تُو اپنے آپ کو دوسروں کے دروازے پر ذلیل مت کر ۔

☆ **پانچواں کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! میں جس طرح تُجھ سے کل کا عمل نہیں چاہتا ۔ اِسی طرح تُو بھی مجھ سے کل کی روزی مت مانگ ۔

☆ **چھٹا کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! جس طرح سات آسمان ، عرش وکُرسی اور سات زمینوں کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا ۔ اِسی طرح تیرے پیدا کرنے اور روزی دینے سے عاجز نہیں ہوں گا ۔ بے شک روزی پہنچاؤں گا ۔

☆ **ساتواں کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! جس طرح میں تیری روزی نہیں روکتا ۔ اِسی طرح تُو بھی میری عبادت مت چھوڑ ۔ اور میرے حُکم کے خلاف مَت کر ۔

☆ **آٹھواں کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! میں نے جِس قدر تیری قسمت میں رکھ دیا ہے ۔ اِس پر راضی رِہ ۔ نفس اور شیطان کی خواہشات سے دِل کو مت بہلا ۔

☆ **نواں کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! میں تیرا دوست ہوں ۔ تُو بھی میرا دوست بنا رِہ ۔ اور میرے عشق ومحبت اور غم سے کبھی خالی نہ ہو ۔

☆ **دسواں کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! میرے غُصے سے نڈر مت ہو ۔ جب تک کہ تُو پُل صراط سے گزر کر بہشت میں داخل نہ ہو جائے ۔

☆ **گیارھواں کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرزندِ آدم ! تُو مجھ پر اپنے نفس کی مصلحت کے باعث غُصے ہوتا ہے ۔ اور اپنے نفس پر میری رضامندی کے غُصہ نہیں ہوتا ۔

☆ **بارھواں کلمہ مبارک** : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ! اے فرزندِ آدم ! اگر تُو میری تقسیم پر راضی ہو جائے ۔ تو تُو اپنے آپ کو میرے عذاب سے چھڑالے گا ۔ اور اگر تُو اِس پر راضی نہ ہو ۔ تو نفس کو تُجھ پر مقرر کر دوں گا ۔ تاکہ (یہی نفس) جانوروں کی طرح تُجھ کو جنگلوں میں دوڑائے پھرائے ۔ قسم ہے مجھ کو اپنی ذات کی ! کہ کچھ حاصل نہ ہو مگر اسی قدر ، جو میں نے مقدر میں کیا ہے ۔

میری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیحِ روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
ہر اک آشنا ہوں لیکن، جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب کسی کا مرکب ، کسی کو عبرت کا تازیانہ

جنت کے راستے میں حائل سات گھاٹیاں : حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''منہاج العابدین'' میں فرمایا ہے ۔ کہ ! جنت تک کا راستہ انتہائی دشوار گذار ہے ۔ اور دنیا کے جملہ لوگوں میں اس راستے کے مسافر بہت قلیل ہیں ۔ جنت کے اس راستے میں حائل سات گھاٹیاں ہیں ۔

☆ علم کی گھاٹی (علم کا نہ ہونا یا علم پر عمل کا نہ ہونا) ☆ توبہ کی گھاٹی (صغائر وکبائر کے باوجود صدق قلب سے معافی ومغفرت کا طلب گار ہو کر خالص عابد بننا) ☆ رکاوٹوں کی گھاٹی (**دُنیا** ۔ دنیاوی عیش وعشرت سے بے رُغبتی یا کنارہ کشی ، **مخلوق** ۔ مخلوق کے حقوق کی پاسداری اور ان سے تنہائی ، **شیطان** ۔ شیطان سے مخالفت ودشمنی ، **نفس** ۔ نفس سے ہر وقت جنگ کرتے ہوئے اس سرکش کو سدھارنا) ☆ عوارض کی گھاٹی (**رزق** ۔ رزق کی کمی اور تلاش میں رب کو بھول جانا یعنی رزق کے معاملات میں توکل علی اللہ پر عمل نہ کرنا ، **پسندیدہ چیزوں سے اُمیدیں** ۔ مال واولاد کی محبت ، **مصائب و تکالیف کا سامنا ہونا** ۔ عدم صبر ، **قضاء و قدر** ۔ قضائے الٰہی کی مختلف صورتوں میں تسلیم ورضا کا اختیار کرنا) ☆ بواعث یعنی عبادت پر اُبھارنے کی گھاٹی (اُمیدازالٰہ اور خوفِ الٰہی) ☆ قوادح یعنی عبادت کو خراب کرنے والی چیزوں کی گھاٹی (ریا وتکبر سے ہٹ کر اخلاص وعاجزی اختیار کرنا) ☆ حمد وشکر کی گھاٹی (بندہء خدا مذکورہ چھ گھاٹیوں کو عبور کر کے جب حمد وثناء کرتے ہوئے زندگی گذارتا ہے ۔ تو اُسے انجانا سا خوف ہوتا ہے ۔ کہ کہیں مجھ سے سب کچھ واپس نہ لے لیا جائے)

یہ قیام کیسا ہے راہ میں ، تیرے سب ارادے بدل گئے
تیرے ذوقِ عشق کو کیا ہوا ، ابھی چار کانٹے چبھے نہیں

مریدین کے دس احوال :

کسی شیخِ کامل سے نسبت قائم ہونے کے بعد سالک کا روحانی ارتقاء بتدریج شروع ہوجاتا ہے۔ مرشدِ کامل کی رہنمائی میں جب سالک ،سلوک کی منازل طے کرتا ہے۔اورمقاماتِ سلوک سے گزرتا ہے۔تو سالک کے قلب پر بعض کیفیات طاری ہوتی ہیں۔جن کو اصطلاحِ تصوف میں ''**احوال**'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔یادرہے۔کہ! حال کی کیفیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلبِ سالک پر طاری ہوتی ہے۔سالک کو اس وہبی کیفیت پر بذاتِ خود کوئی قدرت حاصل نہیں ہوتی۔اوراگردل پر یہ کیفیت طاری ہوجائے۔تو سالک اسے اپنی کوشش یا ارادے سے ہٹا نہیں سکتا۔اوراگرخود بخود یہ کیفیت ختم ہوجائے۔تو سالک کسب واجتہاد سے اسے دوبارہ لانہیں سکتا۔کیونکہ! یہ تو صرف اورصرف اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اورعنایت سے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔بہرحال! یہی احوال ہی درحقیقت سالک وطالبِ صادق کی روحانی بلندی اورعروج کا باعث بنتے ہیں۔احوال کی تعداد دس ہے۔جوکہ درجِ ذیل ہیں۔

مراقبہ۔ قرب۔ محبت۔ خوف۔ رجاء (اُمید)۔ شوق۔ اطمینان۔ اُنس۔ مشاھدہ۔ یقین۔

☆ **مراقبہ :** مراقبہ کے لغوی معانی سوچنا وتفکر وتدبر کرنا ہے۔لیکن اصطلاحِ تصوف میں مراقبہ سے یہ مراد ہے۔کہ! سالک وطالبِ صادق کو اس بات کا پختہ یقین ہوجائے۔کہ اللہ تعالیٰ میرے جملہ افعال واقوال اورحالات سے باخبر ہے۔بلکہ ہمیشہ سے اِن پر نظر رکھے ہوئے ہے۔جیسا کہ! آنحضور نبی مکرم ﷺ نے ''احسان'' کی تعریف میں فرمایا ہے۔(کہ) تُو اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اس حالت میں بجالائے۔کہ! گویا تو اسے دیکھ رہاہے۔اگرتونہیں دیکھ رہا۔تو بے شک وہ تو تجھے دیکھتا ہی ہے۔(بخاری) اولیائے **متصوفین** فرماتے ہیں۔کہ! **مراقبہ کے تین درجات ہیں۔**

☆ **اول درجہ** : سالک کے دل میں اس یقین کے ذریعے سے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے اندرونی حالات سے باخبر ہے۔سالک کی اس کیفیت پر ایسا حال پیدا ہوجائے۔کہ اس میں وسواسِ شیطانی کا گزرتک نہ ہو۔اوروہ اللہ تعالیٰ کو ہروقت ہرجگہ موجود وناظر جان کرخواہشات نفسانی سے یکسر بازرہے۔

دوئم درجہ : سالک کائنات کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر اپنی تمام تر توجہ کوصرف اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول ومرکوز کرلے۔اوردل میں ماسوا اللہ تعالیٰ کے کسی غیر کا قطعاً تخیل وتصورنہ کرے۔ **سوئم درجہ** : سالک مراقبہ میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کا خواستگار ہو۔کہ حالِ مراقبہ میں اللہ تعالیٰ اس کے جملہ امور کی نگہبانی فرمائے گا۔تاکہ سالک وطالبِ صادق اس آیت کے مصداق بن سکے۔**وھو یتو لی الصا لحین**۔ اوروہی صالحین کی نگہبانی کرتا ہے۔

☆ **قرب :** قرب کے لغوی معنی نزدیکی اوررشتہ داری کے ہیں۔لیکن اصطلاحِ تصوف میں قرب یہ ہے۔کہ! سالک اس حالت میں اپنے قلب سے اللہ تعالیٰ کی نزدیک کا بعین مشاہدہ بھی کرسکے۔جیسا کہ بمصداقِ آیاتِ کریمہ! **و اذا سألک عبادی عنی فانی قریب** ۔(اے پیغمبر ﷺ !) جب آپ ﷺ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں۔تو (آپ ﷺ اُن کو کہہ دیں۔کہ!)مَیں تو (تمھارے) قریب ہوں۔(سورہ بقرہ۔آیت نمبر186) **و نحن اقرب الیہ من حبل الورید** ۔اورہم اس کی شہ رگ (یعنی رگ جان) سے بھی اس سے زیادہ قریب ہیں۔(سورہ ق۔آیت نمبر16) **و نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون** ۔ اورہم اس (مُردے) سے تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں۔لیکن تم کونظرنہیں آتے۔(سورہ واقعہ۔آیت نمبر85) لہذا جب کوئی بندہء مومن اللہ تعالیٰ کے قرب کی اس کیفیت کو ملاحظہ ومعائنہ کرے۔تو سالک کو چاہیئے۔کہ! وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی سے ہی اس کا قرب حاصل کرے۔نوافل کی کثرت کرے۔اورکائنات کی جملہ اشیاء سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا قرب پائے۔

☆ **محبت :** ویسے تو محبت کے لغوی معنیٰ پیار، چاہت ، دوستی اور مہرک وُدکے ہیں۔لیکن اصطلاحِ تصوف میں محبت اس کشش کا نام ہے۔جو سالک کے دل میں حسنِ ازل کے لئے پیدا ہوئی ہو۔محبت کے تین درجات ہیں۔

عام لوگوں کی محبت۔ ماں باپ ،بہن بھائی، میاں بیوی، اولاد،عزیز واقارب یا دوست واحباب کی محبت۔جاننا چاہیئے۔کہ! اللہ تعالیٰ کے احسان سے ان کے قلوب میں جذبہء محبت پیدا ہوجاتا ہے۔کیونکہ! قلبِ انسانی فطری طور پر اپنے محسن کی طرف مائل ہوتا ہے۔**صادقین کی محبت**۔محبت کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی بے نیازی، جمالِ فطرت،عظمت وکبریائی اورعلم وقدرت کو ملاحظہ کرکے ان کے قلوب میں پیدا ہوتی ہے۔اس محبت کی مثال حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ کے اس قول مبارک سے ملتی ہے۔کہ! پردے ہٹ گئے۔اوراسرار ورموز منکشف ہوگئے۔اوراسی کی ایک قسم یہ بھی ہے۔کہ! پیرومرشد یا (دینی وروحانی) استاد وشاگرد، امام ومقتدی وغیرہ کی محبت۔ **صدیقین وعارفین کی محبت**۔ جو اِن کی معرفتِ کاملہ کا نتیجہ ہے۔وہ بغیر کسی علت وسبب کے محض اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔جیسے کہ حضرت رابعہ بصریؒ یا حضرت حضرت بایزید بسطامیؒ یا حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا حضرت سیدی عبدالعزیز دباغؒ وغیرہم۔۔۔کی محبت۔یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت نہ جنت کے لالچ میں اورنہ ہی دوزخ کے خوف سے،یعنی کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے۔

ان لوگوں کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑی شدید ہوا کرتی ہے۔اوریہ لوگ قرآنِ پاک کی اس آیت کے مصداق ہوا کرتے ہیں۔ **والذین اٰمنوا اشد حبا للہ**۔ اوروہ لوگ کامل ایمان لائے۔اِن کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ شدید ہے۔(سورہ بقرہ۔آیت نمبر65) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے ارشاد فرمایا۔کہ جب تک حضرت رسول مکرم ﷺ ہم میں (حیات) رہے۔دنیا ہم پر تنگ اورمکدررہی۔جب آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔تو دنیا ہم پر ایک دَم سے برس پڑی۔چنانچہ فقر رسول اللہ ﷺ کی محبت کی شرط ہے۔اوربلا (بھی) محبتِ الٰہی کی شرط ہے۔ بقولِ بعضے! سب طرح کی بلا (مصیبت) محبت کے ساتھ مسلط کردی گئی۔تاکہ کوئی جھوٹا،منافق اورریا کار محبت کا دعوٰی نہ کرے۔

☆ **خوف :** ویسے تو خوف کے لغوی معنی ڈر، دہشت اور ہراس کے ہیں۔مگر اصطلاحِ تصوف میں خوف سے مراد آنے والے وقت میں کسی بھی ناپسندیدہ یا مکروہ اَمر کے پیش آنے یا کسی پسندیدہ و مستحسن اَمر کے چھوٹ جانے سے ڈرنے کو کہا جاتا ہے۔

سالک و طالبِ حق جس قدر معرفتِ الٰہی میں عروج کی جانب گامزن ہوتا جاتا ہے۔اسی قدر اس کے حال میں خوف کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔یہ کیفیت اِس آیتِ پاک کی مصداق ہوتی ہے۔ **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰوا** ۔اللہ تعالیٰ سے تو اس کے بندوں میں سے (صرف) وہی ڈرتے ہیں۔جو صاحبِ علم (یعنی علمائے کرام) ہیں۔(سورہ فاطر۔آیت نمبر 28) یعنی کہ! جن خوش نصیب لوگوں کو معرفتِ الٰہی نصیب ہوجائے۔تو اللہ تعالیٰ انہیں شریعت و طریقت کے مخفی اسرار و رموز سے شناسائی عطا فرماتا ہے۔اسی سبب سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے خوف کھاتے ہیں۔کہ کہیں محبوبِ حقیقی ناراض نہ ہوجائے۔کیونکہ! وہ ذاتِ برحق کہ جس سے شدید محبت کی جاتی ہے۔اہلِ علم اس کی ناراضی کا خوف بھی اپنے قلوب میں لئے ہوئے ہیں۔جیسا کہ ایک محبّ کو ہمیشہ سے یہ دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔کہ میرے کسی بھی قول و فعل سے کہیں میرا محبوب ناراض نہ ہوجائے۔درحقیقت یہی خوفِ الٰہی ہے۔اور مشکل وقت میں اُمید بھی اپنے محبوب کے ماسوا دیگر کسی غیر سے نہیں رکھی جاتی۔سچ تو یہ ہے۔کہ! **الایمان بین الخوف والرجاء** ۔ ایمان (دراصل) خوف اور اُمید کے درمیان ہے۔(حدیثِ نبوی ﷺ) متصوفین کے ہاں تو حالِ خوف اور حالِ رجاء سالک کے دوپَر ہیں۔جن کے ذریعے وہ قربِ الٰہی کے لئے محوِ پرواز رہتا ہے۔چونکہ! سالک کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کی وجہ سے خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔جس سے کہ سالک اپنے آپ کو ہر قسم کی معصیت سے باز رکھتے ہوئے طاعتِ الٰہیہ کی طرف راغب و گامزن ہوتا چلا جاتا ہے۔

☆ **رجاء :** رجاء کے لغوی معنی اُمید و آس کے ہیں۔مگر اصطلاحِ تصوف میں رجاء اس اُمنگ، جوش و ولولہ، تمنا اور آرزو کو کہا جاتا ہے۔جو سالک کے قلب میں آنے والے زمانہ میں کسی محبوب شئے کے حصول کے لئے پیدا ہو۔اور جو شخص اس کے حصول کا منتظر ہوتا ہے۔وہی صاحبِ رجاء کہلاتا ہے۔

رجاء کے تین درجات ہیں۔نیک اعمال کے ثواب میں رجاء۔رحمتِ الٰہیہ میں رجاء۔ ذاتِ باری تعالیٰ میں رجاء۔ ذاتِ باری تعالیٰ میں رجاء درحقیقت عارفین کا درجہ ہے۔کیونکہ! وہ اللہ تعالیٰ سے اس کے قرب، معرفت و عشق کے علاوہ کسی بھی اور چیز کی قطعاً آرزو نہیں کیا کرتے۔صوفیاء کے نزدیک وہ عبادت جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی اُمید پر کی جاتی ہے۔اس سے کہیں بہتر ہے۔جو اس کے ڈر و خوف (اتقاء) سے کی جاتی ہے۔لیکن یاد رہے۔کہ! اگر خوف کی زیادتی ہوجائے۔تو یہ نااُمیدی کا سبب و باعث بنتا ہے۔اور راہِ طریقت میں یہ حالت و کیفیت مذموم گردانی جاتی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وسیع ترین رحمت اس کے ہیبت و جلال اور خوف سے کہیں زیادہ وسیع و کشادہ ہے۔پس صراطِ مستقیم خوف و رجاء کے بین بین ہے۔اور یہی راہِ اعتدال ہے۔

حکایت : ایک رات حضرت بی رابعہ بصریؒ ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا لوٹا اور دوسرے ہاتھ میں مشعل لئے تیزی سے جا رہی تھیں۔کہ! کسی نے پوچھا۔بی بی! کیا ماجرا ہے۔جو آپ آگ اور پانی دونوں کو ساتھ لئے تیزی سے چلتی ہوئی جا رہی ہیں؟ تو حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔اس پانی کو جہنم کی آگ پر ڈالوں گی۔کہ جس کے خوف سے بندے عبادت کرتے ہیں۔جبکہ! اس مشعل سے جنت کو آگ لگاؤں گی۔کہ جس کی اُمید پر لوگ عبادت کیا کرتے ہیں۔(جبکہ دونوں کی قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کا حقیقی خوف اور اللہ تعالیٰ سے کامل اُمید کو بھول گئے ہیں)۔بہرحال میرے خیال میں یہ حکایت منسوبی ہے۔مگر سبق آموز بھی۔۔

☆ **شوق :** شوق کے لغوی معنی خواہش، رغبت اور تمنا کے ہیں۔مگر اصطلاحِ تصوف میں شوق سے مراد سالک کے قلب میں اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا جوش اور ولولہ پیدا ہونا ہے۔کیونکہ! جب تک کسی بندہ مومن کو عرفانِ الٰہی حاصل نہیں ہوجاتا۔شوق اس پر غالب رہتا ہے۔اور جب معرفتِ الٰہی حاصل ہوجاتی ہے۔تو پھر ذوق بڑھ جاتا ہے۔کیونکہ! شوق عام طور پر اَن دیکھی چیز و کیفیت اور حالت کے لئے ہوا کرتا ہے۔حضرت ابراہیم خواصؒ جب اس منزل کو طے کر رہے تھے۔تو اِن پر شوق غالب تھا۔اسی لئے آپؒ نے ایک بہت جوشیلے اور بڑے جذباتی انداز میں فرمایا۔کہ! واہ شوقا بکسے کہ مرا دیدو من اوراندیدم (واہ اے شوق! وہ ہستی جو مجھے دیکھتی ہے۔مگر (افسوس) کہ مَیں اسے نہیں دیکھتا)

زندہء جاوید ہو جاتا ہے وہ مردِ خدا **موتوا قبل ان تموتوا** کو جو سمجھے زندگی

☆ **اطمینان :** ویسے تو اطمینان کے لغوی معنی تسلی و تشفی یا طمانیت کے ہیں۔مگر اصطلاحِ تصوف میں اطمینان اس کیفیت و حالت کا نام ہے۔جو ذکرِ الٰہی سے سالک کے قلب پر وارد ہوتی ہے۔اور یہ ایمانِ کامل ہی کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔خالقِ حقیقی نے ہمیں اسی ضمن میں خبردار فرمایا ہے۔**الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ۔خبردار! اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہی قلوب کا اطمینان (پوشیدہ) ہے۔لہٰذا اسی وجہ سے ہی سالک کے اس حال کو سلوک میں بہت اہمیت حاصل ہے۔قرآنِ حکیم میں ایک اور جگہ پر بیان ہوا ہے۔کہ! **یا یتھا النفس المطمئنۃ . ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** ۔ اے نفسِ مطمئنہ! تُو اپنے ربِ (حقیقی ہی) کی طرف رجوع کر۔کہ تُو بھی اس سے راضی ہے۔اور وہ بھی تجھ سے راضی ہے۔(یاد رہے۔کہ) مذکورہ آیتِ کریمہ میں یہ بات ثابت ہوتی ہے۔کہ! نفس کی اقسام میں سے نفسِ مطمئنہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔اور اسی طرح سے اطمینانِ قلب رکھنے والی برگزیدہ ہستی کو مقامِ رضا حاصل ہوتا ہے۔جس خوش نصیب بندہء مومن کو رضائے الٰہی حاصل ہوجائے۔تو یہی اس کے لئے انسانیت کی معراج ہوگی۔عام سالک کا تو اطمینان یہی ہے۔کہ! جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔تو اس کا قلب مطمئن ہوجاتا ہے۔لیکن جب سالک ذکرِ کثیر کرنے لگتا ہے۔اور اپنے جملہ لمحات کو ذکرِ الٰہیہ میں ہی صَرف کرتا ہے۔تو اسے دائمی اطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔اور ایسے سالک کی حالت و کیفیت یہ ہوا کرتی ہے۔کہ! جب بندہء مومن سوتا ہے۔اس کی آنکھیں تو سوجاتی ہیں۔

مگر دل بیدار رہتا ہے۔یعنی ذکر کرتا رہتا ہے۔ایسا سالک قضائے الٰہی پر ہر لمحہ راضی ومطمئن ہوجاتا ہے۔اس کے لئے راحت وسکون یا آلام ومصائب برابر ہوتے ہیں۔کیونکہ اس حال وکیفیت پروہ سمجھتا ہے۔کہ جو کچھ بھی ہے۔وہ محبوبِ حقیقی کی جانب سے ہے۔اورمحبوب سے کیا شکوہ۔سالک کی جب یہ کیفیت ہوتی ہے۔تواس وقت اللہ تعالیٰ کی معیت،قرب اورساتھ حاصل ہوتے ہیں۔اوریہی متقین ومحسنین کا مقام ہے۔ جیسا کہ بمصداقِ آیاتِ کریمہ! **ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون**۔ یقیناً! اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے۔جومتقی اورمحسن ہیں۔ جب سالک کو اطمینانِ قلبِ دائمی حاصل ہوجاتا ہے۔تووہ اس وقت مقامِ توکل پر براجمان ہوتا ہے۔کہ جب وہ ہرلمحہ یہ محسوس کرتا ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ ہر حال میں اس کی بہتری چاہنے والا ہے۔کیونکہ وہ **نعم المولیٰ** اور **نعم النصیر** اور **نعم الوکیل** ہے۔ اوراس عظیم ہستی کی پہچان ہمیں حضرت فخرِ رسل ﷺ کی بدولت عطا ہوئی۔

فخرِ بشر، فخرِ رُسلؑ اور حاملِ دینِ ہدیٰ ہے مرکزِ مہر و وفا، نورِ محمد مصطفٰےؐ

گردن جھکی ہے عجز سے، آنکھیں ہوئی ہیں فرشِ راہ دل نے کہا بے ساختہ، صلِّ علیٰ۔صلِّ علیٰ

☆ **اُنس**: اُنس کے لغوی معنی محبت وشفقت اوررغبت وانسیت کے ہیں۔یعنی انس درحقیقت رغبت اورمحبت کے مترادف ایک ایسی لطیف اورغیر محسوس کشش کا نام ہے۔جواپنی پسندیدہ ہستی کی طرف ہوجاتی ہے۔مگراصطلاحِ تصوف میں انس کا مفہوم یہ ہے۔کہ! جب سالک کے قلب پراللہ تعالیٰ اپنے شہودوجمال کی تجلی ڈالتا ہے۔توسالک کا قلب اللہ تعالیٰ کی یاد سے اس قدر مانوس ہوجاتا ہے۔اوروہ جمالِ الٰہی سے خوش ومطمئن ہوکر نفسِ مطمئنہ کے اندرایک لطیف محبت کے تحت اللہ تعالیٰ کا قرب محسوس کرتا ہے۔کیسا کہ حضرت علی ہجویریؒ ''کشف المحجوب'' میں فرماتے ہیں۔کہ! انس کا غلبہ راز کے ساتھ ہوتا ہے۔معرفتِ الٰہی کی وجہ سے جمال کی تجلی اس راز کو باقی رکھتی ہے۔یادرکھو۔کہ جولوگ اہلِ فناء ہوتے ہیں۔وہ ہیبت کومقدم جانتے ہیں۔اورجولوگ اہلِ بقاء ہوتے ہیں۔وہ اُنس (یعنی انسیت) کوفضیلت دیتے ہیں۔ مشائخ کا ایک گروہ تو یہ بھی کہتا ہے۔کہ! انس تو جنس سے ہی ہوسکتا ہے۔جبکہ بندہ تواللہ تعالیٰ کا ہم جنس وہم شکل ہی نہیں۔توپھراس کا انس کیسے صورت پذیر ہوسکتا ہے۔اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا بندے سے مانوس ہونا بھی مشکل امر ہے۔لیکن اگر پھربھی انس کسی بھی طرح سے ممکن ہوسکتا ہے۔تویہ صرف اللہ تعالیٰ کی یاد اوراس کے مکمل انہماک ومحویت کے ساتھ ہی ممکن ہوسکتا ہے۔(واللہ اعلم بالصواب) بہر حال! اس حال میں سالک کو چاہیئے۔کہ! وہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنے قلب کوتروتازہ رکھے۔بلکہ اس میں کثرت پیدا کرے۔کیونکہ! نفسِ مطمئنہ کوغیر کے ذکر سے بچانا بھی ضروری ہوتا ہے۔اوریہ کام انس کرتا ہے۔اس حالت وکیفیت کے بعد سالک کوحقائق کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے۔جوکہ حقیقت کی ابتداء جبکہ معرفتِ الٰہی کی نوید۔۔۔

عشق ہے پابندِ وفا، نہ کہ پابندِ رسوم سر جھکانے کو نہیں کہتے سجدہ کرنا

☆ **مشاھدہ**: مشاہدہ کے لغوی معنی دیکھنے یا معائنہ کرنے کے ہیں۔مگراصطلاحِ تصوف میں مشاہدہ سے مراد دل کی باطنی آنکھ سے ملاحظہ کرنا ہے۔سالک کا قلب جب ذکرِالٰہی سے منور ومطمئن ہوجاتا ہے۔تواس پر سے معصیت اورافکارِ فاسدہ کا زنگ اُترجاتا ہے۔ظلمت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔اورظلمت کی جگہ پراللہ تعالیٰ کا حقیقی نوربھرجاتا ہے۔اس طرح وہ سالک صاحبِ بصیرت ہوجاتا ہے۔جس کی وجہ سے اس کی فراست وسیع ہوجاتی ہے۔کیونکہ! جیسے جیسے حجابات دورہوتے چلے جاتے ہیں۔ ویسے ویسے اللہ تعالیٰ کے اسرارورموزمنکشف ہونے لگتے ہیں۔جس سے کہ اس کی باطنی آنکھ روشن ہوجاتی ہے۔اوربالآخروہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی نورسے دیکھنے کے قابل ہوجاتا ہے۔چنانچہ وہ اس ارشاد کا مظہر بن جاتا ہے۔ **اتقوا فراسة المؤمن. ینظر بنور الله**۔ مومن کی فراست سے ڈرو۔(کیونکہ) وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔(حدیث)

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

یہ حال سالک کے لئے مقامِ احسان ہوتا ہے۔جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔کہ! تُو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کر۔گویا تُو اسے دیکھ رہا ہے۔ورنہ وہ تو(ویسے بھی ہرلمحہ،ہرجگہ) تجھے دیکھتا ہی ہے۔شاید اسی ضمن میں حضرت علی شیرِ خداؓ کا ایک قولِ مبارک ہے۔کہ! **لا اعبد ربا لم اراہ**۔ میں اُس رب کی عبادت نہیں کرتا۔جس کومیں نہیں دیکھتا۔ اوریہی احسان ہی ہے۔کہ! جس میں صوفیائے کرام اُن چیزوں کا بالعین مشاہدہ کررہے ہوتے ہیں۔کہ جن کوظاہری آنکھ سے دیکھنا ناممکنات میں سے ہے۔

نہ ہرزن، زنست و نہ ہر مرد مرد خدا پنج انگشت را یکساں نکرد

حدیثِ قدسی میں آتا ہے۔کہ! جب میرا (کوئی) بندہ میری طرف رجوع کرتا ہے۔تومیں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں۔جس سے وہ دیکھتا ہے۔۔۔اسی طرح سے قرآنِ پاک میں آیا ہے۔کہ! **اللہ نور السمٰوٰت والارض**۔ اللہ تعالیٰ آسمانوں اورزمین کا نورہے۔ اوراسی نور سے کائنات کا ذرہ ذرہ چمک رہا ہے۔جگمگا رہا ہے۔اوریہ نوردنیا کی ہرہرجگہ پرموجودہے۔جب اسی نور کی روشنی سالک کے قلب پرپڑتی ہے۔تووہ قلب کی آنکھ سے مشاہدہ کرتا ہے۔اوراس کے سامنے سے تمام حجابات ہٹ جاتے ہیں۔شاید علامہ محمد اقبالؒ نے اسی حال سے گزرنے کے لئے دعا کی تھی۔

خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نورِ بصیرت عام کر دے

☆ **یقین :** یقین خاتم الاحوال ہے۔اس کے لغوی معنی تو یہ ہیں۔کہ! وہ علم یا معلومات کہ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔مگر اصطلاحِ تصوف میں یقین کا مفہوم یہ ہے۔کہ! کسی پوشیدہ چیز کو قوتِ ایمانی سے بعینہٖ درست طور پر ملاحظہ کر لینا۔اور اس کے لئے کسی دلیل وحجت کی ضرورت کو محسوس نہ کرنا۔یعنی کہ! رویتِ عیاں بقوتِ ایمان نہ بحث وبرہان۔قرآنِ حکیم نے یقین کے تین درجات بیان کئے ہیں۔علم الیقین۔عین الیقین۔حق الیقین۔

صاحبِ کشف المحجوب جناب حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ نے یقین کی انہی تینوں اقسام کو اس طرح سے بیان فرمایا ہے۔ کہ! **علم الیقین** کا مطلب دنیاوی معاملات کو ان کے احکامات کے ساتھ جاننا۔اور **عین الیقین** کا مطلب حالتِ نزع اور وقتِ رحلت کا علم ہے۔جبکہ **حق الیقین** سے مراد جنت میں اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے اور اس کے احوال اور کیفیات کو ملاحظہ کرنا ہے۔ لہذا علم الیقین علماء کا درجہ ہے۔کیونکہ! وہ احکاماتِ شریعہ کے معاملات اموارات پر ثابت قدم ہوتے ہیں۔اور عین الیقین عارفین کا درجہ ہے۔کیونکہ وہ لوگ حالتِ نزع اور وقتِ رحلت کے منتظر رہتے ہیں۔تاکہ اُن کا وصالِ حقیقی نصیب ہو جائے۔جبکہ حق الیقین درحقیقت محبانِ حق کی فنا کا درجہ ہے۔کہ وہ اس لحاظ سے کل موجوداتِ دنیا سے قطع نظر کئے ہوئے ہیں۔(لہذا یاد رہے۔کہ!) علم الیقین مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔عین الیقین محبتِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔جبکہ حق الیقین مشاہدہ حق سے حاصل ہوتا ہے۔(انتہی کلام الامام علی ہجویریؒ) یاد رہے۔کہ! یہ دس احوال ہیں۔جو ہر سالک کو راہِ طریقت میں پیش آتے ہیں۔جب وہ مرشد کی رہبری میں مقاماتِ سلوک سے گزر رہا ہوتا ہے۔تو بالآخر وہ منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے۔اور یہ درجہ ومقام فناء فی اللہ کا ہے۔

اس کا ملنا ہی مقدر میں نہ تھا ورنہ   ہم نے کیا کچھ نہیں کھویا، اُسے پانے کے لئے

☆☆☆ **درجہ ومقامِ فنا فی اللہ :** فنا کے لغوی معنی گم ہو جانا کے ہیں۔مگر اصطلاح تصوف اور شریعت وطریقت میں فناء فی اللہ سے مراد ہے۔کہ! بندہ اپنی ذات کے ناقص ہونے کا مکمل احساس پیدا کر لے۔اور اس کی کوئی خواہش باقی نہ رہے۔وہ مکمل طور پر اپنی نفی کر دے۔اور وہ اپنے آپ کو ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔جو ہمیشہ سے ہے۔اور ہمیشہ ہی رہے گا۔ بمصداق آیتِ قرآنی! **کل من علیھا فان۔و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔** جو (بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق) زمین پر ہے۔سب کو (بالآخر ایک نہ ایک دن ضرور) فنا ہونا ہے۔اور آپ ﷺ ہی کی ذات (بابرکات ہی) ہے۔جو صاحبِ جلال وعظمت ہے (صرف) باقی رہے گی۔(سورہ رحمٰن۔آیت نمبر 27)

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقامِ حیات   مگر عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثبات

خودی ہے مردہ تو مانندِ کاہِ پیشِ نسیم   خودی ہے زندہ تو سلطانِ جملہ موجودات

حصولِ ولایت میں مقاماتِ عشرہ کا بیان :

راہ وصول الی اللہ کے دس اصول یا دس مقامات ہیں۔یعنی منازلِ سلوک کا طے کرنا انہیں دس مقامات کے حصول پر موقوف ہے۔کہ جنہیں مقاماتِ عشرہ کہا جاتا ہے۔جو کہ یہ ہیں۔☆ **توبہ۔** ☆ **زُھد۔** ☆ **قناعت۔** ☆ **توکل۔**

☆ **صبر۔** ☆ **شکر۔** ☆ **خوف۔** ☆ **رجا۔** ☆ **فقر۔** ☆ **رضا۔**

حضرت قطب شیخ الکبیر ابوالجناب حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ نے طریقہء کبرویہ کے متعلق ایک نہایت قیمتی کتاب بنام ''**رسالۃ الاصول العشرۃ**'' تحریر فرمائی ہے۔اور اُن کے وصول الی اللہ کے دس مقامات یہ تحریر فرمائے ہیں۔ ☆ **توبہ۔** ☆ **زُھد۔** ☆ **توکل۔** ☆ **قناعت۔** ☆ **عزلت (یعنی گوشہ نشینی)۔** ☆ **ذکر۔** ☆ **توجہ الی اللہ۔** ☆ **صبر۔** ☆ **مراقبہ۔** ☆ **رضا۔**

زندہء جاوید ہو جاتا ہے وہ مردِ خدا   **موتو اقبل ان تموتوا** کو جو سمجھے زندگی

یاد رہے۔کہ! حضرت قطب شیخ الکبیر ابوالجناب حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ کے مطابق ہر مقام ومنزل کے بعد ہی دوسری منزل ومقام کا حصول ممکن ہو سکے گا۔یعنی کہ! جب تک کوئی توبہ نہیں کرے گا۔وہ زُہد اختیار نہیں کر سکتا۔اور جب تک کہ سالک زہد اختیار نہیں کرے گا۔تو وہ قانع نہیں بن سکتا۔اور قناعت کے حصول کے بنا سالک متوکل نہیں بن سکتا۔۔۔**علیٰ ھذا القیاس۔** بہر حال! میری دعا ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ ان دس مقامات ومراتب کی معرفت وعرفان مجھ ناچیز اور قارئین کتاب ہذا کو من وعن عطا فرمائے۔اور ان کے فیوض وبرکات سے متفع ومستفید فرمائے۔آمین۔بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

اَب یہ فقیر حقیر بندہ ناچیز پر تقصیر (عبدالرؤف البلوشی) خدمت میں اِن دس مقامات کی مختصر مگر جامع تفصیل بیان کرتا ہے۔

☆ **توبۃ :** عربی لغت میں توبہ کی یوں تعریف بیان کی گئی ہے۔'' **التوبۃ رجوع عما کان مذموما فی الشرع الٰی ما ھو محمود فیہ۔** (ترجمہ) شرع (یعنی شریعت) میں جو کچھ مذموم (بُرا کام) ہے۔اس سے لوٹ کر محمود (اچھے کام) کی طرف آجانے کا نام ''توبہ'' ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے۔کہ! **وتوبوا الی اللہ جمیعا. ایہ المؤ منون لعلکم تفلحون۔** (سورہ نور۔آیت نمبر **31**) اور تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف (آگے) توبہ کرو۔اے ایمان والو! تاکہ تم فلاح پاؤ۔(یعنی جو شخص توبہ کرتا رہے گا۔وہ ضرور فلاح پائے گا۔انشاءاللہ)

تُو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے   حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق   جو تجھے حاضر و موجود سے بے زار کرے

☆ **زُہد** : حضرت جنیدِ بغدادیؒ کا قول ہے۔ کہ! دنیا کو حقیر جاننا اور دل سے اس کے نشانات محو کرنا ''زُھد'' کہلاتا ہے۔ زُہد ایک مرتبہ قلبیہ ہے۔ اس مرتبے پر پہنچنے کے بعد قلب سے دنیا کی محبت یکسر نکل کر ختم ہو جاتی ہے۔ زہد ایک مرتبہءِ قلبیہ ہے۔ اس مرتبہ ومقام پر پہنچ کر سالک کے قلب سے دنیا کی لذتیں، عیش وعشرت، آسائشیں، رنگینیاں وغیرہ نکل جاتی ہیں۔ جس کے باعث وہ دنیا کی طرف التفات نہیں رکھتا۔ اس کے لئے فقر وغنا اور اخذ وعطا دونوں حالتیں برابر ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ! وہ قلبی طور پر طلبِ دنیا اور خواہشاتِ نفس سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔ زہد کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے۔ کہ! بندہ کا ہاتھ دنیا کے مال سے خالی ہو جائے۔ اور وہ کسبِ حلال چھوڑ کر محتاجی کی زندگی گزارنا شروع کردے۔ یاد رہے۔ کہ! حضرت سیدنا صدیقِ اکبرؓ یوں دعا کیا کرتے تھے۔ **اللھم ابسط لی الدنیا و زھد نی عنھا**۔ (ترجمہ) اے میرے اللہ تعالیٰ! میرے لئے دنیا کشادہ فرمادے۔ اور اس سے مجھے زہد عطا فرما۔ (کشف المحجوب)

حضرت علامہ المناویؒ نے فرمایا۔ کہ! زہد، مالِ دنیا سے مکمل طور پر اجتناب کرنے کا نام نہیں۔ بلکہ زہد تو یہ ہے۔ کہ! دنیا کا مال ہونا یا نہ ہونا سالک کے لئے یکساں اہمیت وحیثیت کا حامل ہو۔ اس طرح کہ! سالک کا مال کے ساتھ تعلقِ قلبی نہ رہے۔ تاکہ وہ آفاتِ دنیا سے محفوظ رہ سکے۔

سیرت النبی ﷺ میں ہماری زندگی کے تمام سوالات کے **100%** کافی وشافی جوابات دستیاب ہیں۔ اور زہد کے حقیقی معنی ومفہوم کو سمجھنے کے لئے بھی حضرت امام الزاہدین سید الرسل ﷺ کا قول وفعل واضح ترین صورتوں میں بعینہٖ موجود ہے۔ کہ آپ ﷺ بھی گوشت، حلوہ، شہد اور مشروبات (کھانے پینے میں) استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اور ویسے بھی اسلامی تعلیمات میں رہبانیت کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔ اعتدال پسندی سالک کو ہمیشہ کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **الھکم التکا ثر۔ حتی زرتم المقابر**۔ (تمھیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے غافل رکھا۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے) اسی طرح زُہد کی ایک مثال اس آیت کریمہ میں یوں بیان ہوئی ہے۔ کہ! ''**وما الحیٰوۃ الدنیا الا لعب ولھو. وللدار الأ خرۃ خیر للذین یتقون. افلا تعقلون**۔'' (ترجمہ) اور دنیوی زندگی (کی لذتیں، اسائش وراحتیں، عیش وعشرت) کھیل تماشوں کے سوا کچھ نہیں۔ اور یقیناً آخرت کا گھر ہی ان لوگوں کے لئے بہتر ہے۔ جو تقوٰی اختیار کرتے ہیں۔ کیا تم (یہ صریح حقیقت) کا ادراک نہیں رکھتے۔ (سورہ الانعام۔ آیت نمبر **32**) ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ! ''**المال والبنون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا. والبقیت الصلحت خیر عند ربک ثوابا و خیر املا**۔'' (ترجمہ) مال اور اولاد (تو صِرف) دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔ اور (حقیقت میں) باقی رہنے والی (تو صِرف) نیکیاں (ہی ہیں۔ جو کہ) آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے لحاظ سے (بھی بہت) بہتر ہیں۔ اور آرزو کے لحاظ سے (بھی) خوب تر ہیں۔ (سورہ کھف۔ آیت نمبر **46**) ابنِ ماجہ کی ایک حدیث ہے۔ کہ! حضرت سہل بن سعد الساعدیؓ سے روایت ہے۔ کہ! ایک شخص بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضرِ خدمت ہو کر عرض گزار ہوا۔ کہ مجھے (کوئی) ایسا عمل بتائیے۔ (کہ) جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے میرے ساتھ محبت کیا کریں۔ (تو) آپ ﷺ نے فرمایا۔ دنیا میں زہد اختیار کر۔ اس سے اللہ تعالیٰ اور لوگ تیرے ساتھ محبت کریں گے۔ اسی طرح سے ایک اور حدیث میں یوں بیان ہوا ہے۔ کہ! حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے۔ کہ! حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! زُھد اور دنیا سے بے رُغبتی حلال کو حرام کر دینے اور مال کو ضائع کر دینے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ! زُہد (تو) یہ ہے۔ کہ جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس سے زیادہ قابلِ اعتماد نہ ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور جب تجھے مصیبت پہنچے۔ تو اس کے ثواب (کے حصول) میں زیادہ رغبت رکھے۔ اور یہ تمنا ہو۔ کہ کاش! یہ میرے لئے باقی رہتی۔ (جامع ترمذی۔ ابنِ ماجہ۔ طبرانی) دنیا کی مذمت اس حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ کہ! **قال رسول اللہ ﷺ! الدنیا سجن المؤمن و جنّۃُ الکافر**۔'' (ترجمہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ (کہ) دنیا مومن کا زندان اور کافر کی جنت ہے۔ (صحیح مسلم۔ جامع ترمذی)

حضرت شیخ نجم الدین الکبریٰؒ فرماتے ہیں۔ کہ! زہد کا مطلب فائدہ مند چیزوں اور ان کی خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہے۔ خواہ کم ہوں یا زیادہ۔ مال کی صورت میں ہوں یا جاہ ومنصب کی صورت میں۔ جیسا کہ ایک انسان اپنی طبعی موت کے سبب ان چیزوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ اور حقیقتِ زہد یہ ہے۔ کہ! دنیا وآخرت دونوں کی خواہش چھوڑ دے۔ آنحضور نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ کہ! اہلِ آخرت پر دنیا حرام ہے۔ کیونکہ! وہ دنیاوی مال ومتاع سے فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ اور اہلِ دنیا پر آخرت حرام ہے۔ کیونکہ اہلِ آخرت کے فوئد سے فیض یاب ہونا اہلِ دنیا کے مقدر میں نہیں۔ اور اہل اللہ پر دنیا وآخرت دونوں ہی حرام ہیں۔ کیونکہ! وہ دونوں (دنیا یا آخرت) سے نہ تو متفع ومستفید ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی ان سے لطف اندوزی کی سعی کرتے ہیں۔

☆ **قناعت** : اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں فرماتا ہے۔ کہ! **من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مؤ من فلنحیینہ حیوٰۃ طیبۃ. ولنجز ینھم اجر ھم با حسن ما کانوا یعملون**۔ (ترجمہ) جس شخص نے بھی مومن ہونے کی حالت میں نیک عمل کیا ہوگا۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ ہم اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔ اور ایسے لوگوں کو ان کے بہترین اعمال کے مطابق ان کا اجر ضرور عطا کریں گے۔ (سورہ نحل۔ آیت نمبر **97**) صاحبِ رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں۔ کہ! کثیر علمائے تفسیر کا اس بات پر قوی اتفاق ہے۔ کہ! ''حیاتِ طیبہ'' سے مراد دنیا میں قناعت ہے۔ اسی طرح سے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ کہ! **لیرزقنھم اللہ رزقا حسنا**۔ (ترجمہ) البتہ! اللہ تعالیٰ انہیں اچھا رزق عطا فرمائے گا۔ (سورہ حج۔ آیت نمبر **58**) یاد رہے۔ کہ! علمائے تفسیر فرماتے ہیں۔ کہ! ''رزقاً حسنا'' سے مراد قناعت ہی ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے۔ کہ! ''**قال رب اغفر لی وھب لی ملکا لا ینبغی لا حد من م بعدی. انک انت الوھاب**۔ (ترجمہ) کہنے لگے: کہ! اے میرے پروردگار! میری بخشش فرمادے۔ اور مجھے ایسی سلطنت عطا فرمادے۔ (کہ) جو میرے بعد کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو۔ بے شک تیری اور صرف تیری ہی ذات وہ ہے۔ جو اتنی سخی داتا

ہے۔ (سورہ صٓ۔ آیت نمبر 35) بعض مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں ''**ملکا**'' سے مراد بھی قناعت ہے۔ اسی طرح سے حدیثِ نبوی ﷺ میں قناعت کی یوں تعریف کی گئی ہے۔ کہ! **القناعۃ مال لا ینفد و کنز لا یفنی** (ترجمہ) یعنی قناعت نہ ختم ہونے والا مال اور خزانہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ! **القناعۃ کنز لا یفنی**۔ (قناعت ایک ایسا خزانہ ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ (بیہقی۔ منذری) حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! امارت (امیر ہونا) کثرت مال سے نہیں ہوتی۔ بلکہ اصل امارت **دل کا غنی ہونا** ہے۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم)

حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! اوپر والا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) نیچے والے ہاتھ (یعنی لینے والا ہاتھ) سے بہتر ہے۔ اور (صدقہ و خیرات کی) ابتدا اپنے (ہی) اہل و عیال سے کرو۔ اور بہترین صدقہ وہ ہے۔ جس کے بعد استغناء قائم رہے۔ اور جو سوال کرنے (یعنی مانگنے) سے بچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ (بھی) اسے (اس کے صبر و شکر کے عوض) سوال کرنے سے بچا لیتا ہے۔ جو استغناء اختیار کرتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ غنی کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری۔ صحیح مسلم) ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ! حضرت فضالہ بن عبید؄ بیان فرماتے ہیں۔ کہ! مَیں نے حضور نبی مکرم ﷺ کو (یہ) فرماتے سنا۔ (کہ) اس کے لئے بشارت ہے۔ جسے اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی۔ اور جسے بقدرِ ضرورت روزی نصیب ہو۔ اور اس نے اس پر قناعت اختیار کی۔ (جامع ترمذی۔ طبرانی) اسی طرح سے ایک نہایت ہی سبق آموز حدیث میں ہے۔ کہ! حضرت ثوبان؄ سے مروی ہے۔ کہ! حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ (کہ) جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے۔ کہ (وہ) لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگے گا۔ مَیں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ (تو) حضرت ثوبان؄ نے عرض کیا۔ (کہ) مَیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت ثوبان؄ کسی سے کچھ نہیں مانگا کرتے تھے۔ (سنن ابی داؤد۔ مستدرک حاکم) ☆ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی؇ فرماتے ہیں۔ کہ! ''**قناعت اس کا نام ہے۔ کہ! انسان صرف اللہ تعالیٰ ہی سے سوال اور طلب کرے۔** نہ کہ کسی غیر سے۔ اور مزید فرماتے ہیں۔ کہ! **اکابر کا موجود پر ہی اکتفا کرنے سے مراد یہ ہے۔ کہ! سوال اور طلب میں حق سبحانہٗ تعالیٰ پر ہی اکتفا کیا جائے۔** اور شیخ بزرگوار کا یہ قول ہے۔ کہ! **بقدر ضرورت (جو چیز موجود ہو) اسی پر اکتفا کرنا قناعت ہے۔**☆ حضرت ابو عبد اللہ خفیف؇ فرماتے ہیں۔ کہ! ''**مفقود چیز کی امید کو ترک کرنے اور موجود چیز کے ساتھ استغنا کا نام قناعت ہے۔**''☆ حضرت محمد بن علی ترمذی؇ فرماتے ہیں۔ کہ! ''**جو رزق کسی انسان کی قسمت میں لکھا جا چکا ہو۔ اسی پر راضی رہنے کا نام قناعت ہے۔**''☆ حضرت بشر حافی؇ فرماتے ہیں۔ کہ! ''**قناعت ایک ایسا فرشتہ ہے۔ جو مومن کے دل کے سوا کہیں (بھی) سکونت اختیار نہیں کرتا۔**☆ کسی نے حضرت ابو یزید؇ سے پوچھا۔ کہ! آپ؇ اس مقام (ولایت) پر کیونکر پہنچے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ! ''**مَیں نے دنیا کے اسباب کو جمع کر کے رسی سے باندھ دیا۔ پھر صدق کی منجنیق میں رکھ کر نا اُمیدی کے سمندر میں پھینک دیا۔ لہٰذا میں آرام میں رہا۔**☆ حضرت امام شافعی؇ فرماتے ہیں۔ کہ! ''**قناعت سے (واقعتاً) راحت میسر ہوتی ہے۔**

توکل : (توکل یعنی) جو بھی کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس پر اعتماد ہو۔ اور جو بھی کچھ لوگوں کے پاس ہے۔ اس سے مایوسی ہو۔

توکل ایک قلبی مرتبہ و مقام ہے۔ جس میں متوکل بندہ اپنے جملہ امور صدق قلب اور خلوصِ نیت سے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور اپنے جمیع احوال میں صرف اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد و اعتبار کرتا ہے۔ اپنے تئیں جد و جہد اور محنت کے بعد نتیجہ اسی ذات وحدہٗ لا شریک لہٗ مسبب الاسباب پر چھوڑ دیتا ہے۔ لیکونکہ! توکل اور اسباب کے درمیان کسی قسم کا کوئی تعارض نہیں ہے۔ چونکہ توکل کا محل قلب جبکہ اسباب کا محل بدن ہے۔ یاد رہے۔ کہ! اہلِ توکل کا دائمی وظیفہ ''**حسبنا اللہ و نعم الوکیل**'' ہے۔ کیونکہ! وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بخوبی واقف ہیں۔ کہ! ''**و من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ**'' (اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے۔ پس (صرف اللہ تعالیٰ ہی) اُس کے لئے کافی ہے) حضرت نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایسے ہی توکل کرو۔ جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے۔ تو وہ تم کو ایسے رزق دے گا۔ جیسے (کہ وہ ذاتِ برحق) پرندوں کو دیتا ہے۔

☆ **صبر** : صبر کی تعریف یوں ہے۔ کہ! ابتلاء کے وقت لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہ کرنے کا نام صبر ہے۔

صبر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ! ''**ان اللہ مع الصّٰبرین**'' (ترجمہ) یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔ (سورہ بقرہ۔ آیت نمبر 153) اسی طرح ایک اور جگہ فرمانِ رحمانی ہے۔ کہ! ''**و لنبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرٰت۔ و بشر الصّٰبرین**'' (ترجمہ) اور ہم ضرور بالضرور تمہیں آزمائیں گے۔ کچھ خوف اور بھوک سے۔ اور کچھ مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصانات سے۔ اور (اے حبیب!) آپ (ان) صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیں۔ (سورہ بقرہ۔ آیت نمبر 155) ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے۔ کہ! ''**نعم اجر العٰملین۔ الذین صبروا و علی ربھم یتوکلون**'' (ترجمہ) عمل (یعنی اعمالِ صالحہ) کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے۔ (کہ! یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ) جنہوں نے صبر کیا۔ اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے رہے۔ (سورہ العنکبوت۔ آیت نمبر 59-58) حضرت عباس؄ جناب نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ! جو خداوندی فرائض کے ادا کرنے پر صبر کرتا ہے۔ اور جما رہتا ہے۔ اُس کو تین سو درجات نصیب ہوتے ہیں۔ اور جو خداوندی ممنوعات سے بچنے پر صبر کرتا ہے۔ اور ثابت قدم رہتا ہے۔ اُس کو چھ سو درجات نصیب ہوتے ہیں۔ اور جو مصیبت پر صبر کرتا ہے۔ اُس کو نو سو درجات ملتے ہیں۔ کسی عارف کا قول ہے۔ کہ! صبر کے تین درجات ہیں۔ پہلا درجہ شکایت کا چھوڑ دینا ہے۔ اس کو صبر جمیل کہتے ہیں۔ یہ تائبین کا درجہ ہے۔ دوسرا درجہ تقدیر پر راضی رہنا ہے۔ اور یہ زاہدین کا درجہ ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے۔ کہ جو خدا کرے۔ اس پر محبت کرنا۔ یہ صدیقین کا درجہ ہے۔

دُنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہوں یارب — کیا لطف انجمن کا، جب دل ہی بجھ گیا ہو

☆ **شکر** : صبر کی تعریف یوں ہے۔کہ! نعمت کے اعتراف اور خدمت کے ساتھ قیام کا نام شکر ہے۔اگر کوئی شخص اس میں اضافہ کی توفیق پائے۔تو اس کو شکور کہا جاتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ! ''**و قلیل من عبادی الشکور**۔''(یعنی) اور میرے بندوں میں سے شکور (شکرگزار) تھوڑے سے ہیں۔(سورہ سباء۔آیت نمبر 13) اسی طرح ایک اور تعریف یہ بھی ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو اسی مقصد کے لئے صَرف کرنا، کہ جس کے لئے وہ نعمتیں پیدا کی گئی ہیں، شکر کہلاتا ہے۔شکر کی اجمالی طور پر تین اقسام ہیں۔ **شکر اللسان**۔ **شکر الارکان**۔ **شکر الجنان**۔

☆ **شکر اللسان**۔(یعنی) زبان سے شکر ادا کرنا: تحدیثِ نعمت کو کہتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔''**و اما بنعمة ربك فحدث**۔'' (یعنی) اور جو تمھارے پروردگار کی نعمت ہے۔اس کا تذکرہ کرتے رہنا۔(سورہ **والضحیٰ**۔آیت نمبر 11) ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔(کہ) کھانا کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا (اجر وثواب میں) صبر کرنے والے روزہ دار کے برابر ہے۔

☆ **شکر الارکان**۔(یعنی) اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے شکر ادا کرنا: عملِ خالص کو کہتے ہیں۔ ''**ا عملوا اٰلِ داؤد شکرا**۔''(یعنی) اے داؤدؑ کے خاندان والو! تم ایسے عمل (اعمالِ صالحہ وشکرگزاری) کیا کرو۔(کہ) جن سے (تمھارا) شکر ظاہر ہو۔(سورہ سباء۔آیت نمبر 13)

☆ **شکر الجنان**۔(یعنی) دل سے اس طرح شکر ادا کرنا، کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے: شہادتِ قلبی کو کہتے ہیں۔قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔کہ! ''**وما بکم من نعمة فمن الله**۔''(یعنی) اور تم کو جو (بھی) نعمت عطا ہوتی ہے۔وہ (صِرف اور صِرف) اللہ تعالیٰ (ہی) کی طرف سے ہوتی ہے۔(سورہ نحل۔آیت نمبر 53) **وا شکرولی ولا تکفرون**۔ (سورہ بقرہ۔آیت نمبر 1152) اور میرا شکر ادا کرو۔اور میری ناشکری نہ کرو۔ **ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثرالناس لا یشکرون**۔(سورہ بقرہ۔آیت نمبر 243) حقیقت یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ لوگوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے۔لیکن اکثر لوگ (اللہ تعالیٰ کا) شکر ادا نہیں کرتے۔**فاتقوا الله لعلکم تشکرون**۔(سورہ آلِ عمران۔آیت نمبر 123) لہذا (اگر تم لوگ صرف) اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تو تم شکرگزار ہوگے۔ **و سیجزی اللہ الشّٰکرین**۔(سورہ آلِ عمران۔آیت نمبر 144) عنقریب اللہ تعالیٰ شکرگزاروں کو نیک بدلہ عطا فرمائے گا۔**و سنجزی الشّٰکرین**۔(سورہ آلِ عمران۔آیت نمبر 145) جو لوگ شکرگزار ہیں۔ان کو ہم (اللہ تعالیٰ) جلد ہی نیک بدلہ عطا کریں گے۔ **ما یفعل الله بعذا بکم ان شکر تم وامنتم**. **و کان الله شاکرا علیما**۔(سورہ نساء۔آیت نمبر 147) اگر تم (اللہ تعالیٰ کے شکرگزار) بنو۔اور (صحیح معنوں میں) ایمان لے آؤ۔تو اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر آخر کیا کرے گا؟ اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے۔اور خوب جاننے والا ہے۔ **کذٰلک یبین اللہ لکم اٰیتہ لعلکم تشکرون**۔(سورہ مائدہ۔آیت نمبر 89) اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں کھول کھول کر تمھارے سامنے واضح کرتا ہے۔تاکہ تم شکر ادا کرو۔ **لئن شکر تم لا زید نکم ولئن کفر تم ان عذابی لشدید**۔(سورہ ابراہیم۔نمبر 07) اگر تم (واقعی) اللہ تعالیٰ کا (خلوصِ دل سے) شکر ادا کرو۔تو مَیں تمھیں اور (بھی) زیادہ دوں گا۔اور اگر تم نے (میری) ناشکری کی۔تو (یقین جانو کہ) میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ **واللہ اخر جکم من م بطون امّھتکم لا تعلمون شیئا. و جعل لکم السمع والابصار والافئدة. لعلکم تشکرون**۔(سورہ نحل۔نمبر 78) اور اللہ تعالیٰ نے تمھاری ماؤں کے پیٹ سے (تم لوگوں) کو ایسی حالت میں نکالا۔کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔اور تمھارے لئے کان، آنکھیں اور دل پیدا کئے۔تاکہ تم (اللہ تعالیٰ کا ہر وقت) شکر ادا کرو۔ **واشکرو انعمت اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون**۔(سورہ نحل۔نمبر 114) اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔اگر تم واقعی اسی (وحدہ لاشریک) کی ہی عبادت کرتے ہو۔ **ومن رحمتہ جعل لکم الیل والنھار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون**۔(سورہ قصص۔نمبر 73) یہ تو اسی (ذاتِ برحق) نے اپنی (وسیع و عریض) رحمت سے تمھارے لئے رات بھی بنائی اور دن بھی۔تاکہ تم اس میں آرام وسکون کرو۔اور اس میں اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔تاکہ تم شکر (بھی) ادا کرو۔ سرورِ دوعالم ﷺ سے حضرت معاذ بن جبلؓ کو وصیت فرمائی تھی۔کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کریں۔'' **اللھم اعنی علیٰ ذکرک و شکرک و حسنِ عبادتک**۔''(سنن ابی داؤد) اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھا کر شکر کرنے والا، صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔(بخاری)

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا۔اے میرے رب! میرے ہر ہر بال پر تیری نعمتیں (اور زندگی پر تیری رحمتیں) ہیں۔تو میں تیرا کس طرح سے شکر ادا کروں؟ (تو) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔کہ! اے موسیٰؑ! جب تُو نے یہ پہچان لیا۔کہ تُو میرا شکر ادا کرنے سے عاجز ہے۔تو تُو نے میرا شکر ادا کر دیا۔ ایک اور روایت ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کی طرف وحی کی۔کہ! میری نعمتوں کا شکر ادا کرو۔(تو) آپؑ نے فرمایا۔اے میرے اللہ! مَیں کیسے تیری نعمتوں کا شکر ادا کروں؟ جبکہ تیرا شکر ادا کرنا مجھ پر تیری سب سے بڑی نعمت ہے۔پس اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی طرف وحی کی۔(کہ) جب تُو یہ بات جان لے۔تو (تُو) میرا سب سے شکرگزار بندہ ہے۔

حکایت : (صبر اور شکر کے متعلق) ایک بزرگ نے دوسرے بزرگ سے دریافت فرمایا۔کہ! اگر تمھیں رزق ملے تو کیا کرتے ہو۔اور اگر تمھیں کچھ نہ ملے۔تو کیا حالت ہوتی ہے تمھاری؟ دوسرے بزرگ نے کہا۔کہ اگر ملے۔تو شکر کرتا ہوں۔اور اگر نہ ملے۔تو صبر کا دامن تھام لیتا ہوں۔

اس جواب پر پہلے بزرگ نے فرمایا۔کہ! یہ خاصیت تو جانور (سگ) کی بھی ہوتی ہے۔تو پھر تم میں اور اس جانور میں کیا تفاوت ہوگا۔اس بات پر دوسرے بزرگ نے کہا۔کہ اگر ملے تو کیا کرنا چاہیئے۔اور اگر نہ ملے۔تو کیا کرنا چاہیئے۔تو پہلے بزرگ نے فرمایا۔کہ! اگر ملے تو صدقہ وخیرات کر دینی چاہیئے۔اور جب کچھ نہ ملے تو شکر ادا کرنا چاہیئے۔(کیونکہ متوکلین علی اللہ کا یہی طریقہ ہمیشہ سے رہا ہے)

☆ **خــوف** : خوف کی تعریف (بمطابق حضرت شیخ شریف جرجانیؒ) یوں ہے۔کہ! کسی ناپسندیدہ امر کے واقع ہونے یا کسی محبوب چیز کے فوت ہونے کو خوف کہا جاتا ہے۔ جبکہ امام غزالیؒ اپنی کتاب احیاء العلوم (جلد چہارم) میں فرماتے ہیں۔کہ! مستقبل میں درپیش آنے کے خدشے کے سبب دل میں پیدا ہونے والے درد، سوزش اور گھبراہٹ کی سی کیفیت کو خوف کہا جاتا ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمانِ عالی شان ہے۔کہ! **واما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھوٰی. فان الجنۃ ھی الماویٰ** ۔(ترجمہ) اور رہا وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف رکھتا تھا۔ اور اپنے نفس کو بُری خواہشات سے روکتا تھا۔تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگی۔(سورہ النازعات۔41-40)

رجاء : رجاء کی تعریف میں صوفیائے کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ جیسا کہ! ☆ اللہ تعالیٰ سے اس کے کرم کی اُمید کا نام رجاء ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے جلال کو جمال کی آنکھوں سے دیکھنے کا نام رجاء ہے۔☆ اللہ تعالیٰ کی مہربانی پر خوشی کا اظہار کرنا رجاء کہلاتا ہے۔

دادِ حق را قابلیت شرط نیست   بلکہ شرطِ قابلیت دادِ اُوست

☆ **فقر** : فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ. (ترجمہ):** فقیر وہ ہیں۔جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں۔(سورہ بقرہ۔273) چند احادیثِ نبویہ ﷺ برفقر! ☆ **الفقر فخری وبہ وافتخر علیٰ سائر الانبیاء یوم القیامۃ** ۔(یعنی کہ) فقر کے کمال پر مجھے فخر ہے۔اور اِسی بے مثل کمال (فخر) کے باعث مَیں بروزِ قیامت تمام انبیائے کرامؑ کے درمیان سَر بلند ہوں گا۔**الفقر فخری وبہ والفقر منی** ۔(یعنی کہ) فقر میرا فخر ہے۔اور فقر ہی میرا اصل ترکہ وورثہ ہے۔ **الفقرعز لا ھلہ** ۔(یعنی کہ) فقر (درحقیقت) اہلِ فقر کے لئے موجب عزت ہے۔**الفقر کنز من کنوز اللہ تعالیٰ** ۔(یعنی کہ) فقر (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

یہ فقر، مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے   رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی

مقامِ فقر یا حقیقتِ فقیر کو جاننے سے پہلے ہمیں یہ لازمًا سمجھنا پڑے گا۔کہ! غلبہء حال کے ظہور سے پہلے اسلام اور کفر کے مابین تمیز کرنا نہایت ضروری ہے۔جس طرح کہ اہلِ شرع کے نزدیک زندقہ وکفر ہے۔ بعینہٖ اہلِ طریقت وحقیقت کے نزدیک بھی کفر ہے۔یاد رہے۔کہ! اگرچہ اہلِ شریعت واہلِ طریقت کے مابین اگر تھوڑا بہت اختلاف ہے۔تو وہ صرف غلبہء حال کے سبب ہے۔جیسا کہ! حضرت شیخ منصور ابن حلاجؒ مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے اہلِ شریعت نے بوجہ متجاوزعن الحد الشرع دارتخت پر پھانسی دینے کا فتویٰ صادر کیا۔ کیونکہ! شریعت کا حکم بالآخر بالکل واضح ہے۔جس میں قطعًا کسی بھی قسم کی کوئی کجی نہیں۔ اسی طرح سے فقراء بھی دائرہء شریعت کے سخت پابند ہوتے ہیں۔یہ لوگ امر بالمعروف ونہی المنکر کے بہت بڑے داعی ہوتے ہیں۔ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جب فقیر کے معنیٰ دریافت کئے گئے۔تو آپؒ نے یہ ابیات پڑھے۔

فاء الفقیر فنائہ فی ذا تہ   و فراغہ من نعتہ و صفا تہ

والقاف قوۃ قلبہ بحبیبہٖ   و قیا مہ للہ فی مر ضا تہ

والیاء یوجوا ر تہ و یخا فہ   و یقوم با لتقوی بحق تقا تہ

والراء ر قۃ قلبہ و صفا تہ   و رجو عہ للہ عن شھو ا تہ

حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانیؒ فرماتے ہیں۔کہ جس وقت مَیں باطنی دُنیا کے مراتب و مدارج طے کرتا ہوا چلا۔تو مَیں زُہد کے دروازے پر جا پہنچا۔اس دروازے پر مَیں نے بڑی بھیڑ دیکھی۔ چنانچہ مَیں راستہ بنا کر اس دروازے سے گذر گیا۔پھر مَیں توکل، صبر، رضا وغیرہا کے مختلف وبے شمار مقامات کے دروازوں پر پہنچا۔سب دروازوں پر مَیں نے لوگوں کا جم غفیر اور جمگھٹا ملاحظہ کیا۔اور مَیں ان کو چیرتا ہوا ان سے (بآسانی) گذر گیا۔پھر مَیں آخر میں ''فقر'' کے دروازے پر پہنچا۔اور اس کو خالی پایا۔اور اس پر کسی طالب وسالک کو نہ پایا۔سو مَیں اسے بھی کھول کر اس سے بھی گذر گیا۔(الحمد للہ)

اور حضرت شیخ عبداللہ خفیفؒ فرماتے ہیں۔کہ! فقیر درحقیقت وہ ہے۔جو کسی بھی شئے کا مالک نہ ہو۔اور صفات کے احکام سے نکل جائے۔(یعنی اس میں کسی بھی شئے کی ملکیت کا تصور اور اس کی تمنا ہی باقی نہ رہے)

اے شام مجھ میں قیام کر   میرا رنگ و روپ نکھار دے

جو گذر گئی، سو گذر گئی   میری باقی عمر سنوار دے

☆ **رضا** : رضا کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ عالیشان ہے۔کہ! **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ. ذالک الفوز العظیم** ۔(ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔اور وہ اس سے راضی ہوئے۔یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔(سورہ مائدہ۔119) یعنی اللہ تعالیٰ سے صحابہ کرامؓ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پیغمبر ﷺ کی کامل اطاعت اور مشکل وقت میں آنحضور نبی مکرم ﷺ کا ساتھ دینے کی وجہ سے مقامِ رضا پر ایسے سرفراز کئے گئے۔کہ اللہ تعالیٰ اُن صحابہ کرامؓ سے اور وہ صحابہ کرامؓ اللہ تعالیٰ سے یکسر راضی ہو گئے۔اور اسی رضا کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں زبردست کامیابی (یعنی جنت کا عطا فرمایا جانا) عنایت فرمائی۔کہ جس میں ہمیشہ وہ رہیں گے۔ رضا کا صبر سے ایک اوپر والا درجہ ہے۔کیونکہ! جس کو رضا نصیب ہو جائے۔وہ صابر ضرور ہوتا ہی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی شئے ہے۔ایسے ہی بندے کا اپنے رب سے راضی ہو جانا تمام طاعات سے بڑھ کر

ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ اپنی ادعیہ میں (اکثر و بیشتر) فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ تعالیٰ! آپ نے مجھے اپنے ساتھ گفتگو کے ساتھ خاص کیا۔ اور مجھ سے پہلے کسی انسان سے آپ نے کلام نہیں کیا۔ (اے اللہ تعالیٰ) پس میری رہنمائی ایسے عمل کی طرف فرما۔ (کہ) جس سے میں آپ کی ''رَضَا'' حاصل کرسکوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تیرا اپنی رضا کے مقابلے میں میری رضا کے ساتھ راضی ہونا ہے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے۔ کہ! ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا۔ کہ اے رب! مجھے ایسی چیز (بات یا عمل) بتلایئے۔ جس میں آپ کی رضا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُنؑ کے پاس وحی بھیجی۔ کہ میری رضا اسی میں ہے۔ کہ تم میری قضا پر راضی رہو۔ ایک (زاہدہ و عابدہ) عورت کے داڑھ میں شدید درد ہوا۔ تو وہ چیخنے چلانے لگی۔ آواز (ہاتفِ غیبی) آئی۔ کہ! جو ہمارے درد سے صبر نہ کرسکے۔ اُسے چاہیئے۔ کہ وہ ہمارا اقرب چھوڑ کر کوچ کر جائے۔

کریں گے تبصرہ کیا ہوش والے میری ہستی کا یہ دیوانہ ہی سمجھتا ہے، کہ دیوانے پہ کیا گذری

علم الملا ئکہ : اس ضمن میں شیخ عبدالحق مُحدث دہلویؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ جزو ایمان ہے۔ **امنت با لله و ملائکة** ۔۔۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے نورانی اجسام میں پیدا فرمایا ہے فرشتے ہر شکل اختیار کرنے کی قُدرت رکھتے ہیں ان کی ارواح مجروہ ہیں۔ ان کے ہاں مُذکر و مؤنث کا امتیاز یا پھر توالد و تناسل کا سلسلہ نہیں پایا جاتا۔ آسمان و زمین بلکہ تمام اجزائے عالم پر فرشتے مؤکل، مدبر و نگہبان ہیں۔ ایک ایک آدمی پر کئی فرشتے مُقرر ہیں۔ بعض اعمال لکھنے، بعض شیاطین و دیگر موذیات سے بچانے پر مقرر و مُحافظ ہیں۔ تمام عالم علوی و سفلی میں کوئی بھی ایسی جگہ نہیں جہاں پر فرشتے معمور نہ ہوں اسی ضمن میں حدیثِ نبوی ﷺ بھی ہے کہ! (اگر) تمام مخلوقات کے دس حصے تصور کئے جائیں تو ان کے نو حصے فرشتے ہی ہوں گے۔ فرشتوں کے پر اور بازہ بھی ہوتے ہیں لہذا اس بات پر (کہ ان کے پر بھی ہوتے ہیں) ایمان لانا اور اعتقاد رکھنا ضروری اور واجب ہے حدیثِ نبوی ﷺ بھی ہے کہ! حضرت سید الانبیاء والرسل ﷺ نے شب معراج کو جبرائیلؑ کے چھ سو پَر (**Wings**) دیکھے۔ بہر حال تمام فرشتوں میں مُقرب فرشتے چار ہیں۔ جو کہ دنیا کے بڑے بڑے انتظامات، ملک و ملکوت پر معمور ہیں۔ ۱۔ حضرت جبرائیلؑ ۲۔ حضرت میکائیلؑ ۳۔ حضرت اسرافیلؑ ۴۔ حضرت عزرائیل۔

حضرت جبرائیلؑ : حضرت جبرائیلؑ پر علومِ ربانی کا اِلقاء اور وحی الٰہی کی انبیاءؑ تک ترسیل کی عظیم ترین ذمہ داری ہے۔ **حضرت میکائیلؑ** : حضرت میکائیلؑ پر تمام مخلوقات تک رزق کی بہم رسائی اور تقسیم و مقدار کے تعین کا تقرر ہے۔ **حضرت اسرافیلؑ** : حضرت اسرافیلؑ کے ذمہ صور کا پھونکنا ہے۔ یہ صور پہلی مرتبہ تمام عالم کی ہلاکت کے لئے پھونکا جائے گا۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے سے تمام مُردے قبروں سے اُٹھ کر میدانِ حشر میں حاضر ہوں گے۔

حضرت عِزرائیلؑ : حضرت عِزرائیلؑ بحکمِ خُدا تمام مخلوقاتِ عالم کی ارواح قبض کرنے کے مجاز ہیں۔

کوئی فلسفہ نہیں عشق کا جہاں دل جھکے وہاں سر جھکا

وہیں ہاتھ جوڑ کے بیٹھ جا نہ سوال کر، نہ جواب دے

اکثر علمائے کرام کا اس بات پر قوی اتفاق ہے۔ کہ حضرت جبرائیلؑ تمام فرشتوں میں افضل و اشرف ہیں۔ مگر کچھ علماء ان چاروں مقرب فرشتوں کو ہم رُتبہ خیال کرتے ہیں۔ ان چار کے علاوہ وہ آٹھ فرشتے بھی حیثیت میں کم نہیں۔ جنہوں نے عرشِ عظیم کو اُٹھایا ہوا ہے۔ مُنکر و نکیر بھی دو فرشتے ہیں۔ جو بڑے ہی عظیم، ہیبت ناک، سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہیں یہ دونوں قبر میں آکر ہر انسان سے (چاہے وہ کسی بھی مذہب و مِلت سے ہو) تین سوالات کرتے ہیں کہ! ☆ تمھارا رب کون ہے؟ ☆ تمھارا رسولؑ کون ہے؟ ☆ تمھارا دین کیا ہے؟ جوابات صحیح ہونے پر وہ مُردہ ناز و نعمت سے سرفراز ہوگا ورنہ اس کو عذاب دیا جائے گا۔ احادیث نبوی ﷺ میں کئی جگہوں پر آیا ہے کہ گناہ گار کی قبر میں سترا ژدہے اور بچھو ہوں گے۔ اور ان کے زہر کی شِدت کا یہ عالم ہوگا۔ کہ اگر ان میں سے ایک بھی ڈس لے تو دُنیا کے تمام درخت خاکستر ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اژدہے۔ اور بچھو انسان کی صفاتِ ذمیمہ، افعالِ قبیحہ اور دنیاوی تعلقات کی تمام صورتیں ہیں۔ جنہیں عالم قبر میں اژدہے اور بچھوؤں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

کبھی عرش پر، کبھی فرش پر، کبھی اس کے دَر، کبھی دربدر غم عاشقی تیرا شکریہ، مَیں کہاں کہاں سے گذر گیا

چار پُرحکمت باتیں : حضرت قدوۃ الانام زینتُ المفسرین و محدثین جناب جلال الدین عبدالرحمٰن الشافعی السیوطیؒ اپنی یگانہ روزگار کتاب **کتاب الرحمة فی الطب والحکمة** میں رقم طراز ہیں۔ کہ احنف بن قیس کا قول ہے۔ کہ حُکماء نے علم و حکمت کے متعلق چار ہزار پُر حکمت باتیں مُنتخب کیں۔ پھر ان چار ہزار میں سے چار سو باتوں کو چھانٹا۔ پھر اِن چار سو میں سے چالیس کا انتخاب کیا۔ اور پھر اِن چالیس میں سے فقط چار باتوں کا استخراج کیا۔ (گویا کہ دریا کوزے میں بند کر دیا)۔

☆ عورتوں پر اعتبار نہ کرو۔ ☆ معدہ پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔

☆ کثرتِ مال پر (فخر کرتے ہوئے) مغرور نہ ہو جاؤ۔ ☆ اِتنا علم کافی ہے۔ جو نفع دے سکے۔

اس ضمن میں میرے شیخ طریقت جناب پیر سید محبوب علی شاہؒ نے ایک اور بات کا بھی اضافہ فرمایا۔ یعنی تقویٰ

یک لحظہ زِ کوئے یار دوری در مذہبِ عاشقاں حرام اَست

مراتبِ عالیہ تک پہنچنے کے لئے اہلِ مجاہدہ ومحاسبہ کے دس خصائل: (بمطابق کتاب ''غنیۃ الطالبین)

مجاہدہ اور محاسبہ والوں نیز اہلِ طریقت نے اپنے (عروجِ ولایت کے حصول کے) لئے دس خصلتیں اختیار کی ہیں۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اِن (دس) خصائل کو اپناتے ہیں۔ اور ان پر مضبوطی سے کاربند ہوتے ہیں۔ تو وہ مراتبِ عالیہ تک پہنچتے ہیں۔ (وہ دس خصائل یہ ہیں)

1۔ قسم کھانے سے دائمی اجتناب کرنا۔ 2۔ جھوٹ سے دائمی اجتناب کرنا۔ 3۔ وعدہ خلافی نہ کرنا۔ 4۔ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق پر لعنت نہ بھیجنا۔ 5۔ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق (جیسے انسان، حیوان، چرند و پرند یا پھل و پھول، پودے و درخت وغیرہ) کے لئے بددعا نہ کرنا۔ 6۔ اہلِ قبلہ میں سے کسی کے خلاف شرک، کفر اور منافقت کی گواہی سے اجتناب کرنا۔ 7۔ ہمیشہ اپنے ظاہری و باطنی گناہوں پر نظر رکھنا اور اِن سے دائمی اجتناب کرنا۔ 8۔ اللہ تعالیٰ کی کسی مخلوق (مثل انسان وحیوان وغیرہ) پر بوجھ نہ ڈالنا، چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ 9۔ لوگوں سے امید وطمع دائمی طور پر ختم کر کے اللہ تعالیٰ سے مکمل وابستگی اختیار کرنا۔ 10۔ دائمی تواضع اختیار کرنا۔

تیرے سینے میں دَم ہے پَر دل نہیں ہے　　کیونکہ! تیرا دَم گرمیء محفل نہیں ہے
گزر جا عقل سے آگے، کہ یہ نور　　چراغِ راہ تو ہے مگر منزل نہیں ہے

سلسلہء عالیہ چشتیہ کے مقامات کی کیفیات وتشریحات مع اشاراتِ انبیائے کرامؑ:

منتہی در عشق چوں او بود فرد　　پس مرا اورا زِ انبیاءؑ تخصیص کرد

مقامات	مقامات کی کیفیات	مقامات کی تشریحات	اشارات اَز انبیاء و رسلؑ
اول	تائبان	یعنی توبہ	اشارہ حضرت آدمؑ
دوئم	عابدان	یعنی عبادت	اشارہ حضرت ادریس نبیؑ
سوئم	زاھدان	یعنی زُہد	اشارہ حضرت موسیٰؑ
چہارم	صابران	یعنی صبر	اشارہ حضرت ایوبؑ
پنجم	راضیان	یعنی راضی بہ رضا	اشارہ حضرت عیسیٰؑ
ششم	قانعان	یعنی قناعت	اشارہ حضرت یعقوبؑ
ہفتم	مجاھدان	یعنی مجاہدہ	اشارہ حضرت یونسؑ
ہشتم	متفکران	یعنی تفکر	اشارہ حضرت یوسفؑ
نہم	شکستگان	یعنی شکستہ	اشارہ حضرت شعیبؑ
دہم	مرشدان	یعنی رشد و ہدایت	اشارہ حضرت شیثؑ
یازدہم	صالحان	یعنی صالحیت	اشارہ حضرت نوحؑ
دوازدہم	مخلصان	یعنی خلوص	اشارہ حضرت داؤدؑ
سیزدہم	عارفان	یعنی معرفت یا عرفان	اشارہ حضرت خضرؑ
چہاردہم	شاکران	یعنی شکر	اشارہ حضرت ابراھیمؑ
پانزدہم	محبان	یعنی محبت	اشارہ جناب حضرت سید الرسل محمدِ مصطفیٰ ﷺ

اللہ تعالیٰ کی بھلائی: حضرت محمد بن کعبؓ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ نے فرمایا کہ ! جب اللہ تعالیٰ کسی سے بھلائی کا کام لینا چاہتا ہے۔ تو اس میں تین خصلتیں پیدا فرما دیتا ہے۔ ☆ دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ ☆ دنیا سے بے تعلق بنا دیتا ہے۔ ☆ وہ خود اپنے آپ کے عیب تلاش کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ! بہت سی ایسی نیکیاں ہیں۔ جو انسان کرتا ہے۔ لیکن ان (نیکیوں) سے زیادہ نقصان دہ اس (نیکی کرنے والے) کے لئے اور گناہ نہیں۔ اور بہت سے ایسے گناہ ہوتے ہیں۔ کہ کرنے والے کے لئے اس (گناہ) سے زیادہ بہتر نیکی نہیں ہوتی۔

(مفہومِ حدیث) چونکہ نیکی قابلِ تعریف اور بُرائی قابلِ مذمت ہے۔ جب بندہ کوئی نیکی کرتا ہے۔ اور اسی نیکی کے تخیل وتصور میں رہتے ہوئے اپنی نیکی پر ناز وفخر کیا کرتا ہے۔ تو یہی نیکی اُس کیلئے گناہ سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سے اگر کوئی گناہ کرنے کے بعد اپنے اسی گناہ کے تخیل وتصور میں عاجزی وانکساری اور فقر کی حالت میں رہتا ہے۔ تو بندے کا عاجز ومنکسر اور فقیر ہونا زیادہ اچھا ہوتا ہے۔

اسباقِ سلسلہء عالیہ سہروردیہ: (بمطابق کتاب ''خزانہء جواھرِ جلالی اَز حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاریؒ)

جس دن کوئی سالک کسی مرشد کے حضور مرید ہونے کے لئے جائے۔اس دن وہ روزہ رکھے۔صدقہ دے۔اور دوگانہ (نفل صلوٰۃ الحاجت) پڑھے۔اور مرشد کے حضور جاتے وقت اپنے کسی عزیز یا دوست کو (جو کہ پہلے سے وہاں پر مرید ہو) ساتھ لے کر جانا چاہیئے۔مرید ہونے کی تین بنیادی شرائط ہیں۔اقرار (ذہنی و قلبی)، قصر یا حلق، کلاہ۔ایک مرید و سالک میں مندرجہ ذیل صفات کا ہونا لازم ہے۔☆ توبہ۔ زُہد۔ تجرید۔ عقیدہ اہلِ سنت (صاحب تقلید)۔ تقوی۔ صبر۔ مجاہدہ۔ شُجاعت۔ بذل۔ فتوت (عقلی، ذہنی اور شعوری پختگی)۔ صدق۔ علم۔ نیازمندی۔ چالاک (ایسی چالاکی وعیاری کہ جس سے مرید خطرناک مقامات سے بآسانی گذر جائے)۔ سلامت (کسی کے کہنے یا سننے کی پرواہ نہ کرے)۔ عقل۔ ادب۔ تسلیم۔ تفویض۔ حلم (بردباری)۔☆ میرے (بمطابق البلوشی) اوپر دی گئی ترتیب شاید درست نہیں۔ صفات تو یہی بیس ہوسکتے ہیں۔لیکن ترتیب میں ابہام ہے۔کیونکہ! ادب، تسلیم، علم، عقل وغیرہا کو شروع میں ہونا چاہیئے۔☆ اور اسی طرح سے ایک پیرومرشد اور مربی کسی کو مرید کرنے سے پہلے سالک سے کچھ عہود لے لے۔پابندی شریعت، نگاہ کو قابو میں رکھنا، فرائض کی لازم ادائیگی کرنا، زبان وہاتھ سے جملہ لوگوں کو نفع پہنچانا، غیبت و بدگوئی اور چغل خوری سے سخت احتراز کرنا، کسی کا بُرا کبھی بھی نہ سوچنا، ہر کسی کو خود سے برتر خیال کرنا، اوامر کی سختی سے پابندی جبکہ نواہی پر سختی سے احتراز برتنا۔میں مندرجہ ذیل صفات کا ہونا لازم ہے۔☆ ماہرِ علمِ شریعت۔عقیدہ اہلِ سنت والجماعت۔ عاقل۔سخی۔شجاعت۔صاحبِ عفت۔عالی ہمت۔شفیق۔صاحبِ حلم۔ صاحبِ عفوودرگزر۔صاحبِ ایثار۔صاحبِ حسنِ اخلاق۔صاحبِ جودوکرم۔متوکل۔صاحبِ تسلیم۔صاحبِ رضا۔باوقار۔صاحبِ عجلت نہ ہو۔حاملِ ثبات وعزیمت۔صاحبِ ہیبت۔☆ یہاں پر بھی دی گئی ترتیب شاید درست نہیں۔صفات تو یہی بیس ہوسکتے ہیں۔لیکن ترتیب میں ابہام ہے۔☆ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت بخاریؒ فرمایا کرتے تھے۔کہ! ایک طالبِ صادق سالک و مرید کو فقر کے مندرجہ ذیل 44 مقامات سے گزرنا پڑتا ہے۔☆ توبہ۔خوف۔اُمید۔حکمت۔عفو۔تسلیم۔عزت۔قناعت۔صدق۔یقین۔عبادت۔ذِکر۔زُہد۔تقوی۔توکل۔تفکر۔صفا۔رضا۔صبر۔شکر۔رجاء۔سخاوت۔خاموشی۔حیاء۔تجرید۔مجاہدہ۔حزن۔شفقت۔شوق۔عشق۔مکاشفہ۔لطف۔کرم۔معرفت۔خشوع۔خضوع۔صحبت۔عقل۔التماس۔فاقہ۔عبودت۔محبت۔فضل۔☆ حضرت مخدوم صاحبؒ فرماتے ہیں۔کہ! تصوف صوف کا ماخذ ہے۔اور صوف درحقیقت تین حروف کا مرکب ہے۔جس میں متعدد مفاہیم پنہاں ہیں۔جیسے کہ! ''ص'' سے مراد صدق، صفا، صیالت، صبر، اور صلاح وغیرہا۔اسی طرح سے ''و'' سے مراد وصل، وفا اور وجد وغیرہا۔''ف'' سے مراد فرح، فتح، اور فرج وغیرہا۔☆ حضرت مخدومؒ نے صوفی کے چاروں حروف کے مفاہیم اس طرح سے بیان فرمائے ہیں۔کہ! ''ص'' یعنی صاف باطن باشد۔''و'' یعنی وافی قول باشد۔''ف'' یعنی فانی نفسِ خود باشد۔''ی'' یعنی یاری از خلق طلبد۔☆ حضرت مخدومؒ لفظ ''درویش'' کے پانچ حروف کے یہ ماخذ بیان فرمائے ہیں۔''د'' یعنی دنیا را ترک دہد۔''ر'' یعنی رنج دنیا بکشد۔''و'' یعنی وفا کند۔''ی'' یعنی یاری از حق طلبد۔''ش'' یعنی شفقت باخلق یکساں کند۔(اب جو بندہ ان پانچ باتوں پر عمل کرے۔صرف وہی درویش کہلانے کا حقدار ہے)☆ حضرت مخدومؒ نے عارف کے چاروں حروف کے مفاہیم اس طرح سے بیان فرمائے ہیں۔کہ! ''ع'' یعنی عالی ہمت۔''ا'' یعنی آخرت خواہد۔''ر'' یعنی راحت نجوید۔''ف'' یعنی فارغ از ہمہ عالم باشد۔☆ حضرت مخدومؒ نے زاہد کے چاروں حروف کے مفاہیم اس طرح سے بیان فرمائے ہیں۔کہ! ''ز'' یعنی زینتِ دنیا را ترک کند۔''ا'' یعنی احسان کند با عام وخاص۔''ہ'' یعنی ہوا را ترک کند۔''د'' یعنی دنیا را ترک کند۔☆ حضرت مخدومؒ روح کے متعلق فرماتے ہیں۔کہ! روح پر گفتگو کرنا دشوار ہے۔(کیونکہ اس موضوع کا فہم عوام تو کیا خواص بھی سمجھنے سے قاصر ہیں) چونکہ! یہ 'امر ربی'' ہے۔اور حضرت رسول کریم ﷺ نے بھی روح کے ضمن میں سکوت فرمایا ہے۔دراصل روح آفریدہء حق ہے۔یہ ہیئت انسان پر ہے۔لیکن نہ تو انسان اور نہ ہی فرشتہ۔عرش کے بعد روح ہی عظیم ترین، اعلیٰ ترین اور مقدس ترین تخلیق ہے۔جیسے جسم کا تعلق عقل و ذہن سے ہے۔اسی طرح سے روح کا تعلق قلب سے ہے۔باطنی کیفیات وحالات کا تعلق صفائے باطن سے ہی جُڑا ہوا ہے۔یاد رہے۔کہ! جسم کے اندر دل عرش کی مانند ہے۔بلکہ عرش پر بھی دل کو فضیلت حاصل ہے۔کیونکہ عرش تو بے شعور ہے۔جبکہ دل باشعور ہے۔دل تو معدنِ ایمان ہے۔کیونکہ! بفرمانِ رحمان درقرآن ''**کتب فی قلوبھم الایمان**'' ان کے دلوں میں ایمان لکھ دیا گیا (سورہ مجادلۃ) اسلام کا نفاذ جسم پر جبکہ ایمان کا ورود دلوں پر ہوتا ہے۔اسی لئے ظہورِ استوا کا محل ہے۔عقل تو نیک وبد کو جاننے کا جبکہ قلب نیک وبد کے پہچاننے کا آلہ ہے۔اور ''سر'' تو دل وروح کے مابین ہے۔''سر'' محلِ مشاہدہ، ''روح'' محلِ محبت اور ''دل'' محلِ معرفت ہے۔تزکیہ اور تصفیہ ہمیشہ قلب سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔عقل وذہن سے دنیاوی جبکہ قلب سے لدنی علم حاصل ہوتا ہے۔جس سے اللہ تعالیٰ کی پہچان ہوتی ہے۔جیسا کہ قرآنِ حکیم میں آتا ہے۔کہ! علماء ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔مزید برآں یہ کہ! دل کی موت یعنی ''قتلِ قلب'' چار باتوں سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔کلامِ فضول۔ مجالستِ باجہاں۔کثرتِ ضحک (زیادہ ہنسنا) اور اکلِ شبہ۔

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اپنی کتاب ''ذخیرۃ الملوک'' میں فرماتے ہیں۔کہ! دل سے متعلق چار گناہ ہیں۔شرک کرنا، گناہ کے اصرار کی نیت کرنا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نااُمید ہونا، اللہ تعالیٰ کے مؤاخذے سے بے فکر رہنا۔

ایک موقع پر حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے فرمایا۔کہ! حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو وصیت فرمائی تھی۔کہ! جو شخص آپؓ کی روح (کے ایصالِ ثواب) کے لئے کھانا بھیجے گا۔اس کے رزق میں فراخی (فراوانی اور وسعت) ہوگی۔اور جو پانی پلائے گا۔اس کے جملہ امور درست ہوجائیں گے۔(واللہ اعلم بالصواب)

سلوک کے درجات و مقامات : (بمطابق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ)

طریقت کے اولیاء، بزرگ و مشائخ اور بحر و بر کے چلنے والوں نے سلوک کے حسبِ ذیل درجات مقرر فرمائے ہیں۔

☆ بعض نے سلوک کے 180 درجات مقرر کئے ہیں۔ ☆ طبقہء جنیدیہ نے سلوک کے 100 درجات مقرر کئے ہیں۔ ☆ بصریہ نے سلوک کے 80 درجات مقرر کئے ہیں۔ ☆ حضرت ذوالنون مصریؒ نے سلوک کے 70 درجات مقرر کئے ہیں۔ ☆ حضرت ابراہیم بشر حافیؒ نے سلوک کے 55 درجات مقرر کئے ہیں۔ ☆ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ نے سلوک کے 45 درجات مقرر کئے ہیں۔ ☆ حضرت شجاع کرمانیؒ، حضرت خواجہ سمنون محبؒ اور حضرت خواجہ محمد عرشیؒ نے سلوک کے 20 درجات مقرر کئے ہیں۔ پھر حضرت خواجہ قطب الاسلام نے فرمایا۔ مذکورہ بالا طبقات نے سلوک کے درجات مقرر کر کے مندرجہ ذیل طور پر ان کی تمثیل بیان کی ہے۔ ☆ چنانچہ جنہوں نے سلوک کے 180 درجات مقرر کئے ہیں۔ اُنہوں نے اسی واں حصہ کشف و کرامات کا رکھا ہے۔ (یعنی کہ) اگر سالک اسی ویں درجے پر پہنچ کر خود کو کشف و کرامات سے بچا لے۔ تو وہ باقی سو کو بھی بآسانی طے کر لے گا۔ پھر اس کے بعد جو چاہے۔ کشف کرے۔ لیکن اگر اسیویں (80) درجہ پر وہ اپنے کشف و کرامت کو ظاہر کر دے۔ تو وہ باقی سو درجات طے نہیں کر سکے گا۔ لیکن کامل مردوہ ہے۔ جو اپنے آپ کو اس وقت تک کشف نہ کرے۔ جب تک کہ وہ پورے ایک سو اسی درجات طے نہ کر لے۔ پھر حضرت خواجہ قطب الاسلامؒ نے دعا گو (حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ) کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ! یہ بات اہلِ طریقت نے اس لئے کہی ہے۔ کہ جب سالک 180 ویں درجے پر پہنچ کر بھی اپنے آپ کو کشف (کاشف) نہ کرے۔ تو وہ مزید ترقی بھی کر سکتا ہے۔ لیکن سالک عموماً اسی درجے (یعنی 80 واں درجہ) میں، جو کہ کشف و مرامات کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اسی میں ہی خود کو ظاہر کر دیتا ہے۔ پس وہ بھلا آگے ترقی کیونکر کر سکتا ہے ؟ ☆ چنانچہ حلقہء جنیدیہ نے سلوک کے 100 درجات مقرر کئے ہیں۔ اُنہوں نے سترہواں حصہ کشف و کرامات کا رکھا ہے۔ پس جو شخص اسی سترہویں درجے پر کشف و کرامات میں مشغول ہو جائے۔ وہ بھی آگے ترقی نہیں کر سکتا۔ لیکن مردِ کامل تو وہ ہے۔ جو جملہ درجات طے کر لینے تک کشف و کرامات کو ظاہر نہ ہونے دے۔

☆ اسی طرح طبقہء بصریہ نے سلوک کے 80 درجات مقرر کئے ہیں۔ اُنہوں نے دسواں حصہ کشف و کرامات کا رکھا ہے۔ اگر کوئی سالک اس درجے پر پہنچ کر کشف و کرامات میں مشغول نہ ہوئے۔ تو اس کے لئے بہت بہتر ہے۔ تا کہ وہ اور درجات میں مزید ترقی کر سکے۔ ☆ حضرت خواجہ ذوالنون مصریؒ نے سلوک کے 70 درجات مقرر کئے ہیں۔ اُنہوں نے پچیسواں درجہ کشف و کرامات کا رکھا ہے۔ پس سالک کو چاہیئے۔ کہ! پچیسویں درجے پر پہنچ کر اپنے تئیں کشف نہ کرے۔ ورنہ وہ اسی درجے میں ہی رہ جائے گا۔ اور باقی پینتیس درجات طے نہیں کر سکے گا۔ ☆ یہ جو حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ، حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ نے سلوک کے 45 درجات مقرر کئے ہیں۔ اُنہوں نے تیرہواں درجہ کشف و کرامات کا رکھا ہے۔ جب کوئی سالک اِسی تیرہویں درجے میں اپنے آپ کو کاشف کر دے۔ تو وہ باقی مرتبے حاصل نہیں کر سکتا۔ ☆ اسی طرح طریقت کے جن آئمہؒ نے سلوک کے 30 درجات مقرر کئے ہیں۔ اُنہوں نے آٹھواں درجہ کشف و کرامات کا مقرر کیا ہے۔ لیکن جب تک وہ تیسویں درجے پر نہیں پہنچ جاتے۔ وہ کشف و کرامات کو ظاہر نہیں کرتے۔ ☆ حضرت شجاع کرمانیؒ، حضرت خواجہ سمنون محبؒ اور حضرت خواجہ محمد عرشیؒ نے سلوک کے 20 درجات میں دسواں درجہ کشف و کرامات کا رکھا ہے۔ پس جو شخص اِسی یعنی دسویں درجے میں کشف کر دے۔ تو وہ اسی مرتبے میں ہی رہتا ہے۔ آگے ترقی نہیں کر سکتا۔

☆ حضرات خواجگانِ چشت اہلِ بہشتؒ نے سلوک کے 15 درجات مقرر کئے ہیں۔ اُنہوں نے پانچواں درجہ کشف و کرامات کا مقرر کیا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے آپ کو اِسی (یعنی پانچویں) درجے میں ظاہر کر دے۔ تو وہ سالک باقی مراتب و درجات حاصل نہیں کر سکتا۔ پس وہ ضائع ہے۔ لیکن خواجگانِ چشت میں کامل (درویش) تو وہ ہے۔ کہ جو پندرہویں درجے تک پہنچ جائے۔ اور اپنے تئیں پھر بھی خود کو ظاہر نہ کرے۔ (سلسلہء عالیہ چشتیہ کے پندرہ درجات و مراتب کا جدول ابھی پیچھے بیان کر دیا گیا ہے)

پھر آپؒ نے فرمایا۔ کہ! بعضے اولیاء و مشائخین کہ جنہوں نے اپنے آپ کو ان مراتب (کہ جس درجے پر کشف و کرامات ظاہر ہوتی ہیں) میں کشف کر دیا۔ تو وہ اسی مرتبے میں رہ گئے۔ لہذ اُن کو مردِ کامل نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ! اُنہوں نے اپنے آپ کو اس مرتبے میں ظاہر کر دیا۔ لیکن کاملِ حال تو وہ اشخاص ہیں۔ کہ جب تک سارے مرتبے (یعنی درجات) طے نہیں کر لیتے۔ کشف و کرامات کی بات (کیفیت و حالت) کو ظاہر نہیں کرتے۔ اگر چہ سارے درجات طے کرنے کے بعد کشف و کرامات کو ظاہر کرتے ہیں۔ تو عین وہی ہوتا ہے۔ جو وہ کہتے ہیں۔ (یعنی اُن کو ''کُن'' کی زبان میسر ہو جاتی ہے) پس اولیاء اللہ کی دعا میں جو فرق آ جاتا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہوتی ہے۔ کہ اس مرتبے کے شروع میں ہی اپنے آپ کو کشف کر دیتے ہیں۔ اور باقی درجات میں محروم رہتے ہیں۔ اور جو کامل ہیں۔ وہ جب تک کہ وہ پورے درجات طے نہیں کر لیتے۔ کشف نہیں کرتے۔ پس ان کی دعائیں ضائع نہیں جاتیں۔

جب حضرت خواجہ قطب الاسلامؒ نے سلوک کی یہ تمثیل بیان فرمائی۔ تو آپؒ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور وہ رونے لگے۔ اور اس دعا گو (حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ) کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ کہ دائرہ محمدیہ ﷺ میں تو ایسے مردانِ کامل بھی ہیں۔ جو ان مذکورہ بالا مراتب کو طے کر کے لاکھوں درجے اور بھی طے کر جاتے ہیں۔ اور پھر بھی اپنے دوست کا ذرہ بھر بھید ظاہر نہیں کرتے۔ انہیں اپنے آپ کی خبر نہیں ہوتی۔ کہ ہم کون ہیں ؟ اور کیا ہیں ؟ جب یہ حالت ہوتی ہے۔ تو بلحاظِ مقام مزید ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اور وہ جوں جوں مزید آگے ترقی کرتے جاتے

ہیں۔ وہ عالمِ تحیر میں پڑتے جاتے ہیں۔ اور اُن کا فراق وصل میں بدل جاتا ہے۔ پھر حضرت خواجہ قطب الاسلام (قطب الدین بختیار کا کیؒ) نے ان فوائد کو ختم کیا۔ اور وہ عالمِ تحیر میں مشغول ہو گئے۔ اور دعا گو کی ایک ویران کٹیا تھی۔ اور میں وہاں جا کر مشغول ہو گیا۔

وِچ داڑھی اسلام نہ کوئی، بِن عملاں قرآں نہ کوئی ۔۔۔ جے مکراں تو باز نہ آوے، ملاں جیہاں بے ایمان نہ کوئی

جے پاڈیوے پٹھی راہے، مرشد جیہاں شیطاں نہ کوئی ۔۔۔ ثانی بس اِک اوہدی مَن لے، رب توں اَگاں سلطاں نہ کوئی

کلماتِ قدسیہ : (مُصطلحاتِ نقشبندیہ و اسباقِ نقشبندیہ)

بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حضرات نقشبندیہ کے مطابق حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ (بانی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ) سے منقول ان گیارہ کلماتِ قدسیہ کا بیان ہے۔ کہ جن پر طریقہ عالیہ نقشبندیہ کی اساس (بنیاد) قائم ہے۔ وہ گیارہ کلماتِ قدسیہ یہ ہیں۔

1۔ یادکرد۔ 2۔ بازگشت۔ 3۔ نگاہ داشت۔ 4۔ ہوش دردم۔ 5۔ سفر دروطن۔ 6۔ نظر برقدم۔

7۔ خلوت درانجمن۔ 8۔ وقوفِ قلبی۔ 9۔ وقوفِ زمانی۔ 10۔ وقوفِ عددی۔ 11۔ نگہداشت۔

یاد رہے۔ کہ! اِن گیارہ کلماتِ قدسیہ میں سے 08 کلمات تو حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ سے منقول ہیں۔ جبکہ 03 (وقوفِ قلبی، وقوفِ زمانی اور وقوفِ عددی) حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ سے منقول ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''القول الجمیل'' میں فرماتے ہیں۔ کہ! مشائخِ نقشبندیہ کے ہاں چند (صوفیانہ) اصطلاحات ہیں۔ جو ان کے طریقے اور سلسلے (یعنی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ) کی اساس (بنیاد) ہیں۔ ان میں سے بعض اصطلاحات سے اِن اشغال کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ اور بعض کی تاثیر کے (حصول) کیلئے کچھ شرائط بھی ہیں۔

نمبر1۔ یاد کرد : اِس سے مراد یہ ہے۔ کہ! چاہے ذکر زبانی ہو یا قلبی، سالک ہمیشہ (کسی نہ کسی) ذکر میں خود کو مشغول رکھے۔ ذکر اس طرح سے کرے۔ جیسے کہ اس نے اپنے شیخ سے حاصل کیا ہو۔ ذکر برابر جاری رہنا از حد ضروری ہے۔ تا کہ ذاکر کو حضورِ حق حاصل ہو سکے۔ (یعنی کہ سالک مسلسل ذکر میں مشغول رہے۔ چاہے۔ ذکر نفی اثبات کی صورت میں ہو۔ یا اثباتِ مجرد (تنہا واکیلا) کی صورت میں ہو)

ذکر کی تعلیم کا طریقہ یہ ہے۔ کہ! پہلے شیخِ طریقت اپنے ہی دل میں کلمہ طیبہ کا ذکر کرے۔ اس دوران مرید اپنے قلب کو شیخ کے قلب کے مقابل کر لے۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ جبکہ منہ کو بند کر لے۔ (اسی ضمن میں) حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبند بخاریؒ نے فرمایا ہے۔ کہ! ذکر کا مقصد یہ ہے۔ کہ! (سالک کا) قلب، محبت اور تعظیم کے ساتھ ہمیشہ حاضر مع الحق ہو۔ کیونکہ ذکر (الٰہی) غفلت کو رفع کرتا ہے۔

نمبر2۔ بازگشت : جب ذاکر قلب سے کلمہ طیبہ کا ذکر کرے۔ تو اس کے بعد زبانِ دل سے یہ (اقرار کرتے ہوئے) بکمالِ تضرع کہے۔ **الٰھی انت مقصودی و رضاك مطلوبی** ۔ اس ذکر (کلمہ طیبہ) کا فائدہ یہ ہے۔ کہ! یہ کلمہ ہر اچھے و برے خطرے کی نفی کا باہم فائدہ دیتا ہے۔ اس سے مقصود یہ بھی ہے۔ کہ ذاکر کا یہ ذکر خالص ہو جائے۔ اور سالک ماسوائے حق کے فارغ ہو جائے۔ اگر ذاکر اس کلمہ میں اخلاص محسوس نہ کرے۔ تو اپنے مرشد و مربی کی تقلید میں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کہے۔ اس کی برکت سے ذاکر کو اخلاص حاصل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

مناجات کی کچھ تشریح : **الٰھی انت مقصودی و رضاك مطلوبی** --- یہ مناجات ہے۔ یعنی دورانِ ذکر ہر دفعہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تین یا چار مرتبہ مناجات کہے۔ یا پھر بزبانِ اُردو یوں کہے۔ کہ! اے اللہ تعالیٰ! **بس تُو ہی میرا مقصود ہے۔ مَیں نے دنیا وآخرت تیرے لئے ہی چھوڑی ہے۔ تُو ہی مجھے اپنی کامل نعمتوں اور رحمتوں سے نواز۔ اور اپنے وصالِ حقیقی سے شاد کام کر۔ آمین۔**

(بقول والد شاہ ولی اللہؒ) سالک کے لئے یہ دعا (اے اللہ تعالیٰ! بس تُو ہی۔۔۔ شاد کام کر۔ آمین) بمنزلہ شرطِ عظیم ہے۔ لہٰذا اس (سالک) کے لئے قطعاً یہ بات مناسب نہیں ہے۔ کہ! وہ اس سے غفلت کرے۔ اور ہمیں جو بھی کچھ ملا۔ یا ہم نے جو کچھ بھی حاصل کیا (پایا)۔ اسی کی برکت سے پایا۔

نمبر3۔ نگہداشت : سالک ہمیشہ اپنے دل کے خطرات کی نگہبانی کرے۔ یعنی کہ جس وقت کلمہ کا بار بار ذکر کیا کرے۔ تو اس وقت اس بات پر اپنی توجہ اور خصوصی نگاہ رکھے۔ کہ اس کے قلب میں کوئی کھٹکا تو پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ کوشش کرے۔ کہ ایک لمحہ یا ایک ساعت کے لئے بھی اس کے دل میں غیر اللہ کا خیال قطعاً نہ آنے پائے۔ (یعنی وہ قلبی طور پر ہر وقت بیدار رہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دل میں کسی بھی قسم کے اندرونی و بیرونی خطرے یا وسوسے کو قطعاً راہ نہ دے) اکابرینِ مشائخ کے نزدیک یہ انتہائی اہم مسئلہ ہے۔ بعض کامل اولیاء اللہ کو بھی کبھی کبھار یہ اہم مسئلہ درپیش ہو جاتا ہے۔

نمبر4۔ یاد داشت : ذوق کے حوالے سے حضور مع الحق کی کیفیت حاصل ہو۔ بعض مشائخ نے ان چار کلمات کی تشریح اس طرح سے بھی کی ہے۔ **یاد کرد** (یعنی ذکر میں کوشش اور جدوجہد)۔ **بازگشت** (یعنی تواضع اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف خالص رجوع پر قائم رہنا)۔ **نگاہ داشت** (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع پر قائم رہنا) اور **یادداشت** (یعنی اپنے راز کو پختہ وراسخ کرنا)۔ یعنی کہ! سالک الفاظ وتخیلات سے خالی ہو کر حقیقتِ واجب الوجود کی طرف اپنی توجہ مبذول کرے۔ سچ بات تو یہ ہے۔ کہ! اس منزل پر فنائے تام اور بقائے کامل کے بغیر استقامت حاصل ہی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی عطا و مہربانی سے یہ مقامِ عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔ یعنی دوامِ آگاہی وحضور بجنابِ حق سبحانہ، بر سبیلِ ذوق۔ بقول بعضے!

دارم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ حال ۔۔۔ در دل ز تُو آرزو و در دیدہء خیال

نمبر5۔ **ھوش دَردَم** : انسان اپنے دوسانسوں کے درمیان اس بات کی کوشش کرے۔کہ نہ کوئی سانس غفلت سے اندر داخل ہو۔اور نہ کوئی سانس غفلت سے باہر آئے۔(یعنی اپنے ایک ایک سانس کی خود محافظت کرتا رہے)۔کیونکہ! اس طریقے کی بنیاد ہی سانس پر موقوف ہے۔

یعنی کہ! ہر سانس پر ہوشیاری و بیداری برقرار رہے۔جب سالک اپنے ہر ایک سانس پر مطلع، ہوشیار، بیدار اور فکر مند رہے گا۔کہ اس کا ہر سانس ذکر سے وابطہ ہے یا غفلت پر مبنی ہے۔اس طرح وہ بتدریج وہ دائمی حضوری کی منزل کو حاصل کر لے گا۔اس طرح کی پابندی مبتدی کے لئے تو بہت ہی لازمی ہے۔ البتہ جب سالک درمیانی منزل تک آ جائے۔تو وقفے وقفے سے گزرے ہوئے اوقات کے سانسوں کا بھی جائزہ لیتا رہے۔یعنی کہ کچھ دیر بعد وہ دیکھے۔کہ اس کا کوئی لمحہ (خدانخواستہ) غفلت میں تو نہیں گزرا۔اگر درمیان میں کبھی غفلت آ بھی جائے (کیونکہ! انسان حقیقت میں تو خطا کار ہی واقع ہوا ہے) تو توبہ واستغفار کرے۔اور آئندہ کبھی ایسی غفلت نہ کرنے کا پختہ عزم کر لے۔اس نگرانی و محافظت سے بالآخر وہ (سالک) دائمی حضوری کی منزلِ عظیم کو پہنچ ہی جائے گا۔

نمبر6۔ **سفر دَر وطن** : سالک اپنی طبیعت بشری میں ہی سفر کرے۔بُری صفات وعادات سے اچھی صفات وعادات کی طرف پرواز کرے۔چنانچہ بعض اکابرین نے فرمایا ہے۔کہ انسان جس بھی جگہ پر جائے۔جب تک کہ وہ اپنی بُری صفات (عادات وخصلتوں) کو نہ چھوڑے۔وہ اس کے ساتھ ہمیشہ لگی ہی رہتی ہیں۔اسی طرح بعض نے یہ کہا ہے۔سفر در وطن سے مراد شہادت میں غیب کا دیکھنا ہے۔ یعنی کہ! سالک کا صفاتِ بشریہ وسمیہ سے صفاتِ ملکیہ حمیدہ کی طرف انتقال کرنا سفر در وطن کہلاتا ہے۔سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سلوک کو **سیر انفسی** سے شروع کرتے ہیں۔اور اسی کے ضمن میں سیر **آفاقی** کو قطع کر لیتے ہیں۔ سیر آفاقی مطلوب کو اپنے سے باہر ڈھونڈنا ہے۔جبکہ سیرِ انفسی اپنے اندر آ کر اپنے قلب کے گرد پھرنے کا نام ہے۔

نمبر7۔ **نظر بَر قدم** : اِس سے مراد یہ ہے۔کہ! سالک کو چاہیئے۔جب وہ اپنے یا دیگر کسی شہر میں چل رہا ہو۔یا کسی جنگل و بیابان و ویران جگہ۔۔۔غرضیکہ! جہاں کہیں بھی وہ چل رہا ہو۔اس کی نظر ہمیشہ اپنے ہی قدموں پر رہنی چاہیئے۔تاکہ اس کی نگاہ منتشر ہو کر ان چیزوں پر نہ پڑے۔ جن کا دیکھنا مناسب نہیں (جیسے غیر محرم یا کسی برے فعل کو ہوتے ہوئے دیکھنا وغیرہ) کیونکہ! اس طرح سے اس کا دل پراگندہ ہو جائے گا۔یہ بھی ممکن ہے۔کہ! نظر بَر قدم سے مراد یہ ہو کہ سالک کی پہلی نگاہ سلوک کی آخری منزل یعنی حضرت ذاتِ اقدس پر جا پڑے۔جیسا کہ! حضرت فارس بن عیسیٰ بغدادیؒ نے فرمایا۔کہ! میں نے حضرت شیخ منصور ابنِ حلاجؒ سے پوچھا۔کہ مرید کون ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔کہ! جو پہلے ہی ارادے میں اللہ تعالیٰ تک پرواز کرے۔یعنی پہلی ہی سیڑھی پر واصل باللہ ہو جائے۔اسی بات کی ایک تو جیہہ حضرت شیخ رُ دَیمؒ نے بھی نہایت خوبصورت انداز و اسلوب میں بیان کی ہے۔کہ! مسافر کا اَدب یہ ہے۔کہ! اس کی ہمت کا قدم پیچھے نہ پڑے۔

یعنی ایک سالک کے لئے ضروری ہے۔کہ! وہ چلتے وقت اپنے قدموں کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف قطعًا نہ دیکھے۔اسی طرح بیٹھے ہوئے یا بیٹھتے وقت وہ صف اپنے سامنے دیکھے۔مختلف شکلوں اور تعجب خیز رنگوں کو دیکھنا سالک سالک کی باطنی کیفیت میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے۔اور اسے اس چیز (یعنی ذکر اللہ اور وصول الی اللہ) سے پھیر دیتا ہے۔جس کی طلب (وصول الی اللہ اور معرفت الٰہی) میں وہ ہے۔اسی طرح لوگوں کی باتیں سننے یا ان کے ساتھ زیادہ گفتگو کرنے کا نتیجہ بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے والدِ محترم فرمایا کرتے تھے۔کہ! نظر نیچی رکھنا مبتدی کے لئے ہے۔رہا راہ طریقت کے منتہی کا طالب، تو اس کے لئے واجب ہے۔کہ! وہ اپنے حال میں غور وفکر کرے۔اور یہ دیکھے۔کہ! وہ کس نبیؑ کے قدم پر ہے۔

اس لئے کہ! بعض اولیاء اللہ حضرت نبی مکرم ﷺ کے قدم مبارک پر ہوتے ہیں۔اور انہیں کمالات کی جامعیت حاصل ہوتی ہے۔اور بعض حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کے قدم مبارک پر ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔۔۔پھر جب سالکِ منتہی اپنے پیشوا اور متبوع کو پہچان لے۔تو اسے چاہیئے۔کہ! اپنے پیشوا (مرشد ومربی کے) احوال اور واقعات کے عین مطابق ڈھال لے۔(لہذا) سالک چلتے وقت نظر اپنے پاؤں کی پشت (یعنی اوپری حصے) پر ہی رکھے۔اِدھر اُدھر قطعًا نہ دیکھے۔تاکہ فسادِ نظر اور بیرونی تفرقہ سے محفوظ رہے۔رشحات میں ہے۔شاید نظر بر قدم سے سرعتِ سیر کی جانب اشارہ ہو۔یعنی مسافتِ ہستی کے قطع کرنے اور عقباتِ خود پرستی کے طے کرنے میں سالک کا باطنی قدم اس کی باطنی نظر سے پیچھے نہ رہے۔بلکہ منتہائے نظر پر پڑے۔چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندؒ کی شانِ اقدس میں فرماتے ہیں۔کہ!

بسکہ ز خود کردہ بسرعتِ سفر ۔۔۔ بازنمندہ قدمش از نظر

نمبر8۔ **خلوت دَر انجمن** : سالک ظاہرًا تو مخلوق کے ساتھ ہو۔مگر باطنًا وہ خالقِ یکتا کے ساتھ رہے۔یعنی کہ اس کے ہاتھ (پاؤں، آنکھیں تو) دین ودنیا کے امور میں متحرک رہیں۔لیکن قلب ہمیشہ حق کے ساتھ مشغول ومنہمک رہے۔ بقولِ شاعر!

فمن دخل کن صاحبا غیر غافل ۔۔۔ ومن خارج خالطک بعض الاجانب

خلوت درانجمن کے ضمن میں کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

از بروں درمیان بازارم ۔۔۔ وز دروں خلوتیست با یارم

اندرونی طور پر ایسا یار اور ہم نشین بن۔جو کہ ایک بھی لمحہ کے لئے خدا سے جدا نہیں۔اور بیرونی طور پر اجنبیوں والا رویہ اختیار کر۔اس سلسلے (عالیہ نقشبندیہ) کے بعض مشائخ نے فرمایا ہے۔کہ اس طریقہ میں مجلس میں جمعیت جبکہ خلوت میں تفرقہ ہے۔

یعنی کہ! اپنے تمام احوال میں دل کو حق تعالیٰ سے ہمیشہ شاغل رکھے۔ درس و تدریس ہو، یا کھانے پینے کی صورت، یا چلنے پھرنے کے وقت یا سفر و حضر میں۔۔۔ غرضیکہ! سالک اپنے باطن میں ایسا ملکہ پیدا کرے۔ کہ وہ ان امور کے دوران متوجہ الی الحق ہی رہے۔ اسی ضمن میں حضرت خواجہ نقشبندؒ کا ارشاد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (قرآن میں ہے) **رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ**۔ (سورہ نور۔ نمبر37) **ترجمہ**۔ وہ لوگ کہ جنہیں کوئی تجارت یا کوئی خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔ سچ تو یہ ہے۔ کہ! فقر کی وضع قطع بنانا اور ہمہ وقت ذکر کی کیفیت رہنا بعض اوقات ریا اور دکھاوے کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی لئے بہتر یہ ہے۔ کہ! وضع قطع اور لباس عمومی لوگوں ہی کی طرح کا ہو۔ مگر تقوی، عباداتِ الٰہیہ و طاعاتِ الٰہیہ اور دیانت داری مع ہمت و کوشش فقراء کے جیسی ہو۔ اور دل ہمیشہ حق تعالیٰ سے لَو لگائے رکھے۔ اسی ضمن میں حضرت خواجہ علی رامیتنیؒ نے یہی مفہوم کس خوبصورت انداز میں ادا کیا ہے۔

نمبر9۔ **وقوفِ زمانی**: اِس سے مراد یہ ہے۔ کہ! یعنی اپنے امور دین و دنیا اور اذکار و اشغال کے اوقات کا پورا پورا حساب رکھے۔ اگر تو وقت کارِ خیر میں صَرف ہوا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کا ہمہ وقت شکر ادا کرتا رہے۔ لیکن اگر وقت کارِ شر (غیر شرعی و ناجائز اور غلط امور) میں ضائع ہوا ہے۔ تو اپنی حیثیت و مرتبے کے مطابق توبہ و استغفار کرتا رہے۔

یعنی کہ کچھ دیر بعد وہ دیکھے۔ کہ اس کا کوئی لمحہ (خدانخواستہ) غفلت میں تو نہیں گزرا۔ اگر درمیان میں کبھی غفلت آ بھی جائے (کیونکہ! انسان حقیقت میں تو خطا کار ہی واقع ہوا ہے) تو توبہ و استغفار کرے۔ اور آئندہ کبھی ایسی غفلت نہ کرنے کا پختہ عزم کر لے۔ اس نگرانی و محافظت سے بالآخر وہ (سالک) دائمی حضوری کی منزلِ عظیم کو پہنچ ہی جائے گا۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ کے نزدیک اس بیداری و نگرانی کو بارگاہ میں رکھنا خود ایک متوسط سالک کے لئے پریشان خاطری کا مؤجب ہے۔ کیونکہ! سالک کے لئے اصل بات تو توجہ الی اللہ میں ہمہ وقت استغراق و محویت ہی ہے۔ اس استغراق و محویت میں توجہ یا عدم توجہ کا علم رکھنے کی پابندی بجائے خود اصل سے توجہ ہٹانے کا باعث ہے۔ اس لئے کہ! ''**حسنات الابرار سیأت المقربین**'' (یعنی) ابرار (نیک لوگ یا اتقیاء) کی نیکیاں، مقربین کی بُرائیاں ہیں۔ (**حسنات الابرار**۔۔۔ کی مفصل شرح چند صفحات آگے بیان ہوئی ہے)

مجتہدینِ طریقت کے نزدیک اعمال کی دو اقسام ہیں۔ اول۔ **اعمالِ ابرار**۔ دوئم۔ **اعمالِ مقربین**۔

اعمالِ ابرار: ابرار (یعنی نیک اور اتقیاء لوگ) سے مقصود امتثالِ امر اور حصولِ ثواب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ تکرار اسمِ ذات (اللہ) اور نفی اثبات و پاس انفاس جیسے اذکار کی کثرت اور فرضی (پنج وقتہ) نمازوں سے عالمِ وجوب (وجوب بمعنی واجب و لازم) کی جانبِ عروجی منازل طے کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نفلی روزوں کی بھی کثرت کرتے ہیں۔ تاکہ نفس کے مغلوب ہونے سے کسرِ شہوت حاصل ہو۔ جیسا کہ! ایک حدیث میں واضح ہے۔ کہ! **اخصاء امتی الصیام**۔ اسی طرح وہ بطریقِ سلوک اعمال بجالاتے ہیں۔ تاکہ تزکیہ عناصر و تصفیہ نفس حاصل ہوسکے۔ اِن کے نزدیک زھد و ریاضت اور جہاد بالنفس ہی بنیادی طریقہ ہے۔

اعمالِ مقربین: جبکہ مقربین کے نزدیک اعمال سے مقصود امتثال امر اور حصولِ ثواب کے علاوہ درجاتِ فناء و بقاء کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ یہ لوگ تکرار اسمِ ذات (اللہ) اور نفی اثبات و پاس انفاس جیسے اذکار کی کثرت کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآنِ حکیم، نمازوں (داخلِ نماز و خارجِ نماز) سے بھی کام لیتے ہیں۔ تاکہ عالمِ وجوب کے ظلال کی گرفتاری سے رہائی پا کر عروج کے بعد نزول اور فناء کے بعد بقاء سے متحقق ہوسکیں۔ یہ لوگ نفلی روزوں کے بجائے نفلی نمازوں کی کثرت پر زور دیتے ہیں۔ تاکہ وصل و قربت کا حصول ممکن ہوسکے۔ یہ لوگ بمطابق حدیثِ قدسی" **لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل**۔۔۔'' بطریقِ جذب اعمال کی ادائیگی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ معرفت و حقیقت اور مشاہدہ حق جلدی حاصل ہوسکے۔ کیونکہ! اِن کے نزدیک فناء و بقاء بنیادی طریقہ ہے۔ حضرت مولائے رومؒ نے ان دونوں کے اعمال کو ایک ہی شعر میں بیان فرمایا ہے۔

سیر زاہد ہر شئے یک روزہ راہ — سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

ماحصل ان دونوں اعمال کا یہ ہے۔ کہ! ابرار کے اعمال و وظائف بمنزلہ جسم و ظل ہیں۔ اور مقربین کے اعمال و وظائف بمنزلہ روح و اصل ہیں۔ اسی تو عارفین کے نزدیک ابرار کی نیکیاں مقربین کے گناہ شمار کی جاتی ہیں۔ (واللہ اعلم)

نمبر10۔ **وقوفِ عددی**: اِس سے مراد یہ ہے۔ کہ! ذکرِ قلبی میں گنتی اور عدد کا لحاظ رکھا جائے۔ (اور کوشش کرے۔ کہ! ذکر کی تعداد میں طاق عدد کی پابندی کیا کرے) تاکہ دل کے خطرات و وساوس سے بچ کر جمعیت (یعنی سکونِ قلب یا اطمینانِ ظاہری و باطنی) حاصل کی جاسکے۔

نمبر11۔ **وقوفِ قلبی**: اِس سے مراد یہ ہے۔ کہ! ہوشیاری اور حق تعالیٰ کے ساتھ حضورِ قلب اس انداز میں ہو۔ کہ دل کو غیر سے کوئی غرض نہ ہو۔ اس کے مفہوم کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ! ذاکر اپنے قلب اور اس کی جملہ کیفیات سے واقف ہو۔ اور دورانِ ذکر اپنے قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ رہے۔ قلبِ صنوبری کو مجازاً قلب کہا جاتا ہے۔ یہ بائیں جانب پستان کے نیچے واقع ہے۔ قلب کو ذکر میں مشغول کرے۔ اور اسے کسی طرح بھی ذکر اور اس کے مفہوم سے غافل نہ ہونے دے۔ یعنی سالک اس (حسی) قلب کی طرف توجہ رکھے۔ جو بائیں جانب چھاتی کے نیچے ودیعت کیا گیا ہے۔

الف احد جد دتی دکھائی از خود ہویا فانی ہو — قرب وصال مقام نہ منزل اوتھے جسم نہ جانی ہو
نہ اوتھے عشق محبت کائی نہ اوتھے کون مکانی ہو — عینوں عین تھیوسے باہوؒ، سر وحدت سبحانی ہو

اسباق دَر سلوک سلسلہ عالیہ نقشبندیہ : (سالکین کے لئے دس شرائط) :

مجددِ شریعت وطریقت حضرت خواجہ عزیزاں علی رامیتنی ؒ ، جو کہ قطبِ وقت اور صاحبِ تصرفات وکرامات عجیبہ کے حامل ہوگزرے ہیں۔ جو بھی شخص ایک روز بھی آپ ؒ کی صحبتِ بابرکت میں رہتا۔ اسے حقیقت تک رسائی ضرور حاصل ہوجاتی۔ اور وہ آپ ؒ سے جدائی کا سوچ بھی نہ سکتا۔ آپ ؒ نے اپنا تالیف فرمودہ کتابچہ ''رسالہ عزیزاں'' میں سالک کے لئے دس شرائط کو ہر وقت نگاہ میں رکھنے کی تلقین وتعلیم فرمائی ہے۔ (تا کہ سالکین کو حصول معرفت میں آسانی میسر ہوسکے) وہ دس شرائط یہ ہیں۔ ☆ **طہارت**۔☆ **خاموشی**۔☆ **خلوت**۔☆**روزہ**۔ ☆**ذکر**۔ ☆**نگہداشتِ خاطر**۔ ☆**رضا بحکمِ خدا**۔☆**صحبتِ صلحاء**۔☆ **شب بیداری**۔ ☆ **نگہداشتِ لقمہ**۔ (**ناچیز ابلولشی کی جانب سے اِن دس شرائط کی چیدہ تفصیلات پیش خدمت ہیں**)

☆ **طہارت** : اول شرط! سالک ہمیشہ باطہارت رہے۔ طہارت کی چار اقسام ہیں۔ طہارتِ ظاہری۔ طہارتِ باطنی۔ طہارتِ قلبی۔ طہارتِ سری۔

چونکہ! طہارتِ ظاہری تو ہر عام وخاص کو معلوم ہے۔ لیکن استنجاء، وضو اور غسل کے لئے پانی کی پاکی اور حلالی میں حتی الامکان احتیاط کی جائے۔ لباس کی پاکیزگی کا بھی خیال رکھنا بہت اثر رکھتا ہے۔ طہارت باطنی سے مراد حرام کھانے پینے سے بچنا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔ کہ! جو شخص ایک لقمہ حرام تناول کرلے۔ (تو) چالیس روز تک نہ اس کے فرائض قبول ہوتے ہیں اور نہ ہی نوافل۔ بلکہ ایسا شخص شرف استجابت دعا سے بھی (چالیس روز تک) محروم رہتا ہے۔ طہارتِ قلبی یہ ہے۔ کہ! سالک اپنے دل ودماغ اور سوچ وفکر کو کدورت ونفاق، کینہ وحسد، مکر وخیانت، بغض وعداوت، عیش وعشرت اور محبتِ دنیا جیسی ناپسندیدہ صفات سے محفوظ رکھے۔ جب تک قلب محبتِ دنیا سے پاک ومبراء نہیں ہوجاتا۔ اس کی نماز وطاعت قبول نہیں ہوتی۔ پس خالق کا منظورِ نظر قلب جب تک پاک ومصفیٰ نہیں ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت کی دولتِ انعام سے مشرف ہونا ممکن نہیں۔ طہارتِ سری یہ ہے۔ کہ! سالک حق سبحانہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہو۔ ہر خیر وشر پر راضی برضا رہے۔ اور غیرِ خدا یا اسباب دیگر سے خود کو پاک کرلے۔

از درون شو آشنا و از برون بیگانہ وش   ایں چنیں زیبا روش می بود اندر جہاں

(یعنی کہ! اندر سے آشنائی اور باہر سے بیگانگی، دنیا میں اس سے خوبصورت طریقہ اور کوئی نہیں)

☆ **خاموشی** : شرطِ دوئم یہ ہے۔ کہ! سالک اپنی زبان کو بے ہودہ کلام سے پاک وصاف بلکہ گنگ کرلے۔ (ویسے بھی خاموشی عین عبادت ہی تو ہے) چاہیئے۔ کہ! اپنی زبان کو تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، لوگوں کی اصلاح، علم سیکھنے سکھانے میں ہمیشہ مشغول رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کہ! جن (بدنصیب) لوگوں کو نارِ جہنم میں جھونکا جائے گا۔ وہ ان کی زبانوں کی لغزشوں کی وجہ سے ڈالا جائے گا۔

☆ **خلوت وعزلت** : شرطِ سوئم یہ ہے۔ کہ! سالک مخلوق سے خلوت وعزلت میں رہے۔ تا کہ نامحرم پر اور شرعًا حرام کردہ امور پر یا لوگوں کے عیوب ونقائص پر نظر نہ پڑے۔ اتقیاء فرماتے ہیں۔ کہ! نامحرم عورت یا بے ریش خوبصورت لڑکوں کو دیکھنا کفر ہے۔ لہذا جو شخص غیر محرم کو دیکھنا حلال وجائز سمجھے۔ اس پر کفر کا خوف ہے۔ حضرت ام المؤمنین ؓ کا ایک واقعہ ہے۔ کہ! حضرت رسالت مآب ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کو دیکھا۔ کہ! آپ ؓ روٹی لے کر کاشانہء رسالت سے باہر آئی۔ تا کہ درویش کو دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم خود باہر کیوں آئی۔ کیونکہ درویش مرد ہے۔ حضرت ام امؤمنین ؓ نے عرض کیا۔ کہ وہ درویش نابینا ہے۔ (تو) حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ اگر وہ نابینا ہے۔ (مگر) تم تو بینا ہو۔ خلوت وعزلت کے کثیر فوائد ہیں۔ جیسے کہ! غیر شرعی، بے ہودہ، ناجائز امور سے ہاتھوں اور زبان کا محفوظ رہنا۔ پاؤں کا ایسی جگہوں سے رکنا، کانوں کا اس طرح کی گفتگو سننے سے اجتناب کرنا، دشمنوں میں سے بدترین نفس کا روکنا ہے۔ تا کہ غیب کے دروازے کھل جائیں۔ کیونکہ! جب آئینۂ قلب مکمل طور پر صاف ہوجاتا ہے۔ تو اس میں نورِ وحدتانیت کا عکس پڑتا ہے۔

☆ **روزہ** : شرطِ چہارم یہ ہے۔ کہ! سالک روزے رکھے۔ اولیاء اللہ کی عادتیں رہی ہیں۔ کہ! ایک دن روزہ اور ایک دن روزہ نہ رکھنا، کچھ اولیاء اللہ ؒ کی عادت رہی ہے۔ کہ! وہ ہر پیر، جمعرات اور جمعہ کا روزہ رکھا کرتے ہیں۔ جبکہ کچھ ایامِ بیض (ہر قمری ماہ کی **15-14-13** کے ایام) کے روزے لازمی رکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ کہ! رسول اللہ ﷺ ہمیں ایام بیض یعنی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخوں میں روزے رکھنے کا حکم فرماتے۔ اور فرماتے۔ یہ پورے سال روزے رکھنے کے مثل ہیں۔ (سنن ابوداؤد) ایک حدیث ہے۔ کہ! حضرت قتادہ بن ملحان ؓ سے روایت ہے۔ کہ! رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایامِ بیض کے تین روزے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا۔ یہ مہینہ بھر کے روزے کے برابر ہیں۔ (سنن نسائی) ایک اور حدیث ہے۔ کہ! رسول اللہ ﷺ حضر میں ہوں یا سفر میں۔ ایامِ بیض میں بغیر روزہ کے نہیں رہتے تھے۔ (سنن نسائی) ایک حدیث ہے۔ کہ! رسول اللہ ﷺ نے (ایک صحابی ؓ سے) فرمایا۔ کہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نماز حضرت داؤد ؑ کی نماز ہے۔ اور روزوں میں سے بھی حضرت داؤد ؑ ہی کا روزہ۔ آپ ؑ آدھی رات تک سوتے۔ پھر تہائی رات نماز پڑھنے میں گزارتے۔ پھر رات کے چھٹے حصے میں بھی سوجاتے۔ اسی طرح آپ ؑ ایک دن روزہ رکھتے۔ اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (صحیح بخاری) اسی طرح ایک اور حدیث ہے۔ کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ روزہ دوزخ سے بچنے کے لئے ایک ڈھال ہے۔ (روزہ دار کو چاہیئے۔ کہ) نہ فحش گفتگو کرے۔ اور نہ جہالت کی باتیں۔ اگر کوئی شخص اس (روزہ دار) سے لڑے۔ یا اسے گالی دے۔ تو اس کا جواب صرف یہ ہونا چاہیئے۔ کہ مَیں روزہ دار ہوں۔ (یہ بات) دو مرتبہ (کہے) اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ روزہ دار کے منہ کی بو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ کہ!) بندہ اپنا کھانا پینا اور اپنی شہوت میرے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ میرے لئے ہے۔ اور مَیں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ اور نیکیوں کا ثواب بھی اصل نیکی کے دس گنا ہوتا ہے۔ (صحیح بخاری) چونکہ روزے کا فائدہ فرشتوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ روزہ رکھنے کے چند فوائد یہ ہیں۔ کہ! یہ نفسِ امارہ پر قہر کرتا ہے۔ بہت

مشہور حدیث ہے۔کہ! اس سے (یعنی روزہ رکھنے سے) بھوکوں کے درد دل کی شناخت و بخشش وعطا کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ایک اور حدیث میں ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! جنت کا ایک دروازہ ہے۔جسے ''ریان'' کہتے ہیں۔قیامت کے دن صرف روزہ دار ہی اس دروازہ سے جنت میں داخل ہوں گے۔ان کے سوا اور کوئی اس میں سے داخل نہیں ہوگا۔پکارا جائے گا۔کہ روزہ دار کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ان کے سوا اس سے اور کوئی اندر نہیں جانے پائے گا۔اور جب یہ لوگ اندر چلے جائیں گے۔تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔پھر اس سے کوئی اندر نہ جا سکے گا۔(صحیح بخاری) ایک اور حدیث میں ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ! انسان کا ہر نیک عمل خود اسی کے لئے ہے۔مگر روزہ۔کہ وہ خاص میرے لئے ہے۔میں ہی اس کا بدلہ (اجر) دوں گا۔۔۔(صحیح بخاری) روزہ رکھنے سے جسمانی وروحانی صحت وتوانائی حاصل ہوتی ہے۔انسان کی قوت مدافعت میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ **ذکر** : شرطِ پنجم ہے۔کہ! سالک ہمیشہ اپنی زبان کو ذکرِ الٰہی میں تر رکھے۔ اِس ضمن میں کچھ ارشاداتِ ربانی در مصحف قرآنی پیش خدمت ہیں۔**فاذکرونی اذکر کم**۔آپ مجھے یاد کریں ،میں (بھی) آپ کو یاد کروں گا۔

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو | نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

(قرآن میں ہے۔کہ)**واذکر ربک کثیرا بالعشی والابکار** ۔اور اپنے رب کو صبح وشام بہت یاد کیا کرو۔(قرآن میں ہے۔کہ) **واذکر ربک اذا نسیت** ۔اور اپنے رب کو یاد کرو۔جب کہ تم بھول جاؤ۔(قرآن میں ہے۔کہ) **ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا و نحشره یوم القیمة اعمیٰ** o (سورہ طٰہٰ۔آیت **124**) جس نے میرے ذکر سے منہ موڑا۔اس کی روزی تنگ ہو جائے گی۔اور اس کو (ہم) قیامت کے دن اندھا اُٹھائیں گے۔**الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق** ۔(سورہ حدید۔آیت **16**) کیا اَب تک ایمان والوں کے لئے (وہ) وقت نہیں آیا؟ کہ ان کے دل ذکرِ الٰہی سے اور جو حق اُتر چکا ہے اس سے نرم ہو جائیں۔(بمطابق قرآنِ حکیم)**تطمئن قلوبھم بذکر اللہ . الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ۔ دلوں کا اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذِکر میں ہے۔(خبردار رہو، کیونکہ) دلوں کا اطمینان (صرف) اللہ تعالیٰ (ہی) کے ذِکر میں ہے۔

ذکر کن ، ذکر تا ترا جان است | صافی دِل زِ ذِکر یزدان است

(الحدیث) جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذِکر کرنے اور یاد کرنے کو بیٹھتے ہیں۔تو اِن کو چاروں اطراف سے ملائکہ (فرشتے) گھیر لیتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اِن کو چھپا لیتی ہے۔اور ان پر آرام وچین اُترتا ہے۔اور ان کا ذِکر کرتا ہے۔جو اس کے پاس ہیں۔یعنی فرشتے اور ارواحِ انبیائے کرامؑ ۔

یک دم غافل ، ہر دم کافر | یک دم غافل ، ہر دم کافر

مندرجہ بالا شعر ہی کی تشریح میں حضرت سیدنا جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔کہ! اگر ایک صدیق (صدیق درجاتِ ولایت میں سب سے بلند ترین درجہ ہے۔جو کہ صحابہ کرامؓ میں صرف حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ کو ہی عطا ہو سکا۔اور کچھ اولیائے کرامؒ کو بھی عنایت ہوا) ایک ہزار برس تک ''متوجہ الی اللہ'' رہے۔پس اگر وہ ایک لمحے کے لئے بھی غافل ہو۔تو اس قلیل وقت میں اسے جو روحانی گزند پہنچے گا۔وہ اس روحانی منفعت سے کہیں زیادہ ہوگا۔جو اس نے (مسلسل جدوجہد مجاہدے اور مشقت کے بعد) ایک ہزار سال تک حاصل کیا ہوگا۔

نیکاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان عطاراں | سودا بھانویں مول نہ لیئے ٹُلے آون ہزاراں

بُریاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں | کپڑے بھانویں کنج کنج بہّے چنگاں پین ہزاراں

حضرت عیسیٰ روح اللہؑ فرماتے ہیں۔کہ! اگر تم اتنے روزے رکھو۔کہ تم اتنے کمزور ہو جاؤ۔جیسے کمان کی ڈوری۔اور اتنی کثرت سے نماز پڑھو۔کہ تمھاری کمروں میں خم آ جائے۔تو (پھر بھی) تمھاری یہ عبادت قبول نہ ہوگی۔ہاں مگر! وہ عبادت جو سچے تقویٰ سے ہو۔

سرخ رو ہوتا ہے انساں ٹھوکریں کھانے کے بعد | رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد

ایک سوال کے دس جوابات : (علمِ تصوف کے باریک نقاط)

حضرت سلطان ابراہیم بن ادھمؒ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا۔کہ! باوجود اصرار ومحنت کے ہماری دُعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟ تو آپؒ نے جواب دیا۔کہ! ہم جو لطف وکرم سے محروم ہیں۔اس کا سبب کیا ہے بھلا؟ تو آپؒ نے فرمایا۔کہ! دس اسباب ہیں۔جو کہ درحقیقت دُعا کے عدم قبولیت کا یقینی باعث ہیں۔

نمبر **1**۔ تم کہتے ہو۔کہ تم اللہ تعالیٰ کو جانتے ہو۔مگر اس کے احکامات پر عمل نہیں کرتے۔ نمبر **2**۔تم قرآنِ کریم تو پڑھتے ہو۔مگر اس کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے۔ نمبر **3**۔ تم حضرت نبی مکرم ﷺ سے محبت کا دعویٰ تو کرتے ہو۔مگر اُنہیں رہبر مان کر اُن ﷺ کی پیروی نہیں کرتے۔ نمبر **4**۔ تم شیطان کو اپنا دشمن تو سمجھتے ہو۔مگر پھر بھی اُسی کے دوست بنے ہوئے ہو۔نمبر **5**۔ تم جنت میں جانے کی آرزو تو کرتے ہو۔مگر اس کے لائق بننے کی کوشش نہیں کرتے۔ نمبر **6**۔ تم جہنم سے ڈرنے کی باتیں تو کرتے ہو۔مگر عمل وہ کرتے ہو۔جو تمھیں اس (جہنم) کے قریب لے جائے۔ نمبر **7**۔ تم موت کو حق تو کہتے ہو۔مگر اس حق تک پہنچنے کے لئے تیاری بالکل نہیں کرتے۔ نمبر **8**۔ تمھیں اور لوگوں کے عیوب تو نظر آتے ہیں۔جبکہ اپنے عیوب پر تمھاری نظریں نہیں جاتیں۔ نمبر **9**۔ تم اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے خواہش مند تو ہو۔مگر اِن کا شکر ادا نہیں کرتے۔ نمبر **10**۔ تم اپنے مردوں کو دفناتے تو ہو۔مگر یہ بات بھول جاتے ہو۔کہ! ایک دن تمھیں بھی وہیں (قبر میں) دفن ہونا ہے۔

سلوک و معرفت کے مقامات : (بمطابق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ)

عوام الناس میں تو قبلہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ محض ایک عالمِ دین اور محدث ہیں۔مگر درحقیقت آپ واصل باللہ، بہت بڑے فقیہ، تقویٰ و توکل اور سخاوت کی حقیقی تصویر اور ولیِ کامل شخصیت تھے۔ یہ کتاب ''القول الجلی فی ذکر آثار الولی'' حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ملفوظات، مکشوفات اور حالات کے علاوہ تصوف، سلوک ومعرفت اور علمِ لدنی کے موضوعات پر کثیر مواد اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں۔ کہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سلوک میں ایک (خاص) طریقہ بواسطہ آنحضرت ﷺ عطا فرمایا ہے۔ اور آنحضور نبی مکرم ﷺ کی روح کریمہ نے مجھے بشارت دیتے ہوئے اس کی حقیقت پر اطلاع بخشی۔

راہِ سلوک کے سالک کو بہت سی چیزیں پیش آتی ہیں۔ ان میں سے بعض مقامات تو ایسے ہیں۔ کہ! جن کا عبور کرنا سالک کے لئے نہایت ضروری ہے۔

☆ اس راہ (یعنی سلوک و معرفت) میں پہلا مقام اذکار لسانی وقلبی میں مشغول رہنا ہے۔ اور یہ پڑھنے والوں کے حق میں ''الف۔ با۔ تا'' کے مثل ہے۔ (یعنی اس راہ کی ابجد ہے) اس کا شمار مقامات میں تو نہیں ہے۔ لیکن اس وصفِ محبت کے ساتھ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دوامِ تعلق ہے۔ اس کی توحید محبت کی انتہا ہے۔ جس سے مراد ماسوی اللہ سے قطع الفت ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے۔ جس کو حاصل کئے بغیر کسی کام کا کشود نہیں ہوتا۔ اور اس مقام پر عجیب وغریب حالات وواقعاتِ صالحہ اور غلبہ خوف ورجاء اور انس وہیبت، تجلی واستتار بعض کو پیش آتے ہیں۔ جبکہ بعض کو نہیں۔

☆ مقامِ دوئم توحیدِ افعالی ہے۔ اس سے مطلب تدبیر غیبی وجدانی کا انکشاف ہے۔ کہ موت وزیست وغیرہ کے جملہ حوادثِ یومیہ اس کی تفصیل ہیں۔ لیکن افعال کے صدور کی رویئت انعام وایلام (تکلیف) اور منع وعطا ہے۔ اور ہر وہ تاثیر وتغیر جو اپنی ذات میں اور اپنے غیر میں ملاحظہ کرے۔ اس کو حق سبحانہ' کی طرف سے وصفِ شہود کے ساتھ سمجھے۔ اس میں حال غالب ہوتا ہے۔ اور اس مقام کی نشانیوں میں سے تفویض وتوکل ہے۔ اور یہ مقام حاصل ہونے کے بعد مبداء حقیقی سے ان افعال کی صدور کی عدم رویت سلوک کا نقصان نہیں ہے۔

☆ مقامِ سوئم توحیدِ صفاتی ہے۔ اس سے مطلب وجودِ واحد میں جملہ موجودات کے اضمحلال کا انکشاف ہے۔ اور اس کا ظہور دو طرح پر ہے۔ ایک تو یہ کہ جملہ اشیاء کا خدا میں مشاہدہ کرے۔ دوسرا یہ کہ! جملہ اشیاء میں خدا کا مشاہدہ کرے۔ اور اس مقام کا آخر سالک کی انانیت کا حق سبحانہ' تعالیٰ کی ذات میں اضمحلال ہے۔ اور ذات وصفات حق کی جانب ''انا'' سے اس کی نظر کا نفوذ ہے۔ اور یہی فنا ہے۔ کہ! سالک کو اپنا شعور نہ رہے۔ حتی کہ! اس بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے۔ حالانکہ! درحقیقت یہ غیبت ہے، فنا نہیں۔ لیکن یہ کہ حسن وکمال اور ان کے اضداد کی ہر صفت کو صفتِ حق ملاحظہ کرے۔ جو آئینہ ہائے نفس واحوال میں ظاہر ہیں۔ بعض میں اس کی تفصیل ظاہر ہوتی ہے۔ جبکہ بعض میں نہیں۔

☆ مقامِ چہارم توحیدِ ذاتی ہے۔ جس سے مراد ہستیء صرف کا وجدان ہے۔ بغیر ملاحظہء اضمحلال کے اشیاء میں سے کسی شئے میں بسیط علمِ حضوری کے ساتھ مدرک بالکسر اور مدرک بالفتح اور ادراک سب وہاں (یعنی اس مقام پر) بغیر تغیر وتبدل کے ہیں۔ اور حقیقۃ الحقائق کے ساتھ تنبیہ وشعور سے حیرت وفراموشی ہے۔ اور اس مقام پر یہ ہے۔ کہ! خدا کا خدا ہی میں مشاہدہ کرے۔

☆ مقامِ پنجم وہ یاد داشت ہے۔ کہ! جسے صوفیاء نے معظم رکھا ہے۔ اور اس وجدان سے مطلب وہی ہستی صرف بشہودی ہے۔ کہ علم حصوری وحضوری دونوں اس کی تفسیر ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کہ وہ ایک واحد امر بسیط ہے۔ اس کو حصولی یا حضوری، جو بھی کہیں، بجا ہوگا۔ اور یہ یاد داشت درحقیقت حضرتِ وجود سے ایک قسم کی بیداری ہے۔ جو اس ذرہ کا پیمانہ ہے۔ اور اس کی استعداد کی اقتضاء کے مطابق متجلی ہوا ہے۔ اور جب اس یاد داشت نے اس کے دائرہ کو وسیع کر کے روشن کر دیا۔ اور نفسِ ناطقہ اس میں مضمحل ہو کر اس کی نورانی شعاعوں کا عین ہوگیا۔ تو صوفیاء کے نزدیک وہی بقا ہے۔ پس تجھ پر بھی یہی واجب ہے۔ کیونکہ یہ کبریتِ احمر ہے۔ پس یہ ہیئت معہ جملہ منتبات کے سالک کی ہمت اور اس کے علوم میں سرایت کرتی ہے۔ اور یہ سرایت مبداء خوارقِ عادت ہو جاتا ہے۔

☆ مقامِ ششم یہ ہے۔ کہ! نقطہء وجود یہ جو حقیقتِ انسانیہ میں ذاتِ بحت کا نمونہ ہے۔ اور اس کو حجر بحت کہتے ہیں۔ ذاتِ حق کا معہ جملہ کمالاتِ الٰہیہ کے انکشاف کرنے والا ہوتا ہے۔ یعنی انسان اجزائے کثیرہ سے مرکب ہے۔ جیسے صورتِ جسد یہ نسمیہ نفسیہ روحیہ عینیہ اور نقطہء وجود یہ۔ اور صورتوں کے اعتبار سے ہر ایک کے احکام وخواص جداگانہ ہیں۔ کہ صورتِ معینہ انہیں خواص واحکام کا منشاء ہوگئی۔ پس حقیقتِ وجودِ صرف کے احکام خاص ہیں۔ اور اس کے ظہور کا منشاؤ ہی وجودِ صرف ہے بغیر دوسرے جز کی آمیزش کے۔ پس فنائے تام کے بعد جملہ طبقات مضمحل ہو کر وہی نقطہء وجود یہ اپنے احکام کے ساتھ مستقل ہو کر آئینہ کے مثل ہو جاتا ہے۔ اور ذاتِ الٰہی کا جملہ اسماء وصفات وتدلیات انکشاف کرنے والا ہو جاتا ہے۔

☆ مقامِ ہفتم مقام تدلّیِ الٰہی ہے۔ جو اپنے جملہ کمالات کے ساتھ سالک کے نفسِ ناطقہ کی صورت میں ہے۔ اور تجلی حق کبھی ایسی صورت میں ہوتی ہے۔ جو اس سے بیشتر متحقق نہ تھی۔ اس کی تحقیق تجلی کے ظہور کے وقت ہوئی۔ جس طرح صورت نار یہ وادی مقدس (طور سیناء) میں حضرت موسیٰؑ نے ملاحظہ فرمائی۔ یہ ایسی صورت میں تجلی فرمائی ہے۔ کہ! اس سے پہلے بھی وہ موجود تو تھی۔ لیکن اب تجلی الٰہی کے بعد اس کی ایک دوسری تحقیق پیدا ہوئی۔ یعنی وہ جملہ تدلیاتِ الٰہیہ سے حقیقتِ انسانیہ پر مستوی ہو کر اس طرح مقدس اور متدلی ہوئی۔ جیسے حضرت رحمان (رب متعال) کا اپنے عرش پر مستوی ہونا اور اس مقام پر حق کے ساتھ تصرف فی الخلق ثابت ہو جاتا ہے۔ اور یہی سر ہے۔ کہ! آنحضرت نبی کریم ﷺ کا کفِ مبارک وزن میں اُمت کے ہزاروں کفوں پر راجح ہے۔ یہ بعینہ ویسے ہی ہے۔ جیسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ''لا الہ الا اللہ'' بڑی وضخیم کتب پر (بنسبت افضلیت بوجہ اسمِ اللہ) مقدم و بھاری ہے۔ کیونکہ! اسمِ ذات اللہ تدلیاتِ الٰہیہ میں ایک تدلی ہے۔

یہ ان مقاماتِ ہفت گانہ کا بیان ہے۔ جو اکابر اولیا کی راہ کا سلوک ہے۔ رب جسے چاہے عطا فرمائے۔ ورنہ تاحیات ایک یا دو تین مقامات میں پڑا رہ جائے۔

حصولِ قرب سے مانع و حائل دس کثافتیں:(بمطابق سید سرفراز اے شاہ صاحب)

۱۔ کینہ۔ ۲۔ بغض۔ ۳۔ حسد۔ ۴۔ غیبت۔ ۵۔ غصہ۔
۶۔ دل آزاری۔ ۷۔ کسی کے کام آنے کے بجائے **No** کہنا (انکار کرنا)۔
۸۔ حرصِ کلام (خود بات کرنا، کسی دوسرے کو بات نہ کرنے دینا)۔ ۹۔ حرصِ طعام (کھاتے چلے جانا)۔
۱۰۔ حرصِ جاہ (یعنی لوگ میری عزت کریں۔میری تعظیم میں کھڑے ہوں)۔

سید سرفراز اے شاہ صاحب کے ملفوظات بنام ''ارژنگِ فقیر'' کی نشست دوئم کے صفحہ نمبر 32 میں لکھا ہے۔کہ! جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنے اور اللہ تعالیٰ کی دوستی win کرنے میں Interested ہیں۔اُن کے لئے ضروری ہے۔کہ! وہ دس کثافتوں کے نام کاغذ پر لکھ پراُنھیں اپنی زندگی سے بتدریج ختم کرنا شروع کردیں۔شاہ صاحب فرماتے ہیں۔کہ! حضرت پیرانِ پیرؒ اور حضرت امام غزالیؒ جیسی (بلند مرتبت) ہستیوں نے مرید کی Guidance (رہنمائی) کے لئے (بھی) یہی فرمایا ہے۔کہ! مرید کچھ نہ کرے۔پہلے (ان) دَس کثافتوں کو اپنے اندر سے نکال لے۔اور اس کے بعد اِن باتوں پر عمل شروع کردے۔جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔(یعنی کہ صرف) ان دس کثافتوں کو اندر سے نکال دینا ہی کافی نہیں ۔۔۔ پسندیدہ اطوار کو اپنی ذات میں شامل بھی کرنا ہوگا۔اپنی ذات میں موجود سب کثافتوں پر غور کریں۔اور ایک ایک کرکے اُنھیں اپنی شخصیت سے نکال دیں۔مختلف کثافتوں سے چھٹکارے کے بعد ہم اُن عادات و اطوار پر کام شروع کردیں۔جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔

کتاب ''ارژنگِ فقیر'' کے صفحہ نمبر 44 پر شاہ صاحب مزید فرماتے ہیں۔کہ! انسان کے اندر ایسی دس Negative عادات یا کثافتیں ہیں۔کہ جب تک وہ ختم نہ ہوجائیں۔انسان کا دل صاف نہ ہوگا۔اور جب تک (کہ) دل صاف نہ ہوگا۔(تو) وہاں رب نہیں بسے گا۔(کیونکہ) رب متعال پاک، صاف اور نفاست پسند (ذات) ہے۔وہ وہیں رہتا ہے۔جہاں Negative چیزیں نہ ہوں۔ (وہ دس کثافتیں یہ ہیں۔ 1۔کینہ۔ 2۔بغض۔ 3۔حسد۔ 4۔غیبت۔ 5۔غصہ۔6۔دل آزاری۔ 7۔کسی کے کام آنے کے بجائے **No** کہنا (کسی کے کام نہ آنا یا انکار کرنا)۔ 8۔حرصِ کلام (خود بات کرنا، کسی دوسرے کو بات نہ کرنے دینا)۔ 9۔حرصِ طعام (کھاتے چلے جانا)۔ 10۔ حرصِ جاہ (یعنی لوگ میری عزت کریں۔میری تعظیم میں کھڑے ہوں)۔ (لہٰذا) اگر ہم رب تعالیٰ کو پانا چاہتے ہیں۔تو ہمیں اُن دس کثافتوں سے چھٹکارا پانا پڑے گا۔ ارژنگِ فقیر'' کے صفحہ نمبر 69 پر ہے۔کہ! وہ دس کثافتیں جو انسان کو روحانی ترقی میں آگے نہیں بڑھنے دیتیں۔اُن میں حرص طعام اور حرصِ کلام بھی ہیں۔ان کثافتوں کے دور ہونے سے نماز میں میں زیادہ دل (لگنے) لگتا ہے۔اور انسان غوروفکر میں ڈوبا رہتا ہے۔ (یہاں پر بندہ ناچیز محمد عبدالرؤف انہیں دس کثافتوں میں سے چند ایک کے بارے میں (بطورِ دلیل) چند احادیث بیان کرتا ہے۔تاکہ ان کثافتوں کے نقصانات کی مزید نشاندہی ہوسکے)۔

چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار اور انتہائی سادگی سے کھا گیا مزدور مات

نمبر1۔ **کینہ** : صحیح مسلم شریف کی حدیث نمبر 6544 میں آیا ہے۔کہ! حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! سوموار اور جمعرات کے دن جنت کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے۔اور ہر اس بندے کی مغفرت کی جاتی ہے۔جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو۔(اور) سوائے اس بندے کے، جو اپنے (مسلمان) بھائی سے کینہ رکھتا ہو۔اور کہا جاتا ہے۔کہ ان دونوں کی طرف دیکھتے رہو۔یہاں تک کہ وہ صلح کرلیں۔ان دونوں کی طرف دیکھتے رہو۔یہاں تک کہ وہ صلح کرلیں۔ان دونوں کی طرف دیکھتے رہو۔یہاں تک کہ وہ ماضی کی تلخیاں بھلاکر صلح کرلیں۔

یادِ ماضی عذاب ہے یارب! چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

کسی بھی مسلمان بھائی سے بغض، کینہ، عداوت ختم کرنے کے ضمن میں حکایت:

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے بارے میں ہے۔کہ! آپؒ حضرت قطبِ زمان ابوالنجا شیخ ابومدینؒ (خلیفہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ) کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔یہاں تک کہ اُن کے محبین سے محبت اور اُن کے مخالفین سے نفرت کیا کرتے تھے۔ شیخ ابومدینؒ کے بارے میں حضرت شیخ ابوعبداللہ الطرطوسیؒ اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔جب حضرت شیخ ابن عربیؒ نے حضرت شیخ طرطوسیؒ سے ملاقات کی۔تو دل میں گرہ رکھی۔کیونکہ! حضرت شیخ طرطوسیؒ حضرت شیخ ابومدینؒ کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔

ایک رات حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ نے حضرت جناب رسالت مآب کی زیارتِ بابرکت سے باریاب ہوئے۔تو آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔آپؒ فلاں آدمی (حضرت شیخ طرطوسیؒ) سے کراہت کیوں کرتے ہیں؟ عرض کی۔کیونکہ! وہ میرے شیخ ابومدینؒ سے بغض رکھتا ہے۔تو حضور ﷺ نے فرمایا۔کہ! کیا وہ (شیخ طرطوسیؒ) مجھ سے محبت نہیں کرتا۔عرض کیا۔یقیناً! یارسول اللہ ﷺ! طرطوسی آپؐ سے محبت کرتے ہیں۔تو آنحضور ﷺ نے فرمایا۔تم اس سے بغض رکھتے ہو۔کیونکہ وہ ابومدینؒ کو ناپسند کرتا ہے۔تم اس (طرطوسیؒ) سے اس لئے محبت کیوں نہیں کرتے۔کہ وہ تمہارے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔عرض کیا۔مَیں قسم کھاتا ہوں۔میں غفلت کا مرتکب ہوا۔اَب تائب ہوتا ہوں۔اور آئندہ سب لوگوں سے بڑھ کر حضرت شیخ طرطوسیؒ سے محبت کروں گا۔حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ نے صبح اُٹھتے ہی بہت سی نایاب اور قیمتی چادریں، لباس، تحائف و نقدی لے کر

حضرت شیخ طرطوسیؒ کے دروازے پر جا پہنچے۔اور اپنا خواب سُنایا۔حضرت شیخ طرطوسیؒ خواب سن کر رو دیئے۔اور تحائف قبول کر لئے۔اور اس خواب کی بدولت حضرت شیخ طرطوسیؒ کے دل میں حضرت شیخ ابو مدینؒ کی جو کراہت (ونفرت) تھی۔وہ جاتی رہی۔بلکہ محبت میں تبدیل ہوگئی۔

پھر حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ نے حضرت شیخ طرطوسیؒ سے شیخ ابو مدینؒ سے ناراضگی کی وجہ دریافت کی۔تو انہوں نے بتایا۔کہ! مَیں بجایہ میں ان کے پاس تھا۔عیدالاضحیٰ کی قربانی کا گوشت آیا۔اور حضرت شیخ ابو مدینؒ نے تمام گوشت اپنے احباب میں بانٹ دیا۔اور مجھے محروم رکھا۔بس اسی بھوک اور محرومی کی وجہ سے میں آپؒ سے کراہت کرنے لگ گیا۔مگر اب میں نے توبہ کر لی ہے۔(یہ واقعہ حضرت ابن عربیؒ نے فتوحاتِ مکیہ میں تحریر فرمایا ہے)

کتاب آداب السلوک والتواصل الی المنازل الملوک میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔کہ! اپنے دل میں جب کسی بھی شخص کی محبت یا نفرت پاؤ۔تو اس شخص کے اعمال کو کتاب وسنت پر پیش کرو۔اگر وہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں قابل نفرت ہے۔تو پھر مژدہ ہے۔کہ تُو نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ موافقت کی ہے۔اور اگر اس کے اعمال کتاب وسنت کی رُو سے قابل محبت ہیں۔اور تیرے دل میں اس کی نفرت پائی جاتی ہے۔تو پھر تُو سمجھ جا۔کہ تُو خواہش کا بندہ ہے۔اس شخص سے اپنی خواہش کی وجہ سے نفرت کر رہا ہے۔اور اس سے کینہ اور بغض رکھ کر تُو خود پر ظلم ڈھا رہا ہے۔اور یوں اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی مخالفت کر کے معصیت کا مرتکب ہو رہا ہے۔اپنے بغض سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں توبہ کر۔اور اس شخص کے علاوہ دوسرے محبوبانِ بارگاہِ الٰہی،اولیاء واصفیاء اور صالحینِ اُمت کی محبت کا سوال کر۔تاکہ تُو ان سے محبت کر کے اللہ تعالیٰ سے موافقت اختیار کر لے۔

اسی طرح،کہ جس سے محبت کرتا ہے۔اس کے اعمال کو قرآن وسنت پر پیش کر۔اگر قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق وہ قابلِ محبت ہے۔تو تُو بھی اس سے محبت کر۔اور وہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے مطابق وہ قابلِ نفرت ہے۔تو تُو بھی اس سے نفرت کر۔تاکہ تیری اس سے محبت یا نفرت اپنی خواہش کی وجہ سے نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بھی مخالفت نفس کا حکم فرماتا ہے۔**ولا تتبع الھوٰی فیضلک عن سبیل اللہ** ۔اور نہ پیروی کرو۔اپنے ہوائے نفس کی۔کہ وہ (یقیناً) بہکا دے گی تجھے اللہ کی راہ سے۔(القرآن) محبت یا نفرت کا یہ میزان ہے۔جس سے تولا جا سکتا ہے۔

سکون اور عشق ، وہ بھی دونوں ایک ساتھ رہنے دو غالب ! کوئی عقل کی بات کرو

نمبر2۔ بغض : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! بدگمانی سے بچتے رہو۔کیونکہ بدگمانی کی باتیں اکثر جھوٹی ہوتی ہیں۔لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کے پیچھے نہ پڑو۔آپس میں حسد نہ کرو۔بغض نہ رکھو۔بلکہ سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔(صحیح بخاری) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں۔تو حضرت جبرائیلِ امینؑ کو بلا کر فرماتے ہیں۔کہ! مَیں فلاں سے محبت کرتا ہوں۔تو (بھی) اسے محبوب رکھ۔پس حضرت جبرائیلؑ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔پھر آسمان پر منادی کی جاتی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے۔تم بھی اس سے محبت کرو۔تو آسمان والے بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔پھر زمین میں بھی اس کے لئے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔اور جب کسی (خوش نصیب) بندے کے لئے مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔تو وہ (دنیا والوں کے لئے بھی) مقبول ہو جاتا ہے۔اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتے ہیں۔تو تو حضرت جبرائیلؑ کو بلا کر فرماتے ہیں۔کہ! میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں۔تو بھی اسے مبغوض رکھ۔پس حضرت جبرائیلؑ بھی اس سے بغض رکھتے ہیں۔پھر زمین میں اس کے لئے عداوت رکھ دی جاتی ہے۔(صحیح مسلم)

چشم پرنم ، اشک زم زم ، سانس مدھم ، وقت ہے کم وصال راحت ہجر ماتم رقیب قاتل موت ہے مرہم

نمبر3۔ حسد : صحیح بخاری شریف کی حدیث نمبر 73 میں آیا ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! حسد صرف دو باتوں میں جائز ہے۔ایک تو اس شخص کے بارے میں جسے اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہو۔اور وہ اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔اور ایک شخص کے بارے میں (حسد جائز ہے۔کہ) جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (کی دولت) سے نوازا ہو۔اور وہ اس کے ذریعے سے فیصلہ کرتا ہو۔اور (لوگوں کو) اس حکمت کی تعلیم دیتا ہو۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث نمبر 73 میں آیا ہے۔کہ! حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! آپس میں بغض نہ رکھو۔پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کرو۔بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔کہ ایک (مسلمان) بھائی کسی (دوسرے مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ سلام (اور) کلام چھوڑ دے۔

دل کالے کولوں منہ کالا چنگا جے کوئی اس نوں جانے **ھُو**

نمبر4۔ غیبت : اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔کہ! اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو۔(کیونکہ) بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔اور کسی کی ٹوہ میں نہ لگو۔اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا؟ کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔اس سے تو خود تم نفرت کرتے ہو۔اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔بے شک! اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا،بہت مہربان ہے۔(القرآن۔12-49)

اسی ضمن میں امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب دعوات کبیر میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! غیبت کا کفارہ یہ ہے۔کہ! تم اس شخص کی مغفرت وبخشش کی دعا مانگو۔کہ اے اللہ عزوجل! ہم کو اس شخص کی،جس کی میں نے غیبت کی۔بخش دے۔(آمین)

اور اسی طرح امام بیہقیؒ نے حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت نقل کی ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی پیٹھ پیچھے اس کا

گوشت کھانے سے باز رکھے۔یعنی اس کے سامنے اگر کوئی شخص (کسی) مسلمان بھائی کی برائی اور غیبت کر رہا ہو۔تو اس کو اس حرکت سے روکے۔تو اس کا اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہے۔کہ وہ اس کو دوزخ کی آگ سے آزاد کردے گا۔(انشاء اللہ تعالیٰ) صحیح مسلم شریف کی حدیث نمبر 6593 میں آیا ہے۔کہ! حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! کیا تم جانتے ہو؟ کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔(غیبت یہ ہے۔کہ) اپنے بھائی کے اس عیب کو ذکر کرے۔جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہو۔آپ ﷺ سے عرض کیا گیا۔کہ! آپ ﷺ کا کیا خیال ہے؟ کہ اگر واقعی وہ عیب میرے بھائی میں موجود ہوں۔جو میں کہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔اگر وہ عیب اس میں (واقعی) ہے۔جو تم کہتے ہو۔تبھی تو وہ غیبت ہے۔اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو۔تو پھر تم نے اس پر بہتان لگایا ہے۔(اسی طرح سے) غیبت کے بارے میں وارد ہے۔کہ!

الغیبۃ اشد من الزناء۔(یعنی کہ) غیبت زناء سے بھی زیادہ سخت ہے۔

کرتے ہیں میری خامیوں کا تذکرہ کچھ اس طرح — لوگ اپنے اعمال میں فرشتے ہوں جس طرح

نمبر5۔**غصہ**: اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔کہ! غرض تمھیں جو کوئی چیز دی گئی ہے۔وہ دنیوی زندگی کی پونجی ہے۔اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔وہ ان لوگوں کے لئے کہیں بہتر اور پائیدار ہے۔جو اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔اور جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔اور جب ان کو غصہ آتا ہے۔تو وہ درگذر سے کام لیتے ہیں۔صحیح بخاری کی دو احادیث۔۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! جب اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر چکا۔تو اپنی کتاب (لوحِ محفوظ) میں، جو اس کے پاس عرش پر موجود ہے۔اس نے لکھا۔کہ میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے۔(شکر الحمدُ للہ۔سبحٰن اللہ۔) حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ فحش گو نہ تھے۔نہ آپ ﷺ لعنت ملامت کرنے والے تھے۔اور نہ گالی دیتے تھے۔آپ ﷺ کو (جس وقت کسی پر) بہت زیادہ غصہ آتا تھا۔تو صِرف اتنا کہہ دیتے۔اسے کیا ہو گیا ہے۔اس کی پیشانی پر خاک لگے۔ ایک دانشور سے جب پوچھا گیا۔کہ! غصہ کیا ہے ؟ تو دانشور نے بڑا خوبصورت جواب دیا۔کہ! کسی کی غلطی کی سزا خود کو دینا۔

نمبر6۔ **دل آزاری**: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔کہ! جب تم تین آدمی ہو۔تو دو آدمی اپنے ساتھی کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کیا کرو۔کیونکہ اس سے اس (تیسرے) کی دل آزاری ہوگی۔

می بخور، مصحف بسوز، آتش اندر کعبہ زن — ساکن بتخانہ باش، مردم آزاری مکن

حکایتِ عجیبہ و غریبہ: اسی ضمن میں ایک حکایت مشہور ہے۔کہ! حضرت خواجہ غلام فریدؒ (کوٹ مٹھن۔ پنجاب) تشریف فرما تھے۔ رمضان کا آخری عشرہ تھا۔ سامنے جم غفیر بیٹھا ہوا تھا۔کہ اس دوران ایک ہندو عورت آئی۔اور عرض گزار ہوئی۔کہ بھگوان نے مجھے آپؒ کی دعاؤں سے اولاد دی ہے۔مَیں نے منت مانی تھی۔کہ اگر مجھے اولاد ہوئی۔تو میں اپنے ہاتھوں سے آپؒ کو جلیبیاں کھلاؤں گی۔اب آپؒ میرے ہاتھوں سے یہ جلیبیاں کھائیں۔آپؒ نے کافی پس و پیش کیا، عذر خواہی کی۔
لیکن وہ نہ مانی۔ بالآخر آپؒ نے اپنا سر مبارک آسمان کی جانب اُٹھایا۔کچھ توقف کے بعد آپ ل نے اُس غیر مسلم عورت کو جلیبیاں کھلانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ وہ جلیبیاں کھلا کر چلتی بنی۔لیکن یہاں پر لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔تو حضرت خواجہ غلام فریدؒ نے فرمایا۔کہ روزہ توڑنے کا کفارہ 60 روزے رکھنا یا 60 مساکین کو کھانا کھلانا ہی ہوتا ہے نہ؟ تو میں ان دو اُمور میں سے کسی ایک کام کو سر انجام دے ہی دوں گا۔ انشاء اللہ۔مگر دل آزاری بہت بڑا گناہ ہے۔اور کسی کا دل توڑنا کعبہ ڈھانے سے بھی بڑا گناہ ہے۔کیونکہ دل میں اللہ تعالیٰ رہتا ہے۔گو کہ اللہ تعالیٰ اس قدر بلند اور بڑی ذات ہے۔کہ کہیں نہیں سما سکتا۔مگر دل میں۔۔

دل بدست آور کہ حجِ اکبر اَست — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر اَست
کعبہ بنیادِ خلیلِ اطہر اَست — دل گذرگاہ جلیلِ اکبر اَست

نمبر7۔ **انکار کرنا: (کسی کو No کہنا۔ قدرت کے باوجود کسی کے کام نہ آنا)**

جامع ترمذی شریف کی حدیث نمبر 2389 میں آیا ہے۔کہ! حضرت نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور بدی کے متعلق سوال کیا گیا۔تو آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ! نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے۔اور گناہ وہ ہے۔جو تمھارے قلب میں کھٹک پیدا کرے۔اور لوگوں کا مطلع ہونا تم اس پر ناگوار گزرے۔(**خیر الناس من ینفع الناس**) بقول علامہ اقبال!

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے — آتے ہیں جو کام دوسروں کے

حکایتِ عجیبہ و غریبہ: ایک سال حضرت عبداللہ بن مبارکؒ حج سے فارغ ہو کر ذرا ستانے کی غرض سے خانہ کعبہ میں سو گئے۔تو انہوں نے خواب میں ملاحظہ کیا۔کہ! دو فرشتے آسمان سے اُترے۔تو ایک نے دوسرے سے دریافت کیا۔کہ اس برس حج کے لئے کس قدر لوگ تشریف لائے ہیں۔تو اُس دوسرے نے جواب دیا۔کہ! چھ لاکھ۔تو پہلے نے دوبارہ پوچھا۔کہ! ان میں سے کتنے لوگوں کا حج مقبول ہوا۔تو دوسرے نے کہا۔کہ! ان میں سے کسی کا

بھی حج مقبول نہیں ہوا۔تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔کہ! (بحالتِ عالمِ رویاء) جب میں نے یہ سنا۔تو میرے دل میں بڑی بے قراری پیدا ہوئی۔اور میں نے کہا۔کہ اس قدر خلائق جہاں کی ہر چہار طرف سے اتنے رنج وتکالیف جھیل کر اور دور دراز راستے طے کر کے آئی ہے۔بڑے بڑے بیاباں طے کئے۔ان کی یہ سب محنت اکارت گئی۔پھر اُس فرشتے نے کہا۔کہ دمشق میں ایک موچی رہتا ہے۔کہ جس کا نام"**علی بن الموفق**"ہے۔وہ حالانکہ حج کو بھی نہیں آیا ہے۔لیکن (اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے) اُس کا حج مقبول ہوا ہے۔اور ان جملہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اسی (موچی) کے طفیل بخش دیا ہے۔جب میں نے یہ سنا۔تو میری آنکھ کھل گئی۔اور میں نے (دل ہی دل میں خود سے) یہ کہا۔کہ اَب دمشق کی طرف چلنا چاہیئے۔اور اُس شخص کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیئے۔جب میں دمشق پہنچا۔اور اُس (موچی) کا گھر تلاش کر کے آواز دی۔تو ایک شخص نکلا۔میں نے پوچھا۔کہ! آپؒ کا اسم کیا ہے؟ تو اُس نے بتایا۔کہ!"علی بن الموفق"۔میں نے کہا۔مجھے آپؒ سے کچھ بات کہنی ہے۔تو اُس نے کہا۔فرمایئے۔میں نے پوچھا۔آپؒ کیا کام کرتے ہیں۔اُس نے بتایا۔میں جوتیوں میں پیوند لگاتا ہے۔پھر میں نے یہ واقعہ (جو کہ عالمِ رویاء میں ملاحظہ کیا تھا) اُس نے بیان کیا۔پھر اُس نے پوچھا۔کہ! آپؒ کا کیا نام ہے؟ میں نے بتایا۔کہ!"عبداللہ بن مبارکؒ"۔اُس نے یہ سن کر ایک چیخ ماری۔اور گر کر بے حوش ہو گیا۔جب افاقہ ہوا۔تو میں نے کہا۔مجھے اپنے اُس عمل پر آگاہی بخشیئے۔تو اُس نے بتایا۔کہ! تیس برس سے مجھے حج کی آرزو تھی۔اور میں نے جوتیوں میں پیوند ٹانک کر تین سو درہم جمع کئے۔پھر میں نے اس برس ارادہ کیا۔کہ حج کو جاؤں۔(حج پر جانے سے کچھ قبل) ایک دفعہ کا ذکر ہے۔کہ! میری حاملہ بیوی نے مجھے کہا۔کہ ہمسایہ کے گھر سے کھانے کی خوشبو آ رہی ہے۔تو جا کر اُن سے میرے لئے تھوڑا سا کھانا مانگ لائیں۔جب میں کھانا مانگنے گیا۔تو ہمسایہ نے کہا۔یہ کھانا آپؒ کے لائق نہیں۔آج سات روز ہونے کو ہیں۔کہ! ہم نے اور ہمارے بچوں نے کچھ نہیں کھایا۔باہر ایک مردہ گدھا پڑا ہوا تھا۔میں نے اُس کا تھوڑا سا گوشت کاٹا۔اور گھر لا کر پکوا لیا۔جونہی میں (یعنی موچی) نے یہ سنا۔تو میرے سر سے لے کر پاؤں تک آگ سی لگ گئی۔اور میں واپس دوڑتا ہوا اپنے گھر گیا۔وہ تین سو درہم (جو کہ میں نے حج کے لئے گذشتہ تیس برس سے جمع کر رہا تھا۔کو) لا کر اُسے (ہمسائے کو) دے دیئے۔اور کہا۔کہ! ان (درہموں) کو اپنے بال بچوں پر خرچ کرو۔ہمارا حج یہی ہے۔تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے یہ سن کر کہا۔ملائکہ نے میرے خواب میں آ کر واقعتاً سچی بات کہی تھی۔اور اللہ تعالیٰ یقیناً قضاء وقدر کا (حقیقی) مالک ہے۔

مقامات و مدارجِ ولایت: (بمطابق سلسلہء عالیہ نقشبندیہ اویسیہ کمالیہ کے بانی حضرت پروفیسر باغ حسین کمال)

روحانی توجہ کے زیرِ اثر روحِ سالک اُن وراء الوراء روحانی منازل کی طرف گرمِ پرواز اور عرش پیما ہوتی ہے۔جہاں ستارے گردِ راہ کی صورت کہیں دور پیچھے رہ جاتے ہیں۔یہی رسولِ مکرم ﷺ کی وہ روحانی میراث ہے۔جو ہر دور میں اولیائے کرامؒ کو ودیعت رہی۔اور تا قیامت منتقل ہوتی رہے گی۔انہی اولیائے کرامؒ میں سے بعض کو خصوصی روحانی مناصب سے نوازا جاتا ہے۔انہی کے وجود کی ظاہری و باطنی برکات سے رحمتِ الٰہی اہلِ عالم کے شامل ہوتی ہے۔اِن مناصب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔عبد۔صدیق۔قطبِ وحدت۔فرد۔قیوم۔غوث۔قطب الاقطاب۔ **قطب الاقطاب** کے زیریں تین مناصب ہیں۔قطبِ ارشاد۔قطبِ مدار۔قطبِ ابدال۔ **قطب ارشاد** کے زیریں اولیاء کی ترتیب یہ ہے۔70 نجباء۔300 نقباء۔500 اخیار۔25 ابرار۔ **قطبِ مدار** کے زیریں چار اوتاد ہیں۔ **قطب ابدال** کے زیریں چالیس ابدال ہیں۔

اسی ضمن میں ایک حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔کہ! حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں۔کہ! حضرت نبی مکرم ﷺ ایک روز اُحد (کے) پہاڑ پر چڑھے۔اور آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ تھے۔ان کے باعث پہاڑ ہلنے لگا۔تو آپ ﷺ نے اپنے پاؤں سے اشارہ کیا۔کہ!"اے اُحد ٹھہر جا!" کیونکہ! تیرے اوپر ایک نبی ﷺ، ایک صدیقؓ اور دو شہداء ہیں۔(اس حدیث کے مطابق) نبیؑ، صدیق اور عبد میں اتنا قریبی اتصال ہے۔کہ! جہاں صدیقیت اور عبدیت کی حد ختم ہوتی ہے۔وہاں سے حدِ نبوت کا آغاز ہوتا ہے۔(یاد رہے۔کہ!) منصبِ عبد کے متعلق حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ دفترِ اول کے مکتوب نمبر 30 میں رقمطراز ہیں۔کہ! لہٰذا مراتبِ ولایت کی انتہا مقامِ عبدیت ہے۔(اور) مقامِ عبدیت سے بالا کوئی مقام نہیں۔

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب"**ازالۃ الخفاء**"میں منصبِ صدیقیت کے بارے فرماتے ہیں۔کہ! صدیق کے معنیٰ بڑا سچا اور شریعت میں (مقامِ صدیقیت) ایک خاص مرتبہ (کا نام ومقام) ہے۔جس کی سرحد نبوت کی سرحد سے ملی ہوئی ہے۔

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب"**انفاس العارفین**"میں اپنے والد ماجد کا ایک خواب بیان فرماتے ہیں۔کہ! پس آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے میری روح کو اپنی روح میں لے لیا۔اور مقامِ صدیقیت، جو کہ ولایت کی انتہا ہے، سے گزار دیا۔ منصبِ قیوم کے متعلق حضرت شیخ مجددؒ دفترِ دوئم کے مکتوب نمبر 70 میں رقمطراز ہیں۔کہ! وہ عارف جو قیوم کے منصب پر فائز ہو، وہ وزیر کا حکم رکھتا ہے۔کہ مخلوق کے اہم امور کا تعلق اسی سے ہے۔گو کہ انعام تو بادشاہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔مگر وہ ملتے وزیر کی استطاعت سے ہیں۔

حضراتِ چشتیہ (بالخصوص چشتیہ صابریہ) کا کہنا ہے۔کہ! اگر پیر و مرشد کامل ہو۔اور اسے"علم الاسماء"(بالخصوص اسمِ اعظم وحروفِ مقطعات کا علم) حاصل ہو۔اور وہ صاحبِ اَمر ہو۔تو سب سے زیادہ فیض وفائدہ ایک مرید کو اپنے پیرِ کامل کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔اور یہی پیرِ کامل اپنے غبی ترین مرید کو بھی پہلی ہی نظر میں مقامِ بقا باللہ تک پہنچا کر لوحِ محفوظ کا دورہ کرا دیتا ہے۔

حاصلِ عمرم سہ سخن بیش نیست خام بدم، سوختم، پختہ شدم

سلوکِ محمدیہ (اَز حضرت شیخ احمد دباغ محمدی شاذلی)

سالک جب تزکیہ کے چاروں مراحل (ساتوں اعضاء کا تزکیہ۔ خیالات وسوچوں کا تزکیہ۔ قلب ونفس کا تزکیہ۔ قلب اور باطن کا نورِ الٰہی سے منور ہونا) مکمل کر لے۔ تو اس میں مندرجہ ذیل صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ بصورتِ دیگر اس کو (اپنے) شیخ ومربی سے رجوع کرنا چاہیئے۔ اولیاء اللہ نے روحانی بلوغت (فتوۃ) کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ ان میں سے چند ایک درجِ ذیل ہیں۔

☆ نمبر **1**۔ پہلی نشانی یہ ہے۔ کہ! دُنیا میں آپ کا کوئی دشمن ہے۔ اور آپ کو اس سے بدلہ لینے کی قوت بھی حاصل ہے۔ غلبہ پا لیا۔ یا اس کا کوئی کام آپ کے ہاتھ اٹک گیا۔ اس حالت میں پہنچ کر بدلہ نہ لینا (بلکہ دل سے) اسے معاف کر دینا۔ اس کی مشکل کو دور کر دینا۔ اگر یہ حالت دائمی طور پر کسی کو مل جائے۔ تو سمجھ لے۔ کہ روحانیت کے میدان میں داخل ہو چکا ہے۔ اور اسے اللہ عزوجل کے قریب کی ایک منزل مل چکی۔ بشرطِ کہ یہ صفت اس کی طبیعت میں (دائمًا) بھی شامل ہو جائے۔ (یاد رہے۔ کہ) نماز، روزہ اور حج کرنا یہ (تینوں ارکین) روحانی بلوغت کی علامات نہیں۔ علامتِ غلبہ پا کر بھی دشمن کو معاف کر دینا اور بدلہ نہ لینا۔ بعض لوگ اگر غلبہ نہ پائیں۔ تو بددُعائیں دینے لگ جاتے ہیں۔ (کہ) اس کا کچھ نہ رہے وغیرہ۔ یہ رحانی بچپنے کی نشانیاں ہیں۔ نہ ہی زبان سے کچھ کہے۔ اور نہ ہی بدلہ لے۔ بلکہ دل سے اُسے معاف کر دے۔

☆ نمبر **2**۔ دوسری نشانی یہ ہے۔ کہ! غصہ پر قابو پا لے۔ غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو پانا روحانی بلوغت کی اہم علامت ہے۔ غصہ آنا فطرتًا ہے۔ خود حضرت نبی مکرم ﷺ کو بھی غصہ آتا تھا۔ آپ ﷺ کا مبارک چہرہ سرخ ہو جاتا تھا۔ غصہ تو ایک طاقت ہے۔ ذاتی طور پر نہ تو بُرا ہے۔ اور نہ ہی اچھا ہے۔ اس کا استعمال آپ کس طرح سے کرتے ہیں۔ استعمال ہی غصے کو اچھا یا برا بنائے گا۔ لہذا غصے کے باوجود دوسرے پر نرم ہو جانا روحانیت (روحانی بلوغت) کی دوسری علامت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ! نماز بھی پڑھے۔ اور پھر گالم گلوچ بھی کرے۔ گھر میں بیوی کے ساتھ بدمزاج ہو۔ پڑوسی اس سے تنگ ہوں۔ ایسے نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے۔ کوئی بندہ استعمال کی چیز مانگے۔ تو منہ چڑھا لے۔ ایسا شخص کبھی (بھی) قرب (الٰہی) نہیں پا سکتا۔ لہذا ہر بندہ اپنے اندر دیکھے۔ کہ اس میں غصے کے وقت نرمی دِکھانے کی طاقت ہے یا نہیں۔ اگر ہے۔ تو (اُس شخص نے گویا) روحانیت کی دوسری منزل کو پا لیا۔ اگر نہیں۔ تو پھر یہ صفت پیدا کرنی ضروری ہے۔ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی ایک اور سیڑھی چڑھ جائے۔

☆ نمبر **3**۔ تیسری نشانی یہ ہے۔ کہ! بندہ اپنے دشمنوں کی بھی خیر چاہے۔ ان کے لئے بھی بھلائی چاہے۔ جیسے کہ ایک بزرگ دُعا مانگا کرتے تھے۔ اے اللہ تعالیٰ! میرے دینی دشمنوں (یعنی کفار) کو بھی ہدایت عطا فرما۔ اور میرے دُنیاوی دشمنوں کو بھی ہدایت عطا فرما دے۔ اور ان کو دین ودنیا کی نعمتیں عطا فرما۔ یعنی ہر وقت اسی (دُعا اور جدوجہد) میں کوشاں رہے۔ کہ! آنحضور ﷺ کی اُمت کو دوزخ کے عذاب سے بچائے۔ (آمین) انہیں رب متعال کی محبت بتائے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت بتائے۔ تا کہ یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے قریب ہو جائیں۔ یعنی اپنے دوست تو دوست (بلکہ) دشمنوں کے لئے بھی بھلا چاہے۔ اگر کسی کو یہ کیفیت دائمی طور پر حاصل ہو جائے۔ تو وہ قربِ الٰہی کی ایک اور سیڑھی چڑھ چکا۔ اور وہ روحانی بلوغت کی طرف بڑھ رہا ہے۔

☆ نمبر **4**۔ چوتھی نشانی یہ ہے۔ کہ! جب کسی چیز کی خود کو بھی ضرورت ہو۔ اور دوسرے کو بھی (عین اُسی لمحے اُسی چیز کی) ضرورت ہو۔ تو اس کو ترجیح دے۔ یہ اللہ سبحانہ' کی دوستی کی نشانی ہے۔ ہم جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں (کچھ) دیتے ہیں۔ تو جیب میں ہاتھ ڈالتے ہیں۔ کہیں بڑا نوٹ نہ نکل آئے۔ اور کچھ لوگوں کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔ کہ اگر انہوں نے بہت دے دیا۔ تو دوسروں کو دینے کا جی نہیں کرتا۔ فرمایا۔ یہ ابھی روحانی طور پر بچے بھی نہیں ہیں۔ اصل روحانیت یہ ہے۔ کہ خود کو بھوک بھی لگی ہو۔ اور کسی دوسرے کو بھوک لگی ہو۔ تو باوجود اپنی بھوک کے دوسرے کی بھوک کو اپنے اوپر ترجیح دے۔ اگر یہ کیفیت پیدا ہو جائے۔ تو سمجھ لیں۔ کہ قربِ الٰہی کی آپ نے ایک اور منزل بھی طے کر لی ہے۔ (ماشاءاللہ)

☆ نمبر **5**۔ پانچویں نشانی یہ ہے۔ کہ! جب کوئی بندہ غلطی کرے۔ تو اسے مانے۔ اور فورًا معافی مانگنے کے لئے مستعد ہو جائے۔ اور اپنی غلطی کو درست بھی کر لے۔ فورًا غصے میں نہ آ جائے۔ اگر غلطی نہ بھی ہو۔ پھر بھی معافی مانگنے کے لئے تیار ہو جائے۔ جیسے حضرت امام زین العابدین ؒ ایک دن جونہی مسجد سے نکلے۔ تو ایک شخص نے کہا۔ کہ آپ ؒ زین العابدین (عبادت گاروں کی زینت) ہیں۔ آپ ؒ نے فرمایا۔ کہ! بس لوگوں نے میرا نام رکھ لیا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا۔ آپ ؒ تو عبادت گاروں کے نام پر (نعوذ باللہ) دَھبہ ہیں۔ اور آپ ؒ فلاں ہیں۔ آپ ؒ فلاں ہیں۔ یعنی وہ شخص آپ ؒ کو لگا تار بُرا بھلا کہنے لگا۔ تو حضرت امام زین العابدین ؒ جو کہ حضرت امام حسین ؓ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ ؒ نے فرمایا۔ بھائی! تم نے میرے جو عیب بیان کئے ہیں۔ وہ تو کم ہیں۔ اور جن پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے۔ وہ تو اس سے بہت زیادہ ہیں۔ لہذا تیرا شکریہ! کہ تُو نے مجھے میرے عیبوں پر مطلع کیا۔ آپ ؒ نے اس کو کچھ رقم بھی عطا فرمائی۔ اس شخص نے جب آپ ؒ کا یہ اخلاق دیکھا۔ تو کہنے لگا۔ کہ آپ ؒ واقعتًا عبادت گزاروں کی زینت ہیں۔ اس کے باوجود کہ آپ ؒ میں وہ غلطیاں (عیوب) موجود نہ تھیں۔ آپ ؒ نے مان لیں۔ اور اس کو رقم بھی دی۔ مزید یہ کہ اس کا شکریہ بھی ادا کیا۔ یہ روحانی بلوغت کی علامات میں سے ہے۔ قربِ الٰہی کی ایک اور منزل تب ہی حاصل ہوگی۔ کہ جب کوئی غلطی پر متنبہ کرے۔ تو سمجھے۔ کہ! مجھ میں اس سے کہیں زیادہ غلطیاں (عیوب) موجود ہیں۔ تب جا کر بندہ روحانی بالغ ہوگا۔

☆ نمبر **6**۔ چھٹی نشانی یہ ہے۔ کہ! جب اس کی کوئی تعریف کرے۔ تو سمجھے۔ کہ یہ (خاصیت وخصلت تو) مجھ میں ہے ہی نہیں۔ یہ تو اس بندے کی

اچھائی ہے۔ جو یہ میرے بارے میں اچھا گمان رکھتا ہے۔مَیں تو حقیقتاً اس قابل ہی نہیں ہوں۔ میرے اندر تو فلاں فلاں عیوب موجود ہیں۔اپنی تعریف پر اپنے آپ کو قطعاً بڑا نہ سمجھے۔ بلکہ اپنے عیوب (اور کردہ گناہوں) کو یاد کرے۔ جیسے کہ حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ ؒ ، جو کہ فقہ کے بہت بڑے امام گزرے ہیں۔آپ ؒ زُہد کے بھی امام تھے۔ایک روز کوئی بندہ آپ ؒ کی تعریف کرنے لگا۔تو آپ ؒ رونے لگے۔کسی نے پوچھا۔کہ وہ شخص تو آپ ؒ کی تعریف کررہا ہے۔ پھر آپ ؒ روکیوں رہے ہیں۔آپ ؒ نے فرمایا۔کہ! مَیں تو اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کی محبت میں رو رہا ہوں۔کہ اس نے میری اچھائیاں لوگوں کے سامنے رکھیں۔اور میرے عیوب کو لوگوں سے چھپا رکھا ہے۔تو چھٹی نشانی یہ ہے۔کہ! جب کوئی دوسرا اس کی تعریف کرے۔تو سمجھے۔کہ یہ مجھ میں نہیں ہے۔یہ تو مسلمانوں کا حُسنِ ظن ہے۔اس کی اچھی سوچ ہے۔مَیں تو ایسا ہوں ہی نہیں۔ یہ روحانی بلوغت کی اہم علامت ہے۔

☆ نمبر 7۔ ساتویں نشانی یہ ہے۔کہ! بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حضوری میں رہتا ہے۔یعنی ہر وقت ان تین خیالات میں گم رہتا ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔اور اللہ تعالیٰ مجھے سُن رہا ہے۔ جب کوئی بندہ ءخدا کاروبار کرتا ہے۔تو اللہ رب العزت کو بھی اس میں شریک کرے۔اور اللہ تعالیٰ کا حصہ بھی اس کاروبار میں شامل کردے۔تو ایسے شخص کو کبھی نقصان نہیں ہوگا۔کیونکہ! اللہ پاک اس کے ساتھ ہے۔ جب یہی (تین خیالات اور کاروبار میں اللہ تعالیٰ کو شریک کرنے کے) خیالات پختہ ہوجاتے ہیں۔تو بندہ فوراً اللہ پاک سے کوئی رہنمائی مانگے گا۔تو جلد ہی رہنمائی مل جائے گی۔اللہ پاک اس کے ذہن میں یہ بات ڈال دیے گا۔گویا اللہ تعالیٰ کی حضوری میں رہنا (دراصل) یہ روحانیت کا انتہائی اہم ستون ہے۔اگر کسی کو یہ پختہ یقین ہوجائے۔کہ! اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے۔اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔اور اللہ تعالیٰ مجھے سُن رہا ہے۔تو انسان روحانی بلوغت کو جلد پا سکتا ہے۔

☆ نمبر 8۔ آٹھویں نشانی یہ ہے۔کہ! جو اس سے تعلق توڑتا ہے۔ یہ اس سے تعلق جوڑتا رہتا ہے۔کوئی اس کی دعوت پر نہ آئے۔تب بھی یہ جاتا رہے۔(اگر وہ دعوت کرے) وہ ہمارے جنازے میں نہیں آتا۔تم پھر بھی اس کے جنازے میں جایا کرو۔وہ تم سے ناراضگی رکھتا ہے۔تم اس سے خیر و عافیت دریافت کرتے رہا کرو۔وہ تمھیں محروم کرتا ہے۔تم سے دیتے رہا کرو۔پس یہ سمجھ کر کہ یہ سب بندے اللہ سبحانہٗ کے عیال ہیں۔جیسے کہ ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی رضا مخلوق کی خدمت میں ہے۔اور یہ بھی سوچے۔کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا ایک اُمتی ہے۔کہیں تعلقات توڑنے کی وجہ سے حضرت نبی مکرم ﷺ ناراض نہ ہوجائیں۔یہ کام بظاہر آسان تو نہیں ہے۔چاہے کسی بندے سے 100 (صد) نوافل پڑھوالیں۔وہ بخوشی پڑھ لے گا۔مگر ناراضگی والے گھر نہ جائے گا۔یہ بندہ روحانی بالغ نہیں ہوتا۔اس لئے اُمت (محمدیہ ﷺ) سے تعلق (لازمی) قائم رکھنا ہے۔کہ اپنے آپ کو اور حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی (عظیم ترین) اُمت کو دوزخ کی آگ سے بچالے۔یہی سب سے بڑی خدمتِ خلق ہے۔

☆ نمبر 9۔ نویں نشانی یہ ہے۔کہ! کسی کی طرف سے جب کوئی برائی پہنچے۔مگر آپ کی طرف سے اچھائی جائے۔جیسے کہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی ؒ ایک راستے سے گزر رہے تھے۔کہ کچھ بچے راستے میں ایک بیری کے درخت کو پتھر پھینک رہے تھے۔وہ دراصل بیر اُتارنے کے لئے پتھر مار رہے تھے۔اچانک ایک پتھر شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کے ماتھے پر آن لگا۔اور خون نکلنا شروع ہوگیا۔آپ ؒ نے خون صاف کیا۔اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا فرمائی۔کہ! یا اللہ تعالیٰ! اس بچے کو اپنا ولی بنادے۔جس نے کہ مجھے پتھر مارا ہے۔آپ ؒ کے ساتھیوں نے عرض کیا۔حضرت! ہم روزانہ آپ ؒ کے ساتھ رہتے ہیں۔آپ ؒ نے ہمارے لئے تو یہ دُعا نہیں کی۔ بچے نے پتھر مارا۔اور آپ ؒ نے اس کے لئے ولی ہونے کی دُعا کی۔تو حضرت غوثِ پاک ؒ نے فرمایا۔بھائی دیکھو۔وہ بیری کو پتھر مارے۔تو وہ اسے پھل دیتا ہے۔اور مجھے پتھر لگے۔تو مَیں اسے کیسے بدؔدعا دوں۔ ہمارے بیر تو یہ (دُعائیں) ہیں۔کہ یہ بچہ اللہ تعالیٰ کا ولی بنے۔تو یہ بات ہے۔کہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دو۔حضرت امام حسین ؓ کے دشمن یزیدی تھے۔لیکن آپ ؓ پھر بھی یہی فرمارہے تھے۔کہ! میرے خون سے اپنے ہاتھوں کو مت رنگو۔تاکہ تم دوزخ سے بچ جاؤ۔یہ روحانی بلوغت کی نویں علامت ہے۔کہ! بندہ ہمیشہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دے۔

☆ نمبر 10۔ دسویں نشانی یہ ہے۔کہ! جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔اس سے بہتر دوسروں کے لئے پسند کرے۔جیسے کہ حضرت سیدنا علی ؓ 5 درہم لے کر بازار سے کچھ خریدنے کے لئے گئے۔تو دوکاندار نے آپ ؓ کو پہچان لیا۔کہ آپ ؓ تو امیر المؤمنین ؓ ہیں۔تو دوکاندار نے عرض کیا۔اے امیر المؤمنین ؓ! آپ ؓ جو چاہیں۔پسند کریں۔مَیں آپ ؓ کو انتہائی رعایت میں چیزیں دوں گا۔تو آپ ؓ نے فرمایا۔مَیں تم سے سودا نہیں خریدوں گا۔کیونکہ! تم نے مجھے پہچان لیا۔مَیں اپنی ولایت کو فروخت نہیں کرسکتا۔کہ تُو میری وجہ سے کم منافع کمائے۔(سبحان اللہ) جیسے ہم اپنے لئے عزت پسند کرتے ہیں۔تو ہمیں چاہیئے۔کہ! ہم دوسروں کو بھی عزت سے نوازیں۔اگر ہم اپنے لئے جنت مانگیں۔تو دوسروں کے لئے بھی جنت طلب کریں۔اگر ہمیں کوئی گالی دے۔تو ہم پسند نہیں کرتے۔کہ دوسرے کو بھی گالی (یعنی گالی کا جواب گالی سے) نہ دیں۔الغرض! ہر وہ چیز جو اپنے لئے پسند کرے۔اس سے بھی بہتر دوسرے کے لئے پسند کرے۔اگر یہ کیفیت پیدا ہوجائے۔تو سمجھ لیں۔کہ! روحانیت کی ایک اور منزل طے ہوگئی۔حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔قیامت والے دن مانگنے والا شخص اس حالت میں اُٹھے گا۔کہ اس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔اور دُنیا میں یہ عذاب ہوگا۔کہ اس کی محتاجی ختم نہیں ہوگی۔لہذا جیسے بندہ خود مانگنا پسند نہیں کرتا۔تو دوسرے کی بھی عزتِ نفس کا خیال رکھے گا۔

☆ نمبر 11۔ گیارہویں نشانی یہ ہے۔کہ! اگر کسی اور سے کوئی غلطی ہوجائے۔تو یہ عذر تلاش کرے۔مطلب یہ کہ! اگر کسی بندے نے فلاں وقت آپ کے پاس آنا تھا۔اور وہ لیٹ ہوگیا۔تو بجائے اس کے (کہ) وہ کوئی بہانہ تلاش کرے۔تو آپ پہلے سے ہی اس کی طرف سے کوئی بہانہ پیش کردیں۔تاکہ وہ

شرمندگی سے بچ جائے۔ اگر کسی سے کوئی غلطی ہو۔ تو اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کا ولی خود عذر بنالیتا ہے۔ تاکہ وہ شرمندہ نہ ہوں۔ تاکہ اس کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ جیسے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے آپؑ کو کنویں میں پھینکا۔ والد حضرت یعقوبؑ سے جُدا کیا۔ مگر حضرت یوسفؑ جب بادشاہ بنے۔ تو آپؑ نے فرمایا۔ تم تو مجھ سے جدا نہیں ہوئے۔ بلکہ شیطان نے ہمارے مابین جدائی ڈال دی تھی۔ تم تو ایسے ہیں ہو۔ یعنی بجائے اس کے (کہ) بھائی عذر پیش کرتے۔ آپؑ نے خود ہی عذر بنایا۔ تاکہ وہ شرمندگی سے بچ جائیں۔ اسی طرح سے ایک اور مثال ہے۔ کہ! حضرت حاتم اصمؒ کے پاس ایک عورت مسئلہ پوچھنے کے لئے تشریف لائی۔ تو بیٹھے بیٹھے اس کی ریح خارج ہوگئی۔ تو اسے بہت زیادہ شرمندگی (محسوس) ہونے لگی۔ حضرت حاتم اصمؒ نے اس عورت کو شرمندگی سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو بہرا ظاہر کیا۔ کان پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔ اے عورت ذرا سا اونچا بولیں۔ اس طرح سے اس عورت کی شرمندگی دور ہوگئی۔ پھر ساری زندگی حضرت حاتم اصمؒ اپنے آپ کو بہرا ظاہر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آپؒ کا نام ہی اصم پڑ گیا۔ جس کا معنٰی ہے بہرا۔ اگر یہ کیفیت مل جائے۔ کہ دوسروں کا عذر تلاش کرے۔ اور اسے شرمندگی سے بچائے۔ تو سمجھے۔ کہ! قربِ الٰہی کی ایک اور سیڑھی بھی طے ہوگئی۔

☆ نمبر **12**۔ گیارہویں نشانی یہ ہے۔ کہ! ہر ایک کے بارے میں اچھا گمان رکھے۔ کسی کی بات کے دو رُخ ہوں۔ دو پہلو ہوں۔ اچھا بھی ہو۔ اور برا بھی ہو۔ تو اچھے پہلو کا گمان کرے۔ اور یوں کہے۔ کہ! ہوسکتا ہے۔ کہ! اس نے اس پہلو سے کہا ہو۔ یعنی ہر بات کا مثبت پہلو نکالے۔ ہر وقت آپ کو ہر کسی کے لئے اچھا گمان رکھنا ہے۔ کسی کی برائی کو دیکھ کر اپنی اچھائی نہ چھوڑنا۔ جیسے کہ ایک بزرگ کسی چشمے کے پاس تشریف فرما تھے۔ تو انہیں ایک بچھو دکھائی دیا۔ کہ وہ پانی میں گرا ہے۔ آپ نے اُسے اپنی ہتھیلی پر رکھا۔ اور پانی سے باہر نکال کر اُس کی جان بچائی۔ اس بچھو نے ساتھ ہی ڈنگ ماردیا۔ اور پھر چشمے میں گر گیا۔ الغرض اُس بزرگ نے دو تین مرتبہ اُس بچھو کو پانی سے باہر نکالا۔ تو بچھو نے فطرتاً اُسے پھر سے ڈنگ مارا۔ کسی نے پوچھا۔ وہ (بچھو تو) آپ کو مسلسل ڈنگ مار رہا ہے۔ آپ پھر بھی اُسے بچا رہے ہیں۔ تو بزرگ نے فرمایا۔ کہ! کیا میں اُس کی برائی کو دیکھ کر اپنی اچھائی کو چھوڑ دوں ؟ تو گویا اگر کوئی برائی کرے۔ یا برا گمان رکھے۔ لیکن آپ نے ہمیشہ اچھا گمان رکھنا ہے۔ اور اچھائی کرنی ہے۔ اس طرح سے روحانیت کی اگلی سیڑھی بھی طے ہوجائے گی۔ (ان شاء اللہ) اور بندہ روحانی طور پر بالغ ہوجائے گا۔ (ان شاء اللہ)

حضرت شیخ احمد دباغ صاحب کا شجرہ طریقت : جناب حافظ وحید احمد المعروف بہ حضرت شیخ احمد دباغ۔ سیدنا مرتضیٰ۔ سیدنا محمد شریف۔ سیدنا عبدالعالی۔ سیدنا محمد بن علی۔ سیدنا سید احمد بن ادریس۔ سیدنا عبدالوہاب التازی۔ سیدنا سید عبدالعزیز الدباغ۔ سیدنا عمر بن محمد۔ سیدنا العربی الفشتالی۔ سیدنا محمد بن ناصر۔ سیدنا احمد بن علی۔ سیدنا ابوالقاسم۔ سیدنا علی بن عبداللہ۔ سیدنا احمد بن یوسف۔ سیدنا احمد زروق۔ سیدنا احمد الحضرمی۔ سیدنا یحیٰ القادری۔ سیدنا محمد الوفا۔ سیدنا دوؤد بن الباخلی۔ سیدنا احمد بن عطاء اللہ سکندری۔ سیدنا ابوالعباس المرسی۔ سیدنا ابوالحسن الشاذلی۔ سیدنا عبدالسلام بن مشیش۔ سیدنا عبدالرحمٰن العطار۔ سیدنا شعیب ابومدین المغربی۔ سید حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ۔ حضرت شیخ ابوسعید مخزومیؒ۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی بن محمد القرشی الہنکاریؒ۔ حضرت شیخ ابوالفرح طرطوسیؒ۔ حضرت شیخ ابوالفضل عبدالواحد التمیمیؒ۔ حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ۔ حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادیؒ۔ حضرت سری سقطیؒ۔ حضرت شیخ معروف کرخیؒ۔ حضرت سید ابوالحسن علی ابنِ موسیٰ رضاؒ۔ حضرت سید موسیٰ کاظمؒ۔ حضرت سید جعفر صادقؒ۔ حضرت سید محمد باقرؒ۔ حضرت سید زین العابدینؒ۔ حضرت شہیدِ کربلا جناب سید حسینؓ۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰؓ۔ حضرت سید الرسل امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ۔

مدارج و مقاماتِ اولیاء اللہ : ☆ حضرت رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! اویس (حضرت اویس قرنیؓ) احسان و مہربانی کے اعتبار سے بہترین تابعین میں سے ہیں۔ (اور اسی طرح سے) آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے اپنی اُمت کی شفاعت کے حصول کی دُعا کے لئے اِنہیں حکم فرمایا تھا۔ ☆ ستر اولیاء اللہ کو حضرت ذوالنون مصریؒ کی انتقال کی رات آنحضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کہ! میں اللہ تعالیٰ کے دوست حضرت ذوالنون مصریؒ کے استقبال کے لئے آیا ہوں۔ ☆ حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک نہایت مشہور و معروف قول ہے۔ کہ! حضرت بایزید بسطامیؒ کو اولیاء میں وہی مقام حاصل ہے۔ جو حضرت جبرائیلِ امینؑ کو ملائکہ میں۔ (مزید فرمایا۔ کہ) مقامِ توحید میں جملہ اسلاف کی انتہا حضرت بایزیدؒ کی ابتداء ہے۔ ☆ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! لوگ (جملہ فقیہ و مجتہدین اور علمائے کرام) فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا کنبہ ہیں۔

☆ حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھنؒ کے ملفوظات بنام ’’مقابیس المجالس‘‘ میں مرقوم ہے۔ کہ! حضرت پیرانِ پیر جناب شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے کتاب ’’**کشف المحجوب**‘‘ ملاحظہ کر کے فرمایا۔ کہ! اگر شیخ علی ہجویریؒ بقیدِ حیات ہوتے۔ تو مَیں اُن سے جا کر دستِ بیعت ہوتا۔ ☆ مقابیس المجالس میں مرقوم ہے۔ کہ! حضرت شیخ عثمان ہارونیؒ نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔ یا پروردگار! (میرے مرید حضرت خواجہ خواجگان) خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا آپ کی بارگاہ میں کیا مرتبہ ہے ؟ (تو اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔ شیخ معین الدینؒ کا میری بارگاہ میں وہ مقام ہے۔ کہ اگر جملہ اولیاء قیامت تک پرواز کریں۔ تو اس کے پہلے قدم تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

ظلام بحر میں کھو کر سنبھل جا   تڑپ جا ، پیچ کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تیری قسمت میں ، اے موج   اُبھر کر جس طرف چاہے نکل جا
نہ تُو زمیں کے لئے ہے ، نہ آسماں کے لئے   جہاں ہے تیرے لئے ،تُو نہیں جہاں کے لئے

صد میدان (سلوک و معرفت کے ذریعے حصولِ ولایت کے میدان)

کجھ بغض دی ریت وچ نئی مِلدا — کجھ ہار تے جیت وچ نئی مِلدا
مخلوقِ خدا نال پیار تے کر — رَب صِرف مسیت وِچ نئی مِلدا

حضرت انسان ہمیشہ تحقیق وجستجو میں محو ومشغول رہا ہے۔لیکن اولیاءاللہ کی یہ خواہش رہی ہے ۔کہ! وہ سلوک میں بھر پور سعی کریں۔سلوک ہے کیا؟ **سلوک** دراصل اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بطریقِ کشفی ، نہ کہ بطریقِ استدلال وعلم ۔اس راستے پر چلنے والے **سالک** کہتے ہیں۔

وقتِ خاص یا اوقاتِ مخصوصہ میں مبتدی پر یادِ باری تعالیٰ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے۔کہ دوسرے تخیلات وتصورات اس کے ذہن سے محو ہو جاتے ہیں۔یہ منجانب الٰہی ایک کشش ہوا کرتی ہے۔جو کہ باعثِ ترقیاتِ مزید کا اشارہ ہوتی ہے۔اس حالت وکیفیت کو'' **صفائی مبتدی** '' کہا جاتا ہے۔ جو کہ صفائی ءوقت کی پہلی قسم ہے۔کیونکہ یہ حالے مبتدیوں پر طاری ہوتی ہے۔اس مرتبہ کے صوفی کو'' **سالکِ مجذوب** '' کہا جاتا ہے۔

کوئی صوفی جب ایسے اوقات میں آتے ہیں۔کہ جن میں اُس پر تجلیات وارد ہوتی ہیں۔تو اس حالت وکیفیت کو صفائی متوسط کہتے ہیں۔کیونکہ! یہ حالت متوسطین پر طاری ہوتی ہے۔اس مرتبہ کے صوفی کو **مجذوب** کہتے ہیں۔

جب کوئی صوفی واصلِ ذاتِ حق ہو کر مقامِ تمکین میں جا پہنچتا ہے۔اور اُس پر عجائبات وغرائبات ومکشوفات وارد ہوتے ہیں۔اور وہ اپنے قلب سے سنتا دیکھتا اور جانتا ہے۔تو اس حالت کو'' **صفائی منتہی** '' کہتے ہیں۔اس مرتبہ کے صوفی کو'' **مجذوبِ سالک** '' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ایسا سالک سلوک میں پختہ ہو چکا ہوتا ہے۔اور وہ مزید مراتب ومقامات طے کرتا چلا جاتا ہے۔ایسے سالک کو آگے جا کر حضوری بھی نصیب ہو جاتی ہے۔اس سالک کا مکمل اعتماد وتوکل صِرف ذاتِ حق سے وابستہ ہوتا ہے۔

حضرت پیر ہرات (افغانستان) جناب **خواجہ شیخ الاسلام عبداللہ انصاری ہروی**ؒ اپنی مشہورِ زمانہ کتاب **صد میدان** میں فرماتے ہیں۔کہ! بیان کیا جاتا ہے۔کہ! **حضرت خضرؑ** نے فرمایا۔کہ! **بندے اوراس کے خالق کے مابین ایک ہزار مقامات ہیں**۔اسی طرح کا قول حضرت ذوالنون مصریؒ ،حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت ابوبکر کتانیؒ سے بھی منقول ہے۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا۔ وہ ایک ہزار علوم ہیں۔

حضرت سلطان العارفین شیخ بایزید بسطامیؒ نے فرمایا۔ وہ ایک ہزار محل ہیں۔

جبکہ حضرت ابوبکر کتانیؒ نے فرمایا۔ وہ ایک ہزار مقامات ہیں۔

اسی ضمن میں قرآن حکیم میں ارشادِ رحمانی ہے۔ **ھم درجٰت عند اللہ** ۔(یعنی کہ) ان لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجات ہیں۔(حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں۔کہ اس آیت میں بیان کردہ درجات ہی) وہ ہزار مقامات ہیں۔وہ ہزار مقامات ایسی منازل ہیں۔کہ اہلِ سلوک ان پر گامزن ہوتے ہیں۔یہاں تک کہ طالبانِ حق کو انہیں مقامات سے درجہ بدرجہ گزارا جاتا ہے۔اور انسان بالآخر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ومقرب ہو جاتا ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب** ۔(یعنی کہ) وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں وسیلہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔کہ کون ان میں سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ان ہزار مقامات میں سے ہر مقام پر چلنے والے کے لئے منزل اور پانے والے کے لئے مقام ہے۔اس علمِ مخفی کو بیان کرنے والے تین قسم کے افراد ہیں۔

☆ **اھلِ تحقیق** : یعنی وہ افراد کہ جنہوں نے عرفانِ حق حاصل کرنے کے بعد ان کے کلام سے نور ظاہر ہوتا ہے۔

☆ **اھلِ سماع** : یعنی وہ افراد کہ جن کی (خلقِ خدا سے) یگانگی ،ان کے کلام سے مترشح ہوتی ہے۔

☆ **اھلِ دعوٰی**: یعنی وہ افراد جنہیں اپنے دعوٰی پر وحشت کی حد تک (زعم) ہے۔اسی لئے ان کے کلام سے دیدہ دلیری ٹپکتی ہے۔

کر کر بدیاں بڈھا ہویا ، نکل گیا کُب تیرا — فیر وی بدیوں باز نہ آیا ، واہ واہ شخص دلیرا

یاد رہے۔کہ! اس علم کی دلیل یافت ہے۔اوراس کی صحت کی علامت اس کا انجام ہے۔اوران ہزار مقامات میں لحہ بھر کے لئے بھی مندرجہ ذیل چھ چیزوں کے بغیر چارہ نہیں۔ پیروی ءسنت۔ تعظیمِ امر۔ بیمِ مکر۔ لزومِ عذر۔ مل جل کر زندگی گزارنا۔ مخلوقِ خدا پر شفقت۔

ہر چند کہ شریعت سربسر حقیقت ہے۔اور حقیقت تمام شریعت ۔(یعنی) حقیقت کی بنیاد شریعت ہے۔اور شریعت حقیقت کے بغیر اور حقیقت شریعت کے بغیر بے کار ہے۔اور عمل کرنے والے ان ہر دونوں کے بغیر (بالکل ہی نامراد ونا کارا ور) بے کار ہیں۔

ان ہزار منازل میں سے ہر منزل کی اولین شرط یہ ہے۔کہ اس میں توبہ کے ساتھ داخل ہوا جائے۔اور توبہ کر کے ہی اس سے نکلا جائے۔کیونکہ! فرمانِ الٰہی ہے۔کہ! **و توبوا الی اللہ جمیعا ایہ المؤ منون** ۔(یعنی کہ) اے اہلِ ایمان! تم سن اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو۔(توبہ نہ کرنے والوں کے متعلق بھی فرمانِ ربانی ہے۔کہ!) **و من لم یتب فأو لئک ھم الظلمون** ۔(یعنی کہ) اور جولوگ توبہ نہیں کرتے۔پس وہی لوگ ظالم ہیں۔(ذہن نشیں رہے۔کہ) اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ترین لوگ یعنی انبیائے کرامؑ باوجود معصومیت اور **خلاص عن العاصی** کے توبہ کرنا اپنے اوپر لازم سمجھتے تھے۔جاننا چاہیئے۔کہ! علم

زندگانی، حکمت آئینہ، قناعت حصار، اُمیدِ شفاعتِ کنندہ کا علاج ذکرِ الٰہی اور توبہ (ہر دنیاوی زہر کا واضح) علاج ہے۔توبہ کرنے والے کی آہ وزاری شیطانِ لعین کو دفع و دور کرتی ہے۔ گناہوں کو دھو کہ قلب و روح کو پاک و مصفی کر دیتی ہے۔اور کشائشِ دل اور قربِ الٰہی کا موجب بنتی ہے۔توبہ راستے کا نشان، باریابی کی رہنما، خزانے کی کلید وصالِ محبوب کی شفیع، عظیم وسیلہءقبولیت کی شرط اور تمام مسرتوں کا سرچشمہ ہے۔

بہرحال! آشنائی سے دوست داری تک ہزار مقامات ہیں۔اور آگاہی سے دلیری تک ہزار منازل ہیں۔اور (مصنف حضرت خواجہ عبداللہ انصاری ہرویؒ کی کتابِ مستطاب) صد میدان اِن سب (یعنی ہزار مقامات اور ہزار منازل) پر محیط ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہی سے معاونت طلب کی جاتی ہے۔کتاب میں مندرج صد میدان یہاں پر بیان کیے جا رہے ہیں۔تا کہ ہم سب ان صد میدانوں سے مستفید و متنفع ہوسکیں۔ان شاءاللہ العظیم۔

کتاب میں مندرج صد میدان یہ ہیں۔

توبہ۔ مروت۔ انابت۔ فتوت۔ ارادت۔ قصد۔ صبر۔ جہاد۔ ریاضت۔ تہذیب۔ محاسبہ۔ یقظہ۔ زہد۔ تجرید۔ ورع۔ تقوٰی۔ معاملہ۔ مبالات۔ یقین۔ بصیرت۔ توکل۔ لجا۔ رضا۔ موافقت۔ اخلاص۔ تبتل۔ عزم۔ استقامت۔ تفکر۔ فقر۔ تواضع۔ خوف۔ وجل۔ رہبت۔ اشفاق۔ خشوع۔ تذلل۔ اخبات۔ الباد۔ ہیبت۔ فرار۔ رجاء۔ طلب۔ رغبت۔ مواصلت۔ مداومت۔ خَطَرَت۔ ہمت۔ رعایت۔ سکینہ۔ طمانیت۔ مراقبت۔ احسان۔ ادب۔ تمکن۔ حرمت۔ غیرت۔ جمع۔ انقطاع۔ صدق۔ صفا۔ ثِقت۔ ایثار۔ تفویض۔ فتوح۔ غربت۔ توحید۔ تفرید۔ علم۔ بصیرت۔ حیات۔ حکمت۔ معرفت۔ کرامت۔ حقیقت۔ ولایت۔ تسلیم۔ استسلام۔ اعتصام۔ انفراد۔ سر۔ غناء۔ بسط۔ انبساط۔ سماع۔ اطلاع۔ وجد۔ لحظہ۔ وقت۔ نفس۔ مکاشفہ۔ سرور۔ انس۔ وہشت۔ مشاہدہ۔ معاملہ۔ فناء۔ بقاء۔

صد میدانوں کی مختصر مگر جامع تفصیل صد میدان (شیخ انصاری) سے منقول ہے۔ان صد کی مَیں (البلوشی) نے مزید کچھ اضافی شرح بیان کی ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور

☆ **توبۃ**۔میدانِ اول مقامِ توبہ ہے۔اور توبہ در حقیقت حق تعالیٰ کی جانب لَوٹنے کا نام ہے۔توبہ کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! ۔اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی شان ہے۔کہ! **و توبوا الی اللہ جمیعا. ایہ المؤ منون لعلکم تفلحون** ۔(سورہ نور۔آیت **31**) اور تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف (آگے) توبہ کرو۔اے ایمان والو! تا کہ تم فلاح پاؤ۔(یعنی جو شخص توبہ کرتا رہے گا۔وہ ضرور فلاح پائے گا۔انشاءاللہ) اسی طرح سے قرآنِ حکیم میں ارشادِ رحمانی ہے۔کہ! **توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا** ۔(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو۔(القرآن۔**66 : 8**)

اسی ضمن میں احادیثِ نبوی ﷺ بھی موجود ہیں۔کہ آنحضور نبی مکرم ﷺ ستر اور سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کیا کرتے تھے۔حالانکہ آپ ﷺ تو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ و معصوم اور پاک تھے۔لیکن توبہ کا عمل چونکہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔اسی لئے حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی مزید محبوبیت و قربت کے لئے توبہ کے عمل کو اختیار کئے ہوئے تھے۔(صحیح مسلم شریف میں سو مرتبہ توبہ کا ذکر ہے) اسی ضمن میں مزید عرض ہے۔کہ! آنحضور نبی مکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی توبہ و استغفار کرنے کا حکم تھا۔ **فسبح بحمد ربک و استغفرہ. انہ کان توابا** ۔(سورہ نصر۔**03**) تو پھر آپ ﷺ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیئے۔اور اس سے مغفرت طلب کیجیئے۔یقیناً وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے عوام الناس کو مخاطب کرتے ہوئے حکم فرمایا ہے۔کہ! **و استغفروا اللہ. ان اللہ غفور رحیم** ۔(سورہ بقرہ۔آیت نمبر **199**) اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی طلب کرتے رہو۔یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اسی طرح مغفرت کے فوائد کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا توبہ کرنے والوں کے ساتھ یہ عہد ہے۔کہ! ''**فقلت استغفروا ربکم . انہ کان غفارا. یر سل السمآء علیکم مدرارا و یمدد کم باموال و بنین و یجعل لکم جنّٰت و یجعل لکم انھٰرا** ۔(**ترجمہ**) پھر مَیں نے کہا۔ اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو۔یقین جانو (کہ) وہ بہت بخشنے والا ہے۔وہ (رب متعال) تم پر خوب بارشیں برسائے گا۔اور تمھارے مال و اولاد میں ترقی دے گا۔اور تمھارے لئے باغات پیدا کرے گا۔اور تمھاری کا طر نہریں مہیا کرے گا۔(سورہ نوح۔آیت نمبر **12-10**) (پھر آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ) **ما لکم لا تر جون للہ وقارا** ۔(**ترجمہ**) تمھیں کیا ہوگیا ہے۔کہ! تم اللہ تعالیٰ سے کسی وقار کی امید نہیں رکھتے ہو۔

☆ لہذا ہماری ہمیشہ یہ دعا ہونی چاہیئے۔ **اللھم انی اسئلک التو بۃ. اللھم انی اسئلک شھوۃ التو بۃ** ۔(ترجمہ) یا اللہ تعالیٰ مَیں آپ سے توبہ کا سوال کرتا ہوں۔یا اللہ تعالیٰ میں تجھ سے توبہ کی خوہش کا سوال کرتا ہوں۔اسی طرح سے ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے۔کہ! جو شخص استغفار کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ نکال دیتا ہے۔کیونکہ! یہ بات ہمیشہ ذہم نشیں رہنی چاہیئے۔کہ توبہ کی توفیق بھی کسی کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میسر ہوتی ہے۔صاحب غنیۃ الطالبین فرماتے ہیں۔کہ! توبہ (توبۃ النصوح) کرنے والے کو اللہ تعالیٰ چار (**04**) انعامات کے ساتھ نوازتا ہے۔**01**۔تائب شخص کو گناہ سے ایسے الگ کر دیتا ہے۔کہ جیسے اس نے کبھی (کوئی صغیرہ و کبیرہ) گناہ کیا ہی نہ ہو۔**02**۔تائب شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا (خاص الخاص) محبوب بنا لیتا ہے۔ **03**۔تائب شخص پر اللہ تعالیٰ شیطانِ لعین کو مسلط نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ **04**۔تائب شخص کو دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے خوف (قبر و جہنم) سے بچا لیتا ہے۔ توبہ کے متعلق تفصیلات پچھلے صفحات پر درج کر دی گئی ہیں۔وہاں سے دیکھ کر تشنگی دور ہوسکتی

ہے۔ **توبہ کے تین ارا کین ہیں**۔ دل میں نادم ہونا۔ زبان پر معذرت کا اظہار کرنا۔ بدی اور بدی کرنے والوں سے انقطاعِ تعلق۔ **توبہ کی تین اقسام ہیں**۔توبہء مطیع (بندگی کو بڑا سمجھنے سے۔یعنی خود کو اپنے عمل کے باعث نجات یافتہ سمجھنا)۔ توبہء عاصی (کسی بھی گناہ کو معمولی خیال کرنے سے۔یعنی عمل کے مقصد کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا)۔ توبہء عارف (احسان فراموشی سے۔ یعنی اپنے اعمال و کردار کے (ظاہری و باطنی) عیوب تلاش نہ کرنا)۔

☆ **توبہ کرنے کے فوائد :** (فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔کہ) **یاَیھا الذین اٰمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا. عسٰی ربکم ان یکفر عنکم سیاٰتکم و ید خلکم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر** ۔(سورہ تحریم۔آیت نمبر 08) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی جناب میں خالص توبہ کرو۔امید ہے۔(کہ) تمھارا رب تم سے برائیوں کو دور کردے گا۔اور تمھیں ایسے باغات میں داخل کردے گا۔جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں۔کہ! سچی توبہ بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ بلکہ بہت بڑا انعام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔اور انہیں یہ چار انعامات لازمی عطا فرماتا ہے۔ 1 صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے مغفرت عطا فرمانا۔ 2 گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دینا۔ 3 آسمان سے بارانِ رحمت کا نزول فرمانا۔ 4 مال واولاد و باغات وانہار جیسی مختلف الاقسام نعمتوں سے نوازنا۔

☆ **اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی توبہ قبول کرتا ھے ؟** (فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔کہ) **انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوٓء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب فاولٰئک یتوب اللہ علیھم. و کان اللہ علیما حکیما** ۔(سورہ نسآء۔آیت نمبر 17) اللہ تعالیٰ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔جو بوجہ نادانی کوئی برائی کرگزریں۔ پھر جلد اس سے باز آجائیں۔اور توبہ کرلیں۔تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔اسی طرح قرآنِ حکیم میں ایک اور جگہ آیا ہے۔کہ! **فمن تاب من م بعد ظلمہٖ واصلح فان اللہ یتوب علیہ. ان اللہ غفور رحیم** ۔(سورہ مائدہ۔آیت نمبر 39) پھر جو شخص اپنی ظالمانہ کاروائی سے توبہ کرلے۔اور معاملات درست کرلے۔تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلے گا۔بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

وہ کون ہیں جنہیں توبہ کی مل گئی فرصت ہمیں گناہ بھی کرنے کو زندگی کم ہے

☆ **اللہ تعالیٰ کن لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرتا ؟** (فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔کہ) **ولیست التوبۃ للذین یعملون السیاٰت. حتی اذا حضر احدھم الموت قال انی تبت الئٰن ولا الذین یموتون وھم کفار. اولٰئک اعتد نا لھم عذابا الیما** ۔(سورہ نسآء۔آیت نمبر 18) ان کی توبہ نہیں۔جو برائیاں کرتے چلے جائیں۔یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے۔تو کہہ دے کہ اب مَیں نے توبہ کی۔اوران کی توبہ بھی قبول نہیں۔جو کفر پر ہی مرجائیں۔یہی (درحقیقت وہ) لوگ ہیں۔جن کے لئے ہم نے المناک عذاب تیار کررکھا ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ! **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لمن یشآء. ومن یشرک باللہ فقد افترٰی اثما عظیما** ۔بے شک! اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا۔اوراس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک مقرر کرے۔اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔(سورہ نساء۔آیت نمبر 48) بزرگانِ دین نے فرمایا ہے۔کہ! اگر خدانخواستہ گناہ کے بعد دس اُمور کو سرانجام دیئے جائیں۔تو سابقہ تمام گناہوں (صغیرہ وکبیرہ) کا کفارہ ہوجاتا ہے۔اِن میں سے پانچ اُمور کا تعلق دل سے ہے۔جبکہ! پانچ امور کا تعلق بدن سے ہے۔

دل سے متعلق پانچوں اُمور یہ ھیں : ☆ سچی توبہ کرنا۔ ☆ آئندہ کوئی (صغیرہ و کبیرہ) گناہ نہ کرنے کا مصمم عزم۔☆ گناہوں کی وجہ سے خوفِ عذاب کا شدید غلبہ۔☆ اللہ تعالیٰ سے معافی کی اُمید۔ ☆ دائمی طور پر تقوٰی اختیار کرنا۔

بدن سے متعلق پانچوں اُمور یہ ھیں : ☆ دو رکعت نمازِ توبہ ☆ ستر یا سومرتبہ **استغفار** کرنا (پڑھنا) ☆ **سبحان اللہ العظیم و بحمدہٖ** ☆ ایک دن کا نفلی روزہ رکھ کر صدقہ و خیرات کرنا۔ ☆ آئندہ بُری صحبت ترک کردینا۔ (یاد رہے۔کہ!) وصول الی اللہ کے لئے سب سے پہلی و لازمی شرط ''توبہ'' کرنا ہے۔کیونکہ سالک توبہ کرتے ہوئے ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔

حضرت حسنؓ نے فرمایا۔کہ! توبہ چار ستونوں پر قائم ہے۔زبان سے بخشش مانگنا۔دل سے نادم ہونا۔اعضاء سے گناہ چھوڑنا اور دل میں یہ ارادہ رکھنا کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا۔نیز فرمایا۔کہ! خالص توبہ تو یہ ہے۔کہ! توبہ کرنے کے بعد وہ گناہ زندگی بھر کبھی بھی نہ کرے۔جس سے توبہ کی تھی۔ حضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! پشیمانی توبہ ہے۔اور آپ ﷺ نے (یہ بھی) فرمایا۔کہ! جس نے گناہ کیا۔پھر اسی پر پشیمان ہوا۔تو یہ اس گناہ کا کفارہ ہے۔

توبہ کی دس شرائط :

امام اجل حضرت سیدنا شیخ ابو طالب مکیؒ اپنی کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ ہر گناہ سے توبہ کی حقیقت دس اعمال پر مُشتمل ہے۔کوئی بندہ خُدا جب تک کہ توبہ کی دس شرائط پوری نہ کرلے ایسا توبہ کرنے والانہیں بن سکتا۔جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو اور نہ ہی اس کی یہ توبہ ایسی خالص شمار ہوگی۔کہ جسے اللہ تعالیٰ نے (حصولِ مغفرت کے لئے) شرط ٹھہرایا۔اور حدیثِ نبوی ﷺ میں اس کی وضاحت بھی مروی ہے۔چنانچہ وہ شرائط یہ ہیں۔ ☆ گناہ کی جانب دوبارہ نہ لوٹنے سے توبہ کرے۔☆ زبان سے توبہ کرے۔ ☆ گناہ کے سبب کے ساتھ مِلنے سے توبہ کرے۔ ☆ اس کی مثل کوئی دوسرا گناہ کرنے سے توبہ کرے۔ ☆ گناہ کی

طرف دیکھنے سے توبہ کرے۔☆ گناہ کے متعلق باتیں کرنے والے لوگوں کی باتیں سُننے سے توبہ کرے۔ ☆ گناہ کے متعلق سوچنے سے توبہ کرے۔ ☆ توبہ کے حق میں کوتاہی برتنے سے توبہ کرے۔ ☆ وہ تمام گناہ جنہیں اس نے اللہ تعالیٰ (کی رضا کے حصول) کے لئے چھوڑا۔ ان میں خالص رضائے الٰہی کا حصول مُراد ہونے سے توبہ کرے۔☆ اپنی توبہ کی جانب دیکھنے، اس سے راحت پانے اوراس پر ناز کرنے سے توبہ کرے۔

تو توبہ مکن کہ من شکستم توبہ ہرگز نایدز جان مستم توبہ
صد بار و ہزار بار بستم توبہ خون میگرید ز دستم توبہ

توبہ کے باوجود راحت نہ ملنا :

امام اجل حضرت سیدنا شیخ ابو طالب مکی ؒ اپنی کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ جب تم خود کو توبہ پر ثابت قدم ، گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کرنے کے باوجود اپنے اندر حلاوت یا حسنِ خلق یا زُہد یا نیکی کی کوئی خاصیت نہ پاؤ تو مراقبہ یا نفس کی کڑی نگرانی کی جانب لوٹ جاؤ اوران دونوں حالتوں پر خوب نظر رکھو۔ انہیں مزید کڑا اور پختہ کرو۔ کہ انہی دونوں حالتوں سے گزر کر ہی تم اس مقام خاص تک پہنچو گے۔ بعض علمائے عُظام کے لئے فرمان ہے۔ کہ! جس نے 99 گناہوں سے توبہ کرلی اور صرف ایک گناہ سے توبہ نہ کی۔ تو وہ توبہ کرنے والوں میں سے نہیں۔ (یاد رہے۔ کہ!) تمام نمازوں کے بعد توبہ (یعنی ہر نماز کے بعد استغفار پڑھنا) کی تجدید اور احوال کی دیکھ بھال سے ہرگز غافل نہ ہوں۔ کیونکہ عالمین احوال کی دیکھ بھال اور مُحاسبہ نفس کو ترک کرنے اور اپنے اعمال میں تسامُح برتنے کے سبب اسی طرح سے خسارے کا شِکار ہو جاتے ہیں۔ کہ انہیں معلوم تک نہیں ہوتا۔

اگر بخشے زہے قسمت ، نہ بخشے تو شکایت کیا سرِ تسلیم خم ہے ، جو رضائے یار میں آئے

بہر حال! بندہ ءخدا کو چاہیئے۔ کہ! اپنے امور دین و دنیا اور اذکار و اشغال کے اوقات کا پورا پورا حساب رکھے۔ اگر تو وقت کارِخیر میں صَرف ہوا ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کا ہمہ وقت شکر ادا کرتا رہے۔ لیکن اگر وقت کارِشر (غیر شرعی و ناجائز اور غلط امور) میں ضائع ہوا ہے۔ تو اپنی حیثیت و مرتبے کے مطابق توبہ و استغفار کرتا رہے۔ یعنی کہ کچھ دیر بعد وہ دیکھے۔ کہ اس کا کوئی لمحہ (خدانخواستہ) غفلت میں تو نہیں گزرا۔ اگر درمیان میں کبھی غفلت آ بھی جائے (کیونکہ! انسان حقیقت میں تو خطا کار ہی واقع ہوا ہے) تو توبہ و استغفار کرے۔ اور آئندہ کبھی ایسی غفلت نہ کرنے کا پختہ عزم کرلے۔ اس نگرانی و محافظت سے بالآخر وہ (سالک) دائمی حضوری کی منزلِ عظیم کو پہنچ ہی جائے گا۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند ؒ کے نزدیک اس بیداری و نگرانی کو بار بار نگاہ میں رکھنا خود ایک متوسط سالک کے لئے پریشان خاطری کا مؤجب ہے۔ کیونکہ! سالک کے لئے اصل بات تو توجہ الی اللہ میں ہمہ وقت استغراق و محویت ہی ہے۔ اس استغراق و محویت میں توجہ یا عدمِ توجہ کا علم رکھنے کی پابندی بجائے خود اصل سے توجہ ہٹانے کا باعث ہے۔

اس لئے کہ! ''حسنات الابرار سیأت المقربین'' (یعنی) ابرار (نیک لوگ یا اتقیاء) کی نیکیاں، مقربین کی بُرائیاں ہیں۔

اس جملے ''حسنات الابرار سیأت المقربین'' کی کچھ شرح پیشِ خدمت ہے۔ مجتہدینِ طریقت کے نزدیک اعمال کی دو اقسام ہیں۔

اول۔ اعمالِ ابرار۔ دوئم۔ اعمالِ مقربین۔

اعمالِ ابرار : ابرار (یعنی نیک اور متقی لوگ) سے مقصودِ امتثالِ امر اور حصولِ ثواب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ تکرار اسمِ ذات (اللہ) اور نفی اثبات و پاس انفاس جیسے اذکار کی کثرت اور فرضی (پنج وقتہ) نمازوں سے عالمِ وجوب (وجوب بمعنی واجب و لازم) کی جانبِ عروجی منازل طے کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نفلی روزوں کی بھی کثرت کرتے ہیں۔ تاکہ نفس کے مغلوب ہونے سے کسرِ شہوت حاصل ہو۔ جیسا کہ! ایک حدیث میں واضح ہے۔ کہ! **خصآء امتی الصیام**۔ اسی طرح وہ بطریقِ سلوک اعمال بجالاتے ہیں۔ تاکہ تزکیہ ءعناصر و تصفیہ ءنفس حاصل ہو سکے۔ اِن کے نزدیک زھد و ریاضت اور جہاد بالنفس ہی بنیادی طریقہ ہے۔

اعمالِ مقربین : جبکہ مقربین کے نزدیک اعمال سے مقصودِ امتثال امر اور حصولِ ثواب کے علاوہ درجاتِ فناء و بقاء کے ذریعے رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ یہ لوگ تکرار اسمِ ذات (اللہ) اور نفی اثبات و پاس انفاس جیسے اذکار کی کثرت کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآنِ حکیم، نمازوں (داخلِ نماز و خارجِ نماز) سے بھی کام لیتے ہیں۔ تاکہ عالمِ وجوب کے ظلال کی گرفتاری سے رہائی پا کر عروج کے بعد نزول اور فناء کے بعد بقاء سے متحقق ہوسکیں۔ یہ لوگ نفلی روزوں کے بجائے نفلی نمازوں کی کثرت پر زور دیتے ہیں۔ تاکہ وصل و قربت کا حصول ممکن ہو سکے۔ یہ لوگ بمطابق حدیثِ قدسی ''**لا یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل** ۔۔۔'' بطریقِ جذبِ اعمال کی ادائیگی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ معرفت و حقیقت اور مشاہدہ حق جلدی حاصل ہو سکے۔ کیونکہ! اِن کے نزدیک فناء و بقاء بنیادی طریقہ ہے۔ حضرت مولائے روم ؒ نے ان دونوں کے اعمال کو ایک ہی شعر میں بیان فرمایا ہے۔

سیر زاہد ہر شئے یک روزہ راہ سیر عارف ہر دمے تا تختِ شاہ

ماحصل ان دونوں اعمال کا یہ ہے۔ کہ! ابرار کے اعمال و وظائف بمنزلہ جسم وظل ہیں۔ اور مقربین کے اعمال و وظائف بمنزلہ روح واصل ہیں۔ اسی تو عارفین کے نزدیک ابرار کی نیکیاں مقربین کے گناہ شمار کی جاتی ہیں۔ (واللہ اعلم)

مختلف مفاہیم (حسنات الابرار سیئات المقربین) :

☆ پہلامفہوم : جو امور ابرار کے نزدیک بدعتِ حسنہ ہیں ۔ وہ مقربین کے نزدیک بدعتِ سیئہ ہیں ۔ جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے ۔ **کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار** ۔ (ترجمہ) ہر نیا کام بدعت ہے ۔ اور ہر بدعت گمراہی ہے ۔ اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے ۔ (سنن نسائی شریف) گویا کہ مقربین بدعتِ حسنہ اور سیئہ کی طرف تقسیم ہونے کے قائل نہیں ہوتے ۔ کیونکہ! وہ ہر بدعت کو سیئہ قرار دیتے ہیں ۔ ☆ دوسرامفہوم : ابرار کا نسیان مقربین کے لئے عصیان ہے ۔ جیسا کہ **فنسی آدم** (حضرت آدمؑ پھر بھول گئے) اور **عصیٰ ادم ربہ فغوی** (حضرت آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی ۔ اور وہ راہ سے گم ہو گئے) کے کلمات میں نسیان کو عصیان کے عنوان سے تعبیر فرما کر حزن وندامت کی راہ سے حضرت آدمؑ کی جلالی تربیت فرمائی ۔ تاکہ عبدیت حضرت آدمؑ خلافتِ الٰہیہ کا بار اُٹھا سکے ۔

☆ تیسرامفہوم : ابرار کے نزدیک جو مقامِ قرب ووصل کہلاتا ہے ۔ مقربین کے لئے وہ مقامِ حجاب وفصل ہوتا ہے ۔ بقول رومیؒ

وصلت عامہ حجاب خاصداں طاعتِ عامہ گناہِ خاصگاں

☆ چوتھامفہوم : ابرار کی عبادت میں عذاب کا خوف اور ثواب کا طمع مطلوب ومقصود اور ملحوظ رہتا ہے ۔ جبکہ مقربین کی عبادت کا منشاء صرف رضائے حق ومحبت ذاتی کے سوا کچھ نہیں ہوتا ۔ پس اس اعتبار سے ابرار کے اعمال ، مقربین کی نیکیاں من کل الوجوہ حسناتِ مخصہ ہیں ۔

جن کا عمل ہے بے غرض ان کی جزاء کچھ اور ہے حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

☆ پانچواں مفہوم : قرب کے اعتبار سے ابرار کا درجہ ماسبق یعنی عملِ متروک مقربین کے نزدیک درجہ مابعد یعنی عملِ مامور کی نسبت سے ''ذنب '' (یعنی اپنے اوپر لگائے گئے الزام) کہلاتا ہے ۔ اور وہ اس پہلے درجہ سے استفادہ کرتے ہیں ۔ جیسا کہ رب متعال نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا ۔ **واستغفر لذنبک** ۔ (اور بخشش طلب فرمائیں اپنے ذنب کے لئے) اور دوسری جگہ فرمایا ۔ **لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر** ۔ (تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی ہر لغزش سے درگزر فرمائے) نیز آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ۔ **استغفر اللہ واتوب الیہ فی الیوم اکثر من سبعین مرۃ** ۔ (یعنی نبی مکرم ﷺ کا دن رات میں ستر مرتبہ استغفار کرنا) ایک حدیثِ مبارکہ میں سو مرتبہ آنحضرت نبی کریم ﷺ کا کرنا بھی منقول ومروی ہے ۔ مگر یاد رہے ۔ کہ! انبیاء اور رسلؑ چونکہ ہر قسم کے گناہ ومعصیت سے معصوم ومامون ہوتے ہیں ۔ لہذا مذکورہ آیات میں ذنب سے مراد گناہ نہیں اور نہ ہی معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا مراد ہے ۔ بلکہ استغفار کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کو جو اعمال محبوب ہیں ۔ وہ انبیاءؑ و اولیاء کو بہت مرغوب ہیں ۔ اور یہاں پر ذنب کا اطلاق مجازاً ہے ۔ اور اس پر بھی ذنب کے ذکر سے پہلے مغفرت کی بشارت ہے ۔ تاکہ قلبِ محبوب ﷺ میں اطلاقِ مجازی کا بھی قلق وملال نہ رہے ۔ (واللہ اعلم بالصواب ۔ ۔ ۔) لہذا معصیت وذنب کا مرتکب ہونا غیر انبیاء ورسلؑ سے ہی ممکن العمل ہوسکتا ہے ۔ بلکہ صحابہ کرامؓ بھی محفوظ ہیں ۔ لیکن ہم (بقولِ شاعر)

بہ ثواب اہلِ جنت بہ عتاب اہلِ دوزخ من ازیں میاں ندانم کہ کیانم از کدانم

☆ چھٹامفہوم : مقربِ بارگاہ کھٹکوں اور لحظوں کی بھی حفاظت کیا کرتا ہے ۔ اور اسے ہفوات میں سے شمار کرتا ہے ۔ اور نفسوں کی آرزوؤں کی تفتیش اور اپنے سانسوں کے نکلنے کی نگہبانی کرتا ہے ۔ اور اپنی نیکیوں سے اس طرح ڈرتا ہے ۔ جیسے کوئی گناہ گار اپنی بُرائیوں سے ڈرا کرتا ہے ۔ جبکہ ابرار اس حال پر قادر نہیں ہوتا ۔ نیز مقرب اپنی شرابِ معرفت کے وقت نہ آہ کرتا ہے ۔ اور نہ ہی یہ کہتا ہے ۔ کہ کس قدر شیریں ہے ۔ نہ ہتھیلی سے تالیاں بجاتا ہے ۔ نہ چیختا چلاتا یا اپنا گریبان پھاڑتا ہے ۔ اور نہ ہی پتھر پر اپنے سر کو مارتا ہے ۔ نہ بے ہوش ہوتا ہے ۔ تو جب ان میں سے کوئی بھی چیز رونما نہیں ہوتی ۔ تو اہلِ طریق اسے ثابت قدم ہی مانتے ہیں ۔ اور انہوں نے ایسا کرنے کی نفی بھی اسی لئے فرمائی ہے ۔ کہ وہ واردات پر بہت ہی کم قائم رہتا ہے ۔ اس کے باوجود انہوں نے اس کے حال کو اس کے لئے تسلیم کیا ہے ۔ کیونکہ! وہ اس پر غالب ہے ۔ اور اس کی نیکیوں کو برائیاں قرار دیا ۔ باوجودیکہ مقربین کی تو برائیاں ہوتی ہی نہیں ۔ کیونکہ! وہ تو بلند مرتبہ نفیس قسم کے محاسات ہیں ۔

☆ ساتواں مفہوم : ابن الغارض کا قول ہے ۔ کہ! اگر میرے لئے تیرے سوا کے بارے میں بھول کر ارادہ کھٹک بھی جائے ۔ تو میں اپنے مرتد ہونے کا فیصلہ (یعنی فتوی) دوں گا ۔ اس کے متعلق آپؒ نے فرمایا ۔ کہ آپؒ کی مراد نسبت کا ارتداد ہے ۔ دینی ارتداد نہیں ۔ کیونکہ! مقربین کے مقام سے ''**حسنات الابرار** '' کی طرف لوٹنا اور اُترنا جو کہ '' **سیئات المقربین** '' ہیں ۔ (تفصیل پیچھے گزر چکی ہے) قومِ صوفیاء کے نزدیک ارتداد ہے ۔ اور یہ اس لئے کہ حسنات الابرار لازمہ شہودِ اغیار ہے ۔ جو کہ مقامِ فنا کے معارض ہے ۔ اور اسے شرکِ اصغر کہتے ہیں ۔

☆ **مُرَوَّت** ۔ توبہ کے میدان کے بعد دوسرا میدان ''مروت'' کا آتا ہے ۔ یعنی مقامِ توبہ کے حصول کے بعد مروت کا میدان ہے ۔ مروت کا مفہوم کم ہونا ہے ۔ اور خود داری کے ساتھ زندگی گزارنا ہے ۔ مروت کے تین ارکان ہیں ۔ اور ہر رکن کے مزید تین تین جزو ہیں ۔ **1** ۔ عقل کے ساتھ اپنی زندگی گزارنا ۔ اپنے مقام کو پہچاننا ۔ اپنے کام کا جائزہ لینا ۔ اپنی خیر کے لئے کوشش کرنا ۔ **2** ۔ مخلوق کے معاملات میں صبر سے کام لینا ۔ مخلوق کی استطاعت کے مطابق ان سے راضی ہونا ۔ ان کی معذوریوں کو تلاش کرنا ۔ حسبِ استطاعت ان کی دادرسی کرنا ۔ **3** ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ نیازمندی ۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے آئے۔اس پر شکر لازم سمجھنا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے۔اس پر عذر کو واجب دیکھنا۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔اسے بہتر سمجھنا۔

☆ **اَنَابَتْ** ۔مروت کے بعد تیسرا میدان ''انابت'' کا ہے۔میدانِ مروت کے حصول کے بعد انابت کا میدان آتا ہے۔انابت کا معنی ہے،حق تعالیٰ کی طرف کامل رجوع کرنا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **وما یتذکر الا من ینیب** ۔(ترجمہ) اور نصیحت تو وہی پکڑتا ہے۔جو(اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔(القرآن 13:40)ایک جگہ ارشادِ ربانی ہے۔کہ! **وانیبوا الی ربکم و اسلموا لہ من قبل ان یا تیکم العذاب ثم لا ینصرون** ۔(ترجمہ) اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔اور اس کے مطیع بن جاؤ۔قبل اس کے (کہ) تم پر عذاب آجائے۔اور پھر کہیں سے تمھیں مدد(بھی) نہ مل سکے۔سورہ الزمر۔54 (لہذا یاد رہے۔کہ) اول انبیاءؑ کی انابت ہے۔کہ وہ اس طرح سے کامل طور پر ہر چیز سے منقطع ہو کر ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف لوٹے۔کہ ان کے سوا کسی شخص کو اس کی طاقت نہیں۔جیسا کہ! اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے بارے میں فرمایا۔ **اواہ منیب** ۔(ترجمہ) نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔(75:11) اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کے بارے میں فرمایا۔ **خررا کعا و اناب** ۔(ترجمہ) جھک کر گر پڑے۔اور حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیبؑ کے بارے میں فرمایا۔ **تو کلت وا لیہ انیب** ۔(ترجمہ) مَیں نے بھروسہ کیا۔اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔(**88 : 11**) اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد رسول اللہؐ کے بارے میں فرمایا۔ **وا تبع سبیل من اناب الی** ۔(ترجمہ) جو شخص میری طرف رجوع کرے۔اسی کے رستے پر چل۔(**31 : 15**) انبیائے کرامؑ کی انابت تین باتوں سے عبارت ہے۔

نجات کی بشارت کے باوصف خوفِ خدا۔ پیغمبری کے شرف کے ساتھ خدمت وفروتنی۔ مصائب وآلام کو بطیبِ خاطر برداشت کرنا۔

دوئم توحید کی انابت ہے۔کہ! وہ اپنے دشمنوں کو بھی اپنی طرف بلاتا ہے۔جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ارشاد ہوا ہے۔کہ! **وانیبوا الی ربکم** ۔(ترجمہ) اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔(قرآن 54:39)۔ **منیبین الیہ و اتقوہ** ۔(ترجمہ) اسی کی طرف رجوع کئے رہو۔اور اس سے ڈرتے رہو۔(قرآن۔31:30) اہلِ توحید(موحدین) کی انابت بھی تین علامات ہیں۔ اقرار واخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یکتائی کو قبول کر کے اس پر قائم رہنا۔ اللہ تعالیٰ کے اوامر کے سامنے **سرِ تسلیم** خم کرنا۔ اس کے نواہی کا احترام کرنا۔ **سوئم عارفین کی انابت** ہے۔کہ! وہ اپنے جمیع اعمال میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔ **انابوا الی اللہ** ۔(ترجمہ) اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔اہلِ معرفت(یعنی عارفین) کی انابت کی بھی تین نشانیاں ہیں۔ گناہوں سے شرمسار ہونا۔ طاقت سے دائمی اجتناب برتنا۔ خلوت وجلوت میں حق تعالیٰ سے سچی محبت کرنا۔

☆ **فُتُوَّت** ۔انابت کے بعد چوتھا میدان ''فتوت'' کا ہے۔انابت کے حصول کے بعد فتوت کا میدان آتا ہے۔فتوت کا معنی ہے، جوانمردی اور آزادی سے زندگی گزارنا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **انھم فتیۃ امنوا بر بھم** ۔وہ کئی جوان تھے۔جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے۔(القرآن۔18:13) فتوت کی تین اقسام ہیں۔

پہلی قسم کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جبکہ دوسری قسم کا تعلق مخلوقِ خدا کے ساتھ ہے۔اسی طرح تیسری قسم کا تعلق اپنی ذات کے ساتھ ہے۔

1 ۔ پہلی قسم کا تعلق حق تعالیٰ سے ہے۔یعنی ہمت وتوانائی کے ساتھ بندگی میں دائماً سعی کرنا۔حق تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی قسم کی مزید تین نشانیاں ہیں۔

حصولِ علم سے ملال نہ ہو۔ عِلم کی یاد چین سے نہ بیٹھنے دے۔نیک وصالح لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔ **1** ۔ دوسری قسم کا تعلق مخلوق سے ہے۔یعنی کہ مخلوق کو اس کے عیب کے باعث، جسے سالک جانتا بھی نہیں، رُسوا نہ کرے۔اس کی مزید تین نشانیاں یہ ہیں۔اول یہ کہ! مخلوق کی جس(خوبی وخامی) کا تجھے علم نہیں۔اس پر قیاس آرائی نہ کی جائے۔دوئم یہ کہ! جس متعلق سالک جانتا ہی نہیں۔اس کی پردہ پوشی کرے۔(آنچہ ندانی، بپوشانی)۔سوئم یہ کہ! سالک کو ہر لحہ خوفِ خدا دامن گیر ہو۔ **1** ۔ تیسری قسم کا تعلق اپنی ہی ذات سے ہے۔یعنی کہ سالک اپنے نفس کا فریب اور اس کی زیب وزینت کو قبول نہ کرے۔اس کی مزید تین نشانیاں یہ ہیں۔کہ! مخلوق کو چھوڑ کر صِرف اپنے ہی عیوب کو تلاش کرنے میں ہر وقت لگا رہے۔اور صرف انہی کو ہی بُرا سمجھتے ہوئے چھوڑ دے۔ ایک مرتبہ حضرت جنید بغدادیؒ کی ملاقات کسی بہت بڑے اُستاد سے ہوئی۔تو اُن کے استقبال کے لئے آپؒ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بعد سلام حضرت جنید بغدادیؒ نے اُن سے دریافت کیا۔کہ! یا حضرت! ''فتوت'' کیا ہے؟ تو اُستادِ محترمؒ نے فرمایا۔کہ! جو خلق کا تیرے ذمہ ہے۔اُسے تم مکمل طور پر ادا کردے۔اور جو خلق کے ذمہ تیرا ہے۔اُسے بالکل فراموش کر دو۔تو حضرت جنید بغدادیؒ اپنی نشست گاہ پر بڑے ادب واحترام سے کھڑے ہو گئے۔اور فرمایا۔کہ! آج تو اُستادِ محترم نے ایک ایسی بات فرمائی ہے۔کہ! جو ثقل میں زمین وآسمان میں پُر ہو گئی ہے۔

☆ **اِرَادَتْ** ۔فتوت کے بعد پانچواں میدان ''ارادت'' کا ہے۔یعنی سالک محوِ سفر ہے۔اور ارادت اس کی آرزو کی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **قل کل یعمل علی شا کلتہ** ۔(ترجمہ) آپ فرمادیں۔کہ! ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے۔ارادت کی تین اقسام ہیں۔

محض دنیا کی ارادت۔ محض عقبیٰ کی ارادت۔ محض اللہ تعالیٰ کی ارادت۔

قرآنِ حکیم میں دنیا کی ارادت اس طرح سے بیان کی گئی ہے۔(جیسا کہ قرآنِ حکیم میں آیا ہے) **منکم من یرید الدنیا** ۔آپ فرمادیں کہ! ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے۔(القرآن۔84:17) **تریدون عرض الدنیا** ۔(ترجمہ) تم میں سے بعض تو دنیا کے خواستگار تھے۔(القرآن۔152:03) **من کان یرید حرث الدنیا** ۔(ترجمہ) تم لوگ دنیا میں مال کے طالب ہو۔(القرآن۔67:08) **من کان یرید العا**

جلة۔ (ترجمہ) جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہے۔ (القرآن۔ **20:42**) **من کان یرید الحیوٰة الدنیا و زینتھا** ۔ (ترجمہ) جو شخص دنیا کی آسودگی کا خواہشمند ہو۔ (القرآن۔**18:17**) **ان کنتم تردن الحیوٰة الدنیا و زینتھا**۔ (ترجمہ) جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش و زینت کے خواستگار ہوں۔ (القرآن۔**28:33**) اس کی مزید تین نشانیاں ہیں۔ کثرتِ نقصان میں دین کے نقصان سے راضی ہونا۔ مسلمان درویشوں سے منہ پھیر لینا۔ اللہ تعالیٰ کی جنابِ کبریاء میں دنیوی مقاصد کی خاطر اپنی حاجات کو پیش کرنا۔

لیکن آخرت کی ارادت تو یہ ہے۔ کہ! جس طرح سے مولیٰ کریم نے ارشاد فرمایا ہے۔ **ومن اراد الآخرة** ۔ (ترجمہ) اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا۔ (القرآن۔**19:17**) پھر قرآنِ حکیم میں ہے۔ کہ! **من کان یرید حرث الآخرة** ۔ (ترجمہ) جو کشتِ زارِ آخرت کا آرزومند ہے۔ (القرآن۔**20:42**) آخرت کی ارادت تین باتوں سے مرکب ہے۔ دین کی سلامتی میں دنیا کے نقصان میں راضی ہو جانا۔ درویشوں کے ساتھ محبت رکھنا۔ مولا کریم کے حضور آخرت کے لئے اپنی حاجات پیش کرنا۔ کیونکہ! محض ارادتِ الٰہی تو یہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **وان کنتن تردن اللہ ورسولہ** ۔ (ترجمہ) اور اگر تم اللہ اور (اُس کے حبیب) رسول ﷺ کے خواستگار ہو۔ (القرآن۔**29:33**) اور وہ (یعنی ارادتِ الٰہی) مزید تین باتوں پر مشتمل ہے۔ کونین سے بے نیاز ہو جانا۔ خلق سے آزاد ہو جانا۔ خواہشاتِ نفس سے نجات پانا۔

اِرادت کی پر تا ثیر غذائیں : (مرید پرلاگو باتیں)

صاحب **قوت القلوب** سیدنا شیخ ابو طالب مکیؒ نے فرمایا کہ! مرید (راہِ طریقت کا مسافر) میں سات باتوں کا پایا جانا بہت ضروری ہے۔

۱۔ ارادے میں سچائی کا ہونا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ آخرت کے لئے زادِ راہ کا تیار کرنا۔ ۲۔ طاعت کے اسباب اختیار کرنا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ برے دوستوں کو چھوڑ دینا۔ ۳۔ حال نفس کی معرفت رکھنا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ آفات نفس سے آگاہ ہونا۔ ۴۔ عالم ربانی کی مجلس میں بیٹھنا۔ اس کی علامت یہ ہے کہ عالم ربانی کو دوسروں پر ترجیح دینا۔ ۵۔ توبہ نصوح کا ہونا تا کہ اس کے سبب حلاوت طاعت پائے اور ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ خواہش نفس کے اسباب کا خاتمہ اور نفس کو اس کی مرغوب اشیاء سے دور رکھنا۔ ۶۔ ایسی حلال اشیاء کھانا جو مزموم نہ ہوں۔ اس کی علامت یہ ہے۔ کہ رزق حلال تلاش کرنا اور اس میں شرعی حکم سے موافقت رکھنے والے کسی مباح سبب کی بناء پر علم کو پیش نظر رکھنا۔ ۷۔ نیک کام میں مدد کرنے والے کسی اچھے رفیق کا ہونا۔ اچھے رفیق کی علامت یہ ہے کہ اس کا نیکی اور تقوی کے کاموں میں تعاون کرنا اور گناہ وسرکشی سے منع کرنا۔ یاد رہے کہ یہی سات عادتیں اور خصلتیں ارادت کی غذا ہیں جن کے بغیر ارادت قائم نہیں ہوسکتی اور انہیں سات باتوں پر عمل کرنے سے چار چیزوں میں مدد اور تقویت کا حصول ممکن ہے۔ **بھوک۔ پیاس۔ خاموشی۔ خلوت۔**

یہی چار چیزیں مرید کے لئے نہ صرف اصل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بلکہ انہی کے سبب دیگر فرائض وسنن کے ارکان کی ادائیگی پر قوت وتوانائی بھی حاصل کرتا ہے۔ (اسی ضمن میں **حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ** فرماتے ہیں۔ کہ!) **نفس چار چیزوں سے ہلاک ہوتا ہے۔** خاموشی کا خنجر۔ بھوک کی تلوار۔ لوگوں کے مجمع سے الگ تھلگ رہنا۔ کم سونا۔ حضرت شیخ فتح موصلیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! میں نے تیس برس سے ابدالیین سے نیاز حاصل کیا۔ اور سب ہی نے یہ نصیحت فرمائی۔ کہ! مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرو۔ اور کم کھاؤ۔

☆ **قصد**۔ ارادت کے بعد چھٹا میدان ''قصد'' کا آتا ہے۔ ارادت ہی کے میدان سے قصد کا میدان اُبھرتا ہے۔ قصد کی صحت اور نیت کی پختگی کام کے لئے بیج کی مانند ہے۔ اس بیان کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ! **و من یخرج من م بیتہ مھا جرا الی اللہ ورسولہ** ۔ (ترجمہ) اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور (اُس کے) رسول ﷺ کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے۔ (القرآن۔**10:14**) قصد اللہ تعالیٰ (کی معرفت کے حصول) کا ارادہ کرتا ہے۔ تو ماسوا اللہ سے کامل انقطاع اختیار کرلے۔ قصد کے تین اراکین ہیں۔

1۔ قصدِ تن خدمت کے لئے۔ (قصدِ تن کی تین نشانیاں)۔ جدوجہد سے پل بھر نہ رکنا۔ نازونعمت میں کمی۔ فراغت کا تلاش کرنا۔

2۔ قصدِ دل معرفت کے لئے۔ (قصدِ دل کی تین نشانیاں)۔ تکلیف برداشت کرنا۔ خلوت گزینی اختیار کرنا۔ ضروریاتِ زندگی پر اکتفاء کرنا۔

3۔ قصدِ جاں مشقت کے لئے۔ (قصدِ جاں کی تین علامات)۔ دل کا نازک ہونا۔ سماع سے اضطراب۔ موت کا ہمہ وقت دھیان رکھنا۔

☆ **صبر**۔ قصد کے بعد ساتواں میدان ''صبر'' کا ہے۔ قصد کے میدان کو عبور کرنے سے صبر کا میدان میسر ہوتا ہے۔ کیونکہ! قصد ہی کے میدان سے صبر کا میدان نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **وان تصبروا خیر لکم** ۔ (ترجمہ) اور اگر تم صبر کرو۔ تو یہ تمھارے لئے بہتر ہوگا۔ (القرآن۔25:04) کیونکہ! صابرین کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے۔ **ان اللہ مع الصابرین** ۔ (ترجمہ) یقیناً! اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (القرآن **153:02**) **و اللہ مع الصابرین** ۔ (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (القرآن **249:02**) اسی طرح ایک اور جگہ آیا ہے۔ کہ! **انما یوفی الصّٰبرون اجرھم بغیر حساب** ۔ (ترجمہ) یقیناً! صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر (ثواب) بے شمار دیا جائے گا۔ (القرآن **10:39**) پھر قرآن میں تو صابرین کے لئے یہ خوشخبری بھی موجود ہے۔ کہ! **و اللہ یحب الصابرین** ۔ (ترجمہ) یا اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (القرآن

146:03) بہرحال! صبر کے تین اراکین ہیں۔ **1۔ اصبـــروا**۔صبر کرو۔**(یعنی کہ مصیبت پر صبر کرنا)**: تکلیف یا مصیبت پر صبر محبت کے باعث ہی کیا جا سکتا ہے۔اس قسم کے صبر سے تین چیزیں برآمد ہوتی ہیں۔ دل کی یکسوئی۔ علم کی باریک بینی۔نورِفراست۔ **2۔ وصا بروا**۔اورزیادہ صبر کرو۔**(یعنی کہ معصیت سے صبر کرنا)**: گناہگاری (معصیت) سے صبر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے خوف کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔اس سے تین باتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ قلوب کا الہام۔ قبولیتِ دُعا۔ پاکیزگی کا نور۔ **3۔ ورابـطـوا**۔اور رابطہ رکھو۔**(یعنی کہ طاعت پر صبر کرنا)**: طاعت پر صبر اُمید کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ طاعت پر صبر سے تین باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ آفات کا (باذنِ الٰہی) ٹل جانا۔ روزی کا غیر متوقع طور پر پہنچنا۔ نیکیوں کی طرف (بفضلِ الٰہی) میلان ہونا۔

عید کا دن ہے ، گلے آج تو مِل لے ظالم رسم دنیا بھی ہے ، موقع بھی ہے ، دستور بھی ہے

بہرحال! الحاصل کلام! جس شخص نے حکمِ الٰہی میں خوف (اللہ تعالیٰ کا ڈر یعنی تقوی) پر مقام کیا۔وہ صابر ہے۔ اسی طرح سے صبر کے متعلق احادیثِ نبویہ ﷺ میں بھی ہمیں احکامات ملتے ہیں۔ایک حدیث میں یوں آیا ہے۔کہ! حضرت سعدؓ روایت کرتے ہیں۔کہ! مَیں نے عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے۔(تو) آپ ﷺ نے فرمایا۔(کہ) انبیائے کرامؑ کی۔پھر درجہ بدرجہ مقربین کی۔(یعنی انبیائے کرامؑ کے بعد) **آدمی کی آزمائش اس کے دینی مقام کے مطابق ہوتی ہے**۔اگر دین میں مضبوط ہو۔تو سخت آزمائش ہوتی ہے۔ اگر دین میں کمزور ہو۔تو حسبِ دین آزمائش کی جاتی ہے۔بندے کے ساتھ یہ آزمائش ہمیشہ رہتی ہے۔حتی کہ وہ (مصائب ومشکلات میں گرفتہ شخص بوجہ صبر اور رضائے الٰہی) زمین پر اس طرح چلتا ہے۔کہ اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔(صحیح بخاری۔جامع ترمذی۔ابنِ ماجہ)

علمائے عظام نے صبر کی بہت سی اقسام بیان فرمائی ہیں۔ان تمام اقسام کا خلاصہ تین اقسام پر مشتمل ہے۔

☆ **الصبر علی الطاعات۔** یعنی طاعات (عبادات) پر صبر کرنا۔ یہ صفتِ انبیاءؑ ہے۔

☆ **الصبر عن المصائب۔** یعنی مصائب پر صبر کرنا۔ یہ صفتِ اولیاء واتقیاء ہے۔

☆ **الصبر عن المعاصی۔** یعنی گناہوں سے صبر کرنا۔ یہ صفتِ عوام الناس (مسلم) ہے۔

☆ **جہاد**۔صبر کے میدان سے آٹھواں میدان جہاد کا نکلتا ہے۔جہاد درحقیقت اپنے نفس، شیطانِ لعین اور دشمن کے ساتھ بنرد آزمائی ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون**۔ (ترجمہ) اور اس کے راستے میں جہاد کرو۔تاکہ تمھیں کامیابی نصیب ہو۔(القرآن **35:05**) اسی طرح قرآن میں ایک اور جگہ پر آیا ہے۔کہ! **و جاھدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللہ . ذٰلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون**۔ (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مال اور جان کے ساتھ لڑو۔یہ تمھارے حق میں بہتر ہے۔اگر تم جانو۔(القرآن **41:09**) اسی طرح قرآن میں ایک اور جگہ پر آیا ہے۔کہ! **وجاھدوا فی اللہ حق جھادہٖ**۔ (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو۔جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ (القرآن **78:22**) جہاد کے تین اراکین ہیں۔

1۔ دشمن کے مقابل تلوار کے ساتھ جہاد۔ **(غازیانِ شمشیر کی تین اقسام)**۔مجاہد جسے کہ اجر نصیب ہوگا۔ جہاد کے دوران زخمی مجاہد کہ جس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ دورانِ جہاد وہ قتیل کہ جو شہید کہلائے گا۔ **2**۔ نفس کے خلاف قہر کے ساتھ جہاد **(نفس کے خلاف جہاد کرنے والوں کی تین اقسام)**: جو کوشش کرتا ہے۔وہ ابرار ہے۔ جو غالب آجائے، وہ اوتاد ہے۔ جو اس سے آزاد ہو جاتا ہے، وہ ابدال ہے۔ **3**۔ شیطانِ لعین کے خلاف صبر کے ساتھ جہاد **(شیطانِ لعین کے خلاف جہاد کرنے والوں کی تین اقسام)**: علم میں مشغول ہونے والے جو مقربینِ بارگاہ سے ہیں۔ عبادت میں مشغول ہونے والے جو صدیقین میں سے ہیں۔ زُہد میں مشغول ہونے والے، جو اولیاء اللہ میں سے ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

☆ **ریاضت**۔جہاد کے میدان کے بعد نواں میدان ''ریاضت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فیہ رجال یحبون ان یتطھروا**۔ (ترجمہ) اس (مسجد) میں ایسے لوگ ہیں۔جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں۔(القرآن **108:09**) ریاضت کا مفہوم ''نرم کرنا'' ہے۔اور اس کے تین اراکین ہیں۔ **1**۔ افعال کی ریاضت نگہداشت کے ساتھ **(ریاضت افعال کی تین نشانیاں)**۔علم کی پیروی۔ رزقِ حلال۔ ذکروشغل پر مداومت۔

2۔ اقوال کی ریاضت ضبط کے ساتھ **(ریاضتِ اقوال کی تین علامات)**۔ تلاوتِ کلامِ پاک۔اللہ تعالیٰ کے حضور دائمی عذرخواہی۔ نصیحتِ خلق۔

3۔ اخلاق کی ریاضت نرمی کے ساتھ **(ریاضتِ اخلاق کا تین باتوں پر انحصار)**۔ عاجزی۔ جوانمردی۔ بُردباری۔

تیری زندگی اسی سے ، تیری آبرو اسی سے جو رہی خودی تو شاہی ، نہ رہی تو رُوسیاہی

☆ **تہذیب**۔ریاضت کے میدان سے دسواں میدان ''تہذیب'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **قوا انفسکم و اھلیکم نارا**۔ (ترجمہ) اے (ایمان والو!) خود کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔(القرآن **06:66**)

تہذیب کے تین طریقے ہیں۔ سُنتِ رسول اللہ ﷺ پر عمل پیرا ہونا۔ صحبت با اولیاء کا اختیار کرنا۔ خلوت نشینی اختیار کرنا۔

تین باتوں کی تہذیب کی جاتی ہے۔ تہذیبِ نفس۔ تہذیبِ عادت۔ تہذیبِ قلب۔

1۔ تہذیبِ نفس تین باتوں سے عبارت ہے۔ نفس کومعصیت سے روکنا۔ نفس کوخرافات سے عقل وشعور کی طرف لانا۔ نفس کوخرافات ست عقل وشعور کی طرف لانے کے بعدغفلت سے بیداری کی طرف لانا۔ **2۔تہذیبِ عادت** سے یہ مراد ہے۔کہ! بےقراری سے صبر کی طرف رجوع کرنا۔ بخل سے سخاوت کی طرف مائل ہونا۔ انتقام کے بجائےعفوودرگزراختیارکرنا۔ **3۔ تہذیبِ قلب** تین باتوں سے عبارت ہے۔ بے خوفی کی موت کے بجائے خوفِ خداوندی کی زندگی گزارنا۔ مایوسی کی نحوست سے اُمید کی برکت کے ساتھ آنا۔ باطنی انتشار کی زحمت سے جمعیتِ خاطر کی طرف آنا۔

☆ **محاسبہ** ۔تہذیب کی میدان سے گیارہواں میدان ''محاسبہ'' کانکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و لتنظر نفس ما قدمت لغد** ۔ (ترجمہ) ہر(ایمان والے)شخص کودیکھنا چاہیئے۔کہ! اس نےفروائے قیامت کے لئے کیا سازوسامان بھیجاہے۔(القرآن **18:59**) محاسبہ کے تین اراکین ہیں۔ معاملات سے گناہ کوجُدا کرنا۔ نعمت کاخدمت سے موازنہ کرنا۔ اپنے نصیب کومولیٰ کریم کی نعمت سے جُدا کرنا۔

1۔ معاملات سے گناہوں کوجدا کرنے کی حقیقت کو پہچاننا : جوعمل خلافِ سُنتِ رسول اللہ ﷺ ہے۔وہ گناہ ہے۔ جس کام میں شیطان کی شرکت اور شمولیت ہے۔وہ گناہ ہے۔ جس معاملہ میں ظلم وستم شامل ہے۔وہ بھی گناہ ہے۔

2۔ نعمت کاخدمت سے موازنہ کرنے کی حقیقت کو پہچاننا : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرنا (اللہ تعالیٰ سے) صریحًا دشمنی وبغاوت ہے۔ نعمتوں کے اعتراف کے بعدناشکری کرنا تاوان کے مترادف ہے۔ معصیت میں محوومشغول اورمستغرق رہناز ووالِ ایمان کی بنیادوعمارت ہے۔

3۔ اپنے نصیب کومولا کریم کی نعمت سے جدا کرنے کی حقیقت کو پہچاننا : ہرایسی خدمت جس کےعوض دنیا کی طلب ہے۔وہ اس کاثمرہے۔ ہرایسی خدمت جس سے آخرت چاہی جائے۔وہ حاصل ہوگی۔ ہرایسی خدمت جس سے اللہ تعالیٰ کی طلب ہو۔وہی تواصل قدروقیمت ہے۔

☆ **یقظہ** ۔محاسبے کےمیدان سے بارہواں میدان''یقظ'' کی طرف کونکلتا ہے۔ارشادِربانی ہے۔کہ! **ولا تکن من الغافلین** ۔(ترجمہ) اورآپ غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہوجائیں۔(القرآن **205:07**) یقظ(یعنی) بیداری کےتین ارکان ہیں۔

نعمت ہائے فراواں کوذاتِ باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا جبکہ جرم ہائے کبیرہ کواپنی طرف محمول کرنا۔ سودوزیاں سے اپنے زمانے کامعیارمقرر کرنا۔ ہرقسم کے مکروفریب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔(یادرہے۔کہ) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کوتین چیزوں سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ نیازمندیءقلب کے ساتھ۔علم کے سننے سے۔ رزق کی پاکیزگی کے ساتھ۔ سودوزیاں سے اپنے زمانے کامعیارمقررکرنے کاحصول تین باتوں پرمنحصر ہے۔ آرزوؤں کاکم کرنا۔ دوامِ فکر۔ بیداریءسحرگاہ۔ رزق کی پاکیزگی تین باتوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اپنی ذات سے دائمی بدگمانی رکھنا۔ (یعنی اپنے وجود،افعال اوراعمال پرمغرورنہ ہونا) دنیاوی تعلقات سے انقطاع کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی ہروقت ہرجگہ اور ہرموقع پرتعظیم بجالانا۔

☆ **زھد** ۔ یقظ کے بعدتیرہواں میدان''زہد'' کاآتاہے۔ارشادِباری تعالیٰ ہے۔کہ! **بقیت اللہ خیر لکم** ۔(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کاعطاکردہ نفع ہی تمھارے لئے بہترہے۔(القرآن **86:11**) زہدتین امورمیں پایاجاتاہے۔ دنیامیں۔ خلق میں۔ اپنی ذات میں۔

1۔ زُہدِ دنیا : جوشخص اس دنیامیں اپنے عزیزواقارب ودوستوں پرتواپنی جگہ بلکہ دشمنوں پربھی اس دنیاکامال ودولت صَرف کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔وہ اس عالم (یعنی دنیا) میں زاہدہے۔دنیاکےزہدکی تین نشانیاں ہیں۔موت کی یاد۔اپنی روزی پرقناعت۔حبِ درویشاں۔ **2۔ زُہدِخلق** : جوشخص مخلوق کی پاسداریءحقوق میں سُستی نہ کرے۔وہ واقعتًاخلق میں زاہدہے۔خلق میں زہدکی تین علامات ہیں۔ حکمِ الٰہی کی منشاءکو دیکھنا۔ اوامرخداوندی پرثابت قدمی اختیارکرنا۔ مخلوق کی عاجزی کوملحوظِ خاطررکھنا۔ **3۔ زُہدِ ذات فی نفسہٖ** : جوخودکوپسندیدگی کی نگاہ سےنہیں دیکھتا۔(یعنی جوخودپرہرکسی کو(علم وعمل،عزت وشرف وتقوی کےلحاظ سے) ترجیح دیتاہے۔) وہ اپنی ذات میں زاہدہے۔اپنے وجودمیں زہدتین باتوں سے عبارت ہے۔ شیطان کےمکروفریب سے۔اپنی کمزوری سے۔استدراج کی ظلمت کوپہچاننے سے۔

☆ **تجرید** ۔زہدکےمیدان سے چودھواں میدان''تجرید'' کانکلتاہے۔ارشادِباری تعالیٰ ہے۔کہ! **ولا تمدن عینیک** ۔ (ترجمہ) اورنگاہ اُٹھاکربھی(دنیاکی رنگینی،عیش وعشرت اورمال واسباب کی طرف) نہ دیکھو۔(القرآن **131:20**)

تجریدتین چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ جسم میں۔ دل میں۔ سرّ میں۔

1۔تجریدِنفس یعنی اپنےجسم کی طرف نگاہ قراء کاطریق ہے۔اورتجریدِنفس تین باتوں سے عبارت ہے۔دنیاکاطلب نہ کرنا۔

دنیا(یعنی مال ودولت یااپنی جوانی یاکسی قسم کی جسمانی کمزوری) کےچھن جانے پرافسوس نہ کرنا۔ جوموجودہو۔اس کانہ چھپانا۔

2۔تجریدِقلب تین باتوں سے عبارت ہے۔ جوموجودنہ ہو۔اس کی قطعاً اُمیدنہ رکھنا۔ جوموجودہو۔اس کی قدروقیمت نہ لگانا۔ جوموجود ہو۔اس کےترک کرنے سے نہ ڈرنا۔ **3۔تجریدِسرّ** تین باتوں پرمنحصرہے۔ اسباب پرتکیہ نہ کرنا راہِ حق میں اپنی ذات کوبےنام ونشاں کردینا۔ حق سےسوائےحق کےاورکسی طرف التفات نہ کرنا۔

☆ **وَرَع** ۔تجریدکےبعدپندرہواں میدان''ورع'' کانکلتاہے۔ارشادِربانی ہے۔کہ! **ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ** ۔(ترجمہ) اگرتم بڑے گناہوں سےاجتناب کرو۔توہم تمھارےچھوٹےگناہ معاف کردیں گے۔(القرآن۔04 : 31) درحقیقت ورع کامفہوم یہ کہ! پرہیزگاری اختیاری کرنااُزنا

پسندیدہ اُمور سے، کثرتِ دنیا سے اور دل ہائے پراگندہ سے۔ لہذا! 1۔ ناپسندیدہ امور سے اجتناب تین عادتوں سے کیا جاسکتا ہے۔ خود کو دوسروں کی عیب گوئی سے باز رکھنا۔ اپنے دینِ حق کو نقصان سے بچانا۔ حرص و ہوا کو اپنی ذات سے دور رکھنا اور خود کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کے پسندیدہ طریقوں پر چلانا۔ 2۔ کثرتِ دنیا سے اجتناب تین باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر کیا جاسکتا ہے۔ روزِ حساب کی رسوائی۔ دشمنوں کی خوشی۔ وارثوں کا غبن۔ 3۔ دِل ہائے پراگندہ سے پرہیز تین چیزوں سے کیا جاسکتا ہے۔قرآنِ حکیم میں تدبر سے۔قبرستان کی زیارت سے۔حکمتِ الٰہیہ میں تفکر سے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ابو ہریرہؓ! ورع وتقوٰی والے بن جاؤ۔لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے۔قانع بن جاؤ۔لوگوں میں سب سے زیادہ شکر کرنے والے ہو جاؤ گے۔اور لوگوں کے لئے وہی پسند کرو۔جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔مومن ہو جاؤ گے۔پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔مسلمان ہو جاؤ گے۔اور کم ہنسا کرو۔کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مُردہ کردیتی ہے۔(سنن ابنِ ماجہ)

زِ تقوٰی چراغِ رواں برفروز کہ چوں نیک بختاں شوی نیکِ روز

تعریفِ ورع : حضرت سید الرسل ﷺ کے سامنے ایک ایسے شخص (کی عبادت وریاضت) کا ذکر کیا گیا۔جو ورع و پرہیز گاری میں مشہور تھا۔ تو حضور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔کہ! ''**لا تعدل بالرعاعة** ''(ترجمہ) کوئی بھی عبادت ورع (و پرہیز گاری) کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔(ترمذی شریف) اسی طرح سے ایک اور حدیث میں ہے۔کہ! ''**ملاک دینکم الورع** ''(ترجمہ) تمھارے دین کا مقصود ورع ہے۔

اسی طرح سے ایک اور حدیث میں ہے۔کہ! ''**یا عبدی ارما افترضت علیک تکن من اعبد الناس وانته عما نهیتک عنه تکن من اورع الناس** ''(ترجمہ) اے میرے بندے! جو کچھ مَیں نے تجھ پر فرض کیا ہے۔اس کو ادا کر۔تو سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جائے گا۔اور جن امور سے مَیں نے تجھ کو منع کیا ہے۔اِن سے باز رہ۔پس تُو سب لوگوں سے زیادہ صاحبِ ورع بن جائے گا۔(مشکوٰۃ المصابیح)

حضرات شیخین کا ورع :

حضرت سیدنا صدیقِ اکبرؓ فرمایا کرتے تھے۔کہ! ہم ستر حلال چیزوں کو اس خوف سے چھوڑ دیا کرتے تھے۔کہ کہیں حرام چیز میں نہ پڑ جائیں۔ اسی طرح سے حضرت عمر فاروقؓ فرماتے تھے۔کہ! ہم دس حلال چیزوں میں سے نو کو اس خوف سے ترک کردیتے تھے۔کہ کہیں ہم حرام میں نہ پڑ جائیں۔

اربابِ طریقت نے اہلِ ورع کے تین طبقات بیان فرمائے ہیں۔ **عوام کا ورع۔ خواص کا ورع اور خاص الخواص کا ورع۔**

☆ **عوام کا ورع** : عوام کا ورع یہ ہے۔کہ! وہ شبہات سے پرہیز کریں۔تا کہ وہ احکاماتِ الٰہیہ کی مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔جیسا ایک ایک حدیث میں بھی آیا ہے۔''بے شک حلال واضح ہے۔اور حرام بھی واضح ہے۔اور اِن دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں۔جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ پس جو شخص شبہات سے بچا۔اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔اور جو شبہات میں واقع ہوا۔وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے۔(اور اس کی مثال) اس چرواہے کی مانند ہے۔جو چراگاہ کے اردگرد اپنے جانور چَراتا ہے۔ممکن ہے۔کہ! وہ اس چرگاہ میں چَرنے لگیں۔ خبردار! بے شک ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے۔(اور) اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔ اسی طرح حضرت امام ہمام سید شریف جرجانیؒ **ورع کی تعریف** میں رقم طراز ہیں۔کہ! محرمات میں واقع ہونے والے کے خوف سے شبہات سے اجتناب کرنے کو ورع کہتے ہیں۔ ☆ **خواص کا ورع** : خواص کا ورع یہ ہے۔کہ! ہر ایسی چیز سے اجتناب کیا جائے۔جو قلب کو مکدر کردے۔اور اس درجہ کے لوگ قلب میں کھٹکنے والے خواطر اور سینے میں پیدا ہونے والے وساوس سے بھی احتراز کرتے ہیں۔جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ میں ہے۔''اپنے دل سے پوچھو۔خواہ فتوٰی دینے والے کچھ ہی فتوٰی دیتے رہیں۔ ☆ **خاص الخاص کا ورع** : خواص کا ورع یہ ہے۔کہ! یہ ان واصلین اور عارفین کا ورع ہے۔جو غیرِ حق سے تعلق منقطع کر کے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔کہ کسی غیر کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔ان کا مؤقف یہ ہے۔کہ! جو چیز تجھے حق تعالیٰ سے غافل کردے۔وہ تمھارے لئے منحوس ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ سے ورع کے متعلق سوال کیا گیا۔تو آپؒ نے فرمایا۔کہ! ورع یہ ہے۔کہ! تیرا دل حق تعالیٰ سے آنکھ جھپکنے جتنی دیر بھی پریشان نہ ہو۔

حصولِ ورع کے لئے دس باتوں کا لازم ہونا :

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں۔کہ! علمائے ربانیین فرماتے ہیں۔کہ! جب تک سالک ان دس چیزوں (احکامات) کو اپنے اوپر لازم نہیں کر لیتا۔اس وقت تک اسے کمالِ ورع حاصل نہیں ہوتا۔(وہ دس احکامات یہ ہیں)

☆ غیبت سے زبان کو محفوظ رکھے۔☆ بدگمانی سے اجتناب کرے۔ ☆ مسخرہ پن سے پرہیز کرے۔☆ حرام اشیاء سے آنکھیں بند کرلے۔ ☆ سچ بولے۔☆ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان جانے۔تا کہ نفس مغرور نہ ہو۔ ☆ اپنے نفس کے لئے بلندی و بڑائی کا طالب نہ ہو۔ ☆ نمازوں کی محافظت کرے۔ ☆ اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے۔اور باطل جگہ میں خرچ کرنے سے بچے۔

☆ اہلِ سنت والجماعت (کے عقائد) پر استقامت اختیار کرے۔ **ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علٰی کل شئی قدیر۔**

☆ **تقوٰی**۔ورع کے میدان سے سولھواں میدان ''تقوٰی'' کا نکلتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مکرم شخص وہ ہے۔جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہو۔ اس بات کا شاہد قرآن حکیم بھی ہے۔تقوٰی کا محل قلب ہے۔تقوٰی حصولِ علم کا زینہ اور عزت و کرامت کا خزینہ ہے۔جیسا کہ آیت کریمہ سے بالکل واضح ہے۔اِنَّ

اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ (ترجمہ) درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے۔ جوتم میں سب سے زیادہ متقی (یعنی اللہ تعالیٰ سے ہروقت، ہرجگہ ڈرنے والا) ہو۔ (سورہ الحجرات۔ آیت نمبر 13) متقی افراد تین اقسام کے ہوا کرتے ہیں۔

چھوٹے درجے کے متقی۔ متوسط درجے کے متقی۔ بلند درجے کے متقی۔ چھوٹے درجے کے متقی افراد وہ ہوتے ہیں۔ جوتوحیدِ رحمانی کے ساتھ دیگر کسی شرک کو نہ ملائے۔ اخلاصِ عمل کے ساتھ نفاق کی آمیزش نہ کرے۔ اوراپنی عبادت کو بدعت کے ساتھ آلودہ نہ کرے۔ متوسط درجے کے متقی افراد وہ ہوتے ہیں۔ کہ! جوخدمتِ خلق کرتے وقت رِیا کرنے یا رِیا کے تخیل وتصور کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اپنی حلال روزی میں شک وشبہ کی آمیزش نہیں کرتے۔ اوراپنے پاکیزہ خیالات کے ساتھ (خرافاتِ دنیوی) کا ضیاع نہیں ملاتے۔ بلند مرتبہ متقی افراد وہ ہوا کرتے ہیں۔ جواللہ تعالیٰ کی نعمت کو شکایت کے ساتھ نہیں ملاتے۔ اپنی گناہ گاری پر دلیل و برہان قائم نہیں کرتے۔ خود پر اللہ تعالیٰ کے جو احسانات ہیں۔ انہیں ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

علم و حکمت زاید از نانِ حلال عشق و رقت آید از نانِ حلال

اربابِ طریقت کے نزدیک تقوٰی کی اقسام :

عُلمائے متصوفین یعنی اہلِ طریقت نے تقوٰی کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

عوام کا تقوٰی۔ خواص کا تقوٰی۔ اولیاء کا تقوٰی۔ انبیاءؑ کا تقوٰی۔

☆ **عوام کا تقوٰی :** عوام کا تقوٰی یہ ہے۔ کہ! وہ شرک سے اجتناب کریں۔

☆ **خواص کا تقوٰی :** خواص کا تقوٰی یہ ہے۔ کہ! وہ حق تعالیٰ کی نافرمانی سے احتراز کریں۔

☆ **اولیاء کا تقوٰی :** اولیاء کا تقوٰی یہ ہے۔ کہ! وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے پرہیز کریں۔

☆ **انبیاءؑ کا تقوٰی :** انبیاء کا تقوٰی یہ ہے۔ کہ! وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اس لئے کہ! ان کا تقوٰی حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور وہ ہر چیز سے دامن بچا کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

تعریفِ تقوٰی : حضرت شیخ جرجانیؒ تقوٰی کی تعریف کے متعلق رقم طراز ہیں۔ کہ! ''لغت میں تقوٰی، اتقاء کے معنی میں ہے۔ جس کا مطلب ہے حفاظت اختیار کرنا۔ جبکہ اہلِ حقیقت کے نزدیک (تقوٰی کا معنی ومفہوم یہ ہے۔ کہ) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے اس کی سزا سے بچنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی، جو کہ عذاب وسزا کی موجب ہو۔ اس سے اپنے نفس کو بچانا۔

تقوٰی کا محل قلب ہے۔ تقوٰی حصولِ علم کا زینہ اورعزت وکرامت کا خزینہ ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ سے بالکل واضح ہے۔ **اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔** (ترجمہ) درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے۔ جوتم میں سب سے زیادہ متقی (یعنی اللہ تعالیٰ سے ہروقت، ہرجگہ ڈرنے والا) ہو۔ (سورہ الحجرات۔ آیت نمبر 13) اسی طرح سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **من یتق و یصبر ۔** (ترجمہ) جوشخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اورصبر کرتا ہے۔ (القرآن۔ 09:12) ایک اورجگہ ارشادِ ربانی ہے۔ کہ! **و ایای فاتقون ۔** (ترجمہ) اور مجھی سے ڈرتے رہو۔ (القرآن۔ 41:02) ایک اورجگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ! **خذوا ما اتینا کم بقوۃ واذکروا ما فیہ لعلکم تتقون ۔** (ترجمہ) جو ہم نے تمھیں (کتاب کی صورت میں) دیا۔ اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ اوراس میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس کو یاد رکھو۔ تاکہ تمھیں تقوٰی حاصل ہو۔ (سورہ بقرہ۔ 63) اس آیت سے واضح طور پر ہمیں یہ پتہ چلتا ہے۔ کہ! احکاماتِ الٰہیہ کو یاد کرنے اوراس پر عمل پیرا ہونے سے تقوٰی کا حصول ممکن ہے۔ اسی طرح سے ایک اورجگہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ کہ! **یا یھا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۔** (ترجمہ) اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جیسے کہ تم سے پہلے والے لوگوں لوگوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تمھارے اندر تقوٰی پیدا ہو۔ (سورہ بقرہ۔ 183) اَب اس آیت میں مومنین کو اللہ تعالیٰ مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ کہ روزے رکھنے سے بھی تقوٰی کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔ مگر روزہ صرف پیٹ کو خالی رکھنے کا نام نہیں۔ بلکہ اپنے پیٹ، نفس، زبان اور کردار وعمل کو بھی روزہ رکھوانا ضروری ہے۔ تاکہ تقوٰی جیسی عظیم ترین نعمت حاصل ہوسکے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) اسی طرح سے ایک اورجگہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ کہ! **البر من اتقٰی ۔** (ترجمہ) نیکی یہ ہے۔ کہ! انسان تقوٰی اختیار کرے۔ (سورہ بقرہ۔ 189) اس آیت میں نیکی کو تقوٰی کے ساتھ مشروط ومربوط کردیا گیا ہے۔ اسی طرح سے ایک اورجگہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ کہ! **اعدلوا۔ ھو اقرب للتقوٰی ۔** عدل (انصاف) کیا کرو۔ جو پرہیزگاری کے قریب ہے۔ (سورہ مائدہ۔ آیت نمبر۔ 08) اسی طرح سے ایک اورجگہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ کہ! **فان خیر الزاد التقوٰی. واتقون یا ولی الالباب ۔** (ترجمہ) بے شک! بہترین زادِراہ تقوٰی ہے۔ اوراے عقل والو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو۔ (سورہ بقرہ۔ 197) اس آیت کا یہ مفہوم ہوسکتا ہے۔ کہ! انسان اس دنیا میں ایک نہایت ہی قلیل ومختصر وقت کے لئے لایا گیا ہے۔ چونکہ اس نے واپس لوٹنا ہے۔ لہذا اسے اپنے سفر کے لئے کچھ نہ کچھ زادِراہ بھی تو چاہیئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ! بہترین زادِراہ تقوٰی ہے۔ اسی طرح سے ایک اورجگہ اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ کہ! **من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر والملٰئکۃ والکتٰب والنبیین. واٰتی المال علٰی حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین وابن السبیل. والسآئلین وفی الرقاب. واقام الصلٰوۃ واٰتی الزکٰوۃ. والموفون بعھدھم اذا عٰھدوا. والصّٰبرین فی الباسآء والضّرّآء وحین الباس. اولٰئک**

الذین صدقوا. واولٰئک ھم المتقون ۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ۔ اور قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پر، انبیائے کرامؑ پر ایمان رکھنے والا ہو۔ جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلین کو دے۔ غلاموں کو آزاد کرے۔ نماز (کو پابندی کے ساتھ) قائم کرے ۔ زکات دے۔ جب وعدہ کرے ۔ تو اسے پورا کرے ۔تنگ دستی اور دکھ درد اور لڑائی کے وقت صبر اختیار کرے ۔ یہی سچے لوگ ہیں ۔ اور یہی متقی (پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرنے والے) لوگ ہیں ۔ (سورہ بقرہ ۔ آیت نمبر **177-176**)

☆ ایک حدیث میں ہے ۔ کہ! حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے ۔ (کہ!) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا ۔ (کہ!) تم کو اپنی ذات سے نہ کسی گورے کے مقابلے میں بڑائی حاصل ہے ۔ نہ کسی کالے کے مقابلہ میں ۔ البتہ تقویٰ ۔ (مسند احمد) ☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔ (کہ!) اللہ تعالیٰ حیاء فرماتا ہے ۔ کہ قیامت کے دن پرہیزگار لوگوں کا حساب لے ۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔ (کہ!) اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو ۔ اس سے پہلے کہ تمھارا محاسبہ کیا جائے ۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔ (کہ!) غیر ضروری باتوں کو چھوڑ دینا انسان کے اسلام کی عمدہ خصلت ہے ۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا ۔ (کہ!) پرہیزگار ہو جاؤ ۔ سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے ۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ۔ بے شک ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ اے میرے بندے ! جو کچھ مَیں نے تم پر فرض کیا ہے ۔ اسے ادا کرو ۔ میرے بہت زیادہ عبادت کرنے والے بندوں میں سے ہو جاؤ گے ۔ میرے دیئے ہوئے رزق پر قناعت کرو ۔ سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی ۔ اور فرمایا ۔ (کہ) لوگ مجھ سے پرہیزگاری کے ساتھ جس قدر قرب حاصل کرتے ہیں ۔ اس قدر کسی دوسری بات کے ذریعے مقرب نہیں ہوتے ۔ جیسا کہ ! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کسی نے سوال کیا ۔ کہ تقویٰ کیا ہے ؟ تو آپؓ نے جواب دیا ۔ کہ ! تُو کبھی کسی خاردار وادی سے گزرا ہے ؟ عرض کیا ۔ جی ہاں ! (تو) فرمایا ۔ وہاں سے کس طرح گزرا ۔ عرض کیا ۔ اپنے دامن کو کانٹوں سے بچاتا ہوا گزر آتا ۔ فرمایا ۔ **ذالک التقویٰ** ۔ (ترجمہ) بس یہی تقویٰ ہے ۔ ☆ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ۔ کہ ! پرہیزگاری کا ایک ذرہ ، ایک ہزار (مثقال) روزے اور نمازوں سے بہتر ہے ۔ ☆ حضرت حسن بصریؒ نے اولادِ حضرت علی المرتضیٰؓ میں سے کسی کو کعبۃ اللہ سے ٹیک لگائے لوگوں کو وعظ کرتے ہوئے دیکھا ۔ تو کھڑے ہو گئے ۔ اور پوچھا ۔ دین کا ستون کیا ہے ؟ اس بچے نے جواب دیا ۔ ''پرہیزگاری'' ۔ پھر پوچھا دین کی مصیبت کیا ہے ؟ جواب دیا ۔ ''طمع'' اس پر (یعنی ان دونوں جوابات پر) حضرت حسن بصریؒ بہت مسرور ہوئے ۔ ☆ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں ۔ کہ ! ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے ۔ اور اسلام کی حدود پرہیزگاری ، تواضع ، صبر اور شکر ہیں ۔ پس پرہیزگاری تمام امور کا ستون ہے ۔ صبر جہنم سے نجات (کا باعث و موجب) ہے ۔ جبکہ شکر جنت میں جانے کا سبب (اور دخلہ ٹکٹ) ہے ۔ ☆ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں ۔ کہ ! پرہیزگاری ، زُہد کی پہلی سیڑھی ہے ۔ جس طرح صبر رضائے الٰہی کی انتہا ہے ۔ ☆ حضرت ابوعثمانؒ فرماتے ہیں ۔ کہ ! پرہیزگاری کا ثواب ، حساب کے آسان ہونے کی صورت میں (ظاہر ہوا کرتا) ہے ۔ ☆ حضرت یحییٰ بن معاذ رازیؒ فرماتے ہیں ۔ کہ ! پرہیزگاری کا مطلب کسی تاویل کے بغیر علم کی حد پر ٹھہر جانا ہے ۔ ☆ حضرت ابن جلاءؒ فرماتے ہیں ۔ کہ ! جو شخص فقر کی حالت میں پرہیزگاری اختیار نہیں کرتا ۔ وہ واضح طور پر حرام کھاتا ہے ۔ ☆ حضرت یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں ۔ کہ ! پرہیزگاری ہر شبے والی چیز سے نکلنے اور ہر لمحہ نفس کا محاسبہ کرنے کا نام ہے ۔ ☆ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں ۔ کہ ! اس سے زیادہ آسان پرہیزگاری مَیں نے نہیں دیکھی ۔ کہ ! جب کوئی چیز تیرے دل میں کھٹکے ۔ تو تُو اسے ناپسند کرے ۔

الحاصل الکلام ! تقویٰ سے مراد بندہ کو ہر وقت یہ احساسِ ڈر ہو ۔ کہ ! اللہ تعالیٰ میرے ہر قول و فعل کی جزاء و سزا کا تنہا مالک ہے ۔

بقول **سید سرفراز احمد شاہ صاحب !** کوئی شخص (اُس وقت تک) تقویٰ اختیار نہیں کر سکتا ۔ جب تک کہ وہ اس راہ کی پانچ گھاٹیاں پار نہ کر لے ۔ وہ پانچ گھاٹیاں یہ ہیں ۔ ☆نفس کی خواہشات کے خلاف چلنا ۔ ☆انسان کو گزر بسر کرنے کے لائق رزق حاصل ہو جائے ۔ تو اس سے زیادہ کی تگ و دو میں نہ پڑے ۔ ☆انسان ذلت کو عزت پر ترجیح دے ۔ ☆انسان خلقِ خدا کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے ۔ (کیونکہ !) جونہی انسان غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے ۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے منہ موڑ لیتا ہے ۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے ۔ فقیر کو دستِ سوال دراز کرنے کی سختی سے ممانعت ہے ۔ وہ خود اپنی ذاتی ضروریات کے لئے لوگوں کے سامنے سوال نہیں کر سکتا ۔ ☆ جو کچھ عطا ہو جائے ۔ اُس کو کافی جانے ۔ قبلہ شاہ صاحب کے مطابق ، حصولِ تقویٰ میں دو رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں ۔ نفس اور اَنا ۔

تقویٰ کے متعلق کچھ ایمان افروز واقعات :

☆ **حکایت 1 :** حضرت **کہمیش**ؒ سے منقول ہے ۔ کہ ! مجھ سے ایک (معمولی سا) گناہ سرزد ہوا ۔ اور (جس کی وجہ سے) میں چالیس برس سے رو رہا ہوں ۔ اور وہ (گناہ والا واقعہ) یہ ہے ۔ کہ ! میرا ایک بھائی مجھ سے ملنے آیا ۔ میں نے چھ درہم میں ایک بھونی ہوئی مچھلی خریدی ۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا ۔ تو میں نے اپنے پڑوسی کی دیوار سے (اُس پڑوسی کی اجازت کے بغیر) مٹی کا ایک ڈھیلا لیا ۔ تاکہ وہ (یعنی میرا بھائی) اس کے ساتھ اپنے ہاتھ صاف کرے ۔ حالانکہ ! میں نے اس (ڈھیلے کی) اجازت نہیں لی تھی ۔

شاید انہی بزرگ کے بارے میں ہی ہے ۔ کہ ! سردیوں کے موسم میں بھی ان سے پسینہ جاری ہو جایا کرتا تھا ۔ جب (باوجود اتنی سردی کے) اس پسینہ کے بارے میں پوچھا گیا ۔ تو انہوں نے فرمایا ۔ کہ ! اس مکان میں مجھ سے اپنے ربِّ کریم کی نافرمانی ہوئی ہے ۔ پوچھا گیا وہ کیا (نافرمانی تھی) ؟ تو فرمایا ۔ کہ ! مَیں نے اس دیوار سے ایک ڈھیلا اُکھاڑا ۔ تاکہ میرا مہمان اپنے ہاتھ صاف کرے ۔ اور مَیں نے صاحبِ مکان سے اجازت نہیں لی تھی ۔

☆ **حکایت 2:** حضرت **امام احمد بن حنبل** ؒ نے مکہ مکرمہ میں ایک سبزی فروش کے پاس اپنا تھال بطورِ رہن رکھوایا۔ جب اپنا تھال واپس لینا چاہا۔ تو سبزی فروش نے دو تھال پیش کئے۔ اور کہا۔ کہ! جو تھال آپ ؒ چاہیں لے لیں۔ تو امام صاحب ؒ نے فرمایا۔ کہ! میرے لئے اپنے تھال کی پہچان مشکل ہے۔ لہذا اَب وہ تمھارے لئے ہے۔ اور درہم بھی تمھارے ہیں۔ تو سبزی فروش نے کہا۔ مَیں نے محض آپ ؒ کی آزمائش کرنے کے لئے ایسا کیا تھا۔ آپ ؒ نے فرمایا۔ اَب میں نہیں لیتا۔ چنانچہ آپ ؒ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔

☆ **حکایت 3:** حضرت **رابعہ عدویہ** ؒ کا واقعہ ہے۔ کہ! آپ ؒ نے اپنی پھٹی ہوئی قمیص کی ایک سرکاری مشعل کی روشنی میں سلائی کی۔ تو ایک عرصہ تک اپنے قلب کو گم پایا۔ یہاں تک کہ! اسے وہ واقعہ یاد آ ہی گیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قمیص کو پھاڑ دیا۔ تو دوبارہ دل کو پا لیا۔

☆ **حکایت 4:** حضرت **ابراھیم بن ادھم** ؒ فرماتے ہیں۔ کہ! مَیں ایک رات بیت المقدس کے پتھر کے نیچے سوگیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر گیا۔ تو دو فرشتے اُترے۔ ان میں سے ایک فرشتے نے دوسرے سے پوچھا۔ یہاں پر کون ہے؟ تو دوسرے نے جواب دیا۔ یہ ابراہیم بن ادھم ؒ ہیں۔ اُس نے کہا۔ یہی ہے وہ شخص۔ کہ جس کے اللہ تعالیٰ نے درجات میں سے ایک درجہ کم کر دیا ہے۔ دوسرے نے پوچھا۔ کیوں؟ اس نے جواب دیا۔ اس لئے کہ اس نے بصرہ میں کھجوریں خریدیں۔ تو پھل فروش کی ایک کھجوروں میں سے ایک کھجور (غلطی سے) ان کی کھجوروں میں گر گئی۔ حضرت ابراہیم بن ادھم ؒ فرماتے ہیں۔ (کہ میں یہ سن کر) بصرہ کی طرف چل پڑا۔ اور اسی کھجور فروش سے دوبارہ کھجوریں خریدیں۔ اور اپنی خریدی ہوئی کھجوروں میں سے ایک کھجور اس کھجور فروش کی کھجوروں میں (چھپ کر) ڈال دی۔ پھر بیت المقدس کی طرف لوٹ پڑا۔ اور بیت المقدس آ کر پتھر کے نیچے سوگیا۔ جب رات کا کچھ حصہ گزرا۔ تو آسمان سے دو فرشتے اُترے۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا۔ یہاں کون ہے؟ دوسرے نے کہا۔ یہ حضرت ابراہیم بن ادھم ؒ ہیں۔ اس نے کہا۔ یہ وہی ہیں۔ جنہوں نے ایک چیز کو اُس کے اصل مقام کی طرف لوٹا دیا۔ اور ان کا درجہ بلند ہوگیا۔

نیک نے نیک سمجھا، بد نے بد جانا مجھے — جس کا جیسا ظرف تھا، اُتنا وہ پہچانا مجھے

☆ **معاملہ**۔ تقویٰ کے میدان سے نکل کر سترہواں میدان ''معاملہ'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **واتمروا بینکم بمعروف**۔ (ترجمہ) اور پسندیدہ طریق سے موافقت رکھو۔ (القرآن۔ 06:65) معاملہ تین باتوں سے عبارت ہے۔ (یعنی) اپنی ذات سے مخالفت کے ساتھ۔ خلقِ خدا سے انصاف کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ سیا عتراف کے ساتھ زندگی گزارنا۔ حُسنِ معاملہ کے تین ارکان ہیں۔ عدل کے ساتھ داد رسی کرنا۔ فضل کے ساتھ مال خرچ کرنا۔ مہربانی کے ساتھ ایثار و قربانی کرنا۔ عدل (انصاف) کرنا تین افعال کے ساتھ ممکن ہے۔ اپنی ذات سے ننگ و عار محسوس کرنا۔ فیصلہ کی جزا سے ڈرنا۔ مقدور بھر کوشش کرنا۔ انفاقِ مال (یعنی فضل کے ساتھ مال خرچ کرنا) تین افعال کے ساتھ مربوط ہے۔ کمینہ پن سے گریز کرنا۔ سخاوت کی عزت کو ملحوظ رکھنا۔ اہلِ حاجت کی آرزو کو پہچاننا۔ ایثار تین افعال کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ حدودِ الٰہی کو مخلوق کے تنازعات پر ہمیشہ ترجیح دینا۔ دائمی مسرت کو عارضی خوشی پر ترجیح دینا۔ ہمیشہ کے شرف کو اس کائنات کے شغل پر ترجیح دینا۔

☆ **مبالات**۔ معاملہ کے میدان سے نکل کر اٹھارہواں میدان ''مبالات'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! ویحذرکم اللہ نفسہ۔ (ترجمہ) اور تمھیں اپنے (غصہ وغضب) سے ڈراتا ہے۔ (القرآن۔ 30:13) مبالات کا مفہوم حزم و احتیاط کے ہیں۔ (یاد رہے۔ کہ!) حزم و احتیاط تین باتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کسی سے ڈر کی وجہ سے۔ کسی سے شرم کے باعث اور کسی سے محبت کے باعث۔ ڈر (خوف) کا مفہوم یہ ہے۔ کہ! سالک اس بات سے ڈرتا رہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر برابر (مسلسل) احسان کرتا رہتا ہے۔ اور مَیں پے دَر پے سرکشی اختیار کرتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سالک کے شرف میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ جبکہ وہ اس کی حد سے تجاوز کرتا رہتا ہے۔ انسان جتنے چاہے گناہ کرتا چلا جائے۔ مگر وہ برابر سرفراز کرتا رہتا ہے۔ شرم سے مراد یہ ہے۔ کہ! سالک اپنے رزاقِ حقیقی کی نعمتوں کو حقیر نہ سمجھے۔ اور اپنے گناہوں کو معمولی خیال نہ کرے۔ اور مکر و ریاء کے ساتھ خودستائی (اپنے ہی منہ سے اپنی تعریف) نہ کرے۔ محبت سے مراد یہ ہے۔ کہ! سالک اس بات سے ہروقت ڈرتا رہے۔ کہ! ربِ متعال میری طرف التفات کئے ہوئے ہو۔ اور مَیں غافل رہوں۔ یا اس سے بہشت کے ساتھ راضی ہو جائے۔ یا اس کی ذات کے سوا کسی چیز کی آرزو نہ کرے۔

☆ **یقین**۔ مبالات کے میدان سے نکل کر انیسواں میدان ''یقین'' کا نکلتا ہے۔ یقین ہر قسم کے گمان کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔ یقین کے تین ابواب (اقسام) ہیں۔ علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین۔

☆ علم الیقین سے مراد ایسا علم جو کہ دلیل سے حاصل ہوتا ہو۔ علمِ یقین مطالعہ ہے۔ یہ شنید سے حاصل کیا جاتا ہے۔ علمِ یقین کسی چیز کی شناخت کا سبب ہے۔ ☆ عین الیقین سے مراد ایسا علم کہ جو تجربہ سے حاصل کیا جاتا ہو۔ عین یقین مکاشفہ ہے۔ یہ الہام سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اور عین یقین سبب سے نجات پانے کا نام ہے۔ ☆ حق الیقین سے مراد ایسا علم کہ جو واقعتاً حقیقت پر مبنی ہو۔ حق یقین مشاہدہ ہے۔ یہ دیکھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اور حق ہر قسم کے انتظار و امتیاز سے آزاد ہوتا ہے۔

اقسام یقین: یقین کی تین اقسام ہیں۔ یعنی کہ تین درجات ہیں۔ ☆علم الیقین ☆عین الیقین ☆حق الیقین

یقین کی اقسام کو سمجھنے کے لئے ہم یہاں نار (آگ) کی مثال لیتے ہیں۔ جیسے کہ! ☆ کسی نے بتایا کہ نار گرم ہوتی ہے۔ یہ ہے علم

الیقین ۔ ☆ نار کی لال اور سُلگتی ہوئی رنگت کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ گرم ہوگی ۔ یہ ہے عین الیقین ۔ ☆ نار کے قریب ہاتھ لے جا کر احساس ہوتا ہے۔ کہ واقعتاً نار گرم اور جلانے والی ہے ۔ ☆ **یقین :** یقین خاتم الاحوال ہے۔ اس کے لغوی معنی تو یہ ہیں ۔ کہ! وہ علم یا معلومات کہ جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ مگر اصطلاحِ تصوف میں یقین کا مفہوم یہ ہے ۔ کہ! کسی پوشیدہ چیز کو قوتِ ایمانی سے بعینہٖ درست طور پر ملاحظہ کر لینا۔ اور اس کے لئے کسی دلیل وحجت کی ضرورت کو محسوس نہ کرنا۔ یعنی کہ! **رویتِ عیاں بقوتِ ایمان نہ بحجت و برہان۔**

قرآنِ حکیم نے یقین کے تین درجات بیان کئے ہیں ۔ علم الیقین ۔ عین الیقین ۔ حق الیقین

صاحبِ کشف المحجوب جناب حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ نے یقین کی انہی تینوں اقسام کو اس طرح سے بیان فرمایا ہے۔ کہ! **علم الیقین** کا مطلب دنیاوی معاملات کو ان کے احکامات کے ساتھ جاننا۔ اور **عین الیقین** کا مطلب حالتِ نزع اور وقتِ رحلت کا علم ہے۔ جبکہ **حق الیقین** سے مراد جنت میں اللہ تعالیٰ کے ظاہر ہونے اور اس کے احوال اور کیفیات کو ملاحظہ کرنا ہے ۔ لہذا علم الیقین علماء کا درجہ ہے۔ کیونکہ! وہ احکاماتِ شریعہ کے معاملات و امورات پر ثابت قدم ہوتے ہیں ۔ اور عین الیقین عارفین کا درجہ ہے۔ کیونکہ وہ لوگ حالتِ نزع اور وقتِ رحلت کے منتظر رہتے ہیں ۔ تا کہ اُن کا وصالِ حقیقی نصیب ہو جائے ۔ جبکہ حق الیقین درحقیقت محبانِ حق کی فنا کا درجہ ہے۔ کہ وہ اس لحاظ سے کل موجوداتِ دنیا سے قطع نظر کئے ہوئے ہیں ۔ (لہذا یاد رہے ۔ کہ!) علم الیقین مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ عین الیقین محبتِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ حق الیقین مشاہدہ حق سے حاصل ہوتا ہے۔

☆ **بصیرت**۔ یقین کے میدان سے نکل کر بیسواں میدان ''بصیرت'' کا نکلتا ہے ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ کہ! **تذکروا فاذا ھم مبصرون** ۔ (ترجمہ) چنانچہ اچانک ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔ (القرآن ۔) بصیرت کا مفہوم دیدہ وری ہے ۔

بصیرت تین باتوں کے ساتھ ہے ۔ بصیرتِ قبول ۔ بصیرتِ اتباع ۔ بصیرتِ حقیقت ۔

بصیرتِ قبول محبت کے حصول تک رسائی کا نام ہے ۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے ۔ کہ! **قد جآء کم بصآئر من ربکم** ۔ (ترجمہ) تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں پہنچ چکی ہیں ۔ (القرآن ۔ **105:06**) یاد رہے ۔ کہ! بصیرتِ قبول تجربات ، نشانات اور دلائل کے مشاہدہ میں ہے ۔ بصیرتِ اتباع آنحضرت نبی مکرم ﷺ کی سنت پر سختی سے کاربند ہونے کا نام ہے ۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے ۔ کہ! **علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی** ۔ (ترجمہ) مَیں اور میری پیروی کرنے والے بصیرت پر ہیں ۔ (القرآن ۔ **108:12**) یاد رہے ۔ کہ! بصیرتِ اتباع کتاب وسنت اور اسلاف (صحابہ کرام ، تابعین اور چاروں فقہاء) کے آثار میں ہے ۔

کھلتے نہیں اِس قلزمِ خاموشی کے اَسرار جب تُو اِسے ضَربِ کلیمی سے نہ چیرے

بصیرتِ حقیقت یعنی اپنے مالکِ حقیقی کو دل کی نگاہوں سے دیکھنا ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ! **تبصرۃ و ذکری لکل عبد منیب** ۔ (ترجمہ) ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے اس میں ہدایت ونصیحت ہے ۔ (القرآن ۔ **08:50**) یاد رہے ۔ کہ! بصیرتِ حقیقت دراصل دل کے اندر ایک روشن نور ہے ۔ کہ! یہ مَیں ہوں ۔ اور کان میں ایک ندا ہے ۔ کہ میں یہاں ہوں ۔ اور ایک روشن نشان کہ میں تیرے ساتھ ہوں ۔

☆ **توکل** ۔ بصیرت کے میدان سے نکل کر اکیسواں میدان ''توکل'' کا نکلتا ہے ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ کہ! **و علی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین** ۔ (ترجمہ) تم اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو ۔ اگر تم اہلِ ایمان ہو ۔ (القرآن ۔ **23:15**) ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے ۔ کہ! **فعلیہ فتوکلوا ان کنتم مسلمین** ۔ (ترجمہ) پس تم اسی پر توکل کرو ۔ اگر تم مسلمان ہو ۔ (القرآن ۔ **84:10**) اور اسی طرح ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ! '' **و علی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین** '' (ترجمہ) اور اپنا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر رکھو ۔ اگر تم ایمان والے ہو ۔ (سورہ مائدہ ۔ آیت نمبر **23**) اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔ کہ! '' **واتقوا اللہ ۔ و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون** '' (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔ اور مومنوں کو (تو صرف) اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے ۔ (سورہ مائدہ ۔ آیت نمبر **11**) اِن دونوں آیات میں توکل کو ایمان کے ساتھ مربوط ومشروط کیا گیا ہے ۔

تیری کریمی کے آسرے پر ، ہم فقیروں کی زندگی ہے جسے تو عروج بخشے ، اسے خیالِ زوال کیسا

توکل یقین کا پُل ، ایمان کا ستون اور اخلاص کی منزل ہے ۔ یاد رہے ۔ کہ!

توکل تین مقامات میں پایا جاتا ہے ۔ بوقتِ تجربہ ۔ اضطراری حالت میں ۔ حقیقی صورت میں ۔ تجربے کے تحت توکل یہ ہے ۔ کہ! لوگ کوششیں تو کرتے ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنی کارسازی کرتا ہے ۔ اور یہ کام کرنے والوں کا حال ہے ۔ اضطراری حالت میں یا جبر کے تحت توکل یہ ہے ۔ کہ! انسان صحیح طور پر جان لے ۔ کہ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں ۔ حیلہ سازی بیکارِ محض ہے ۔ اسباب بے فائدہ ہیں ۔ اور یہ سب جاننے اور سمجھنے کے بعد وہ بالکل مطمئن ہو جائے ۔ کیونکہ! یہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت وعطا کے منتظر لوگوں کا حال ہے ۔ حقیقی صورت میں توکل یہ ہے ۔ کہ! انسان یہ جان لے کہ! رزق کی کشائش اور تنگی حکمتِ الٰہی کے تحت ہے ۔ رزق کا تقسیم کرنے والا مہربان ہے ۔ غافل نہیں ۔ بندہ ءعاجز کے لئے ہمہ وقت حیرت ہی حیرت ہے ۔ یہ سب جاننے اور سمجھنے کے بعد وہ آسودہ خاطر ہو جائے ۔ کیونکہ! یہ اہلِ رضا کا حال ہے ۔ (توکل کے ضمن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کہ!) ☆ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔ کہ! '' **فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ۔ ان اللہ یحب المتوکلین** '' (ترجمہ) پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں ۔ تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا کریں ۔ بے شک!

اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (سورہ آلِ عمران۔ آیت نمبر 159) ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ! ''**و تو کل علی اللہ. اکفٰی با للہ و کیلا و من یتو کل علی اللہ فھو حسبه** ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو وہ اُسے کافی ہے۔ توکل کے متعلق متفقہ علیہ کی ایک حدیث ہے۔ کہ! حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے۔ کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ! میری اُمت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے۔ جو نہ غیر شرعی جھاڑ پھونک کرتے ہیں۔ نہ بدشگونی لیتے ہیں۔ اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

کہیں عشق سجدے میں گر گیا کہیں عشق سجدے سے پھر گیا

اسی طرح سے توکل کے حقیقی مفہوم کو حدیث میں اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ! حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ کہ! ایک شخص نے (بارگاہ نبوی ﷺ میں) عرض کیا۔ کہ! یا رسول اللہ ﷺ ! کیا میں اونٹ باندھوں اور توکل کروں۔ یا کھول کر توکل کروں۔ (تو) آپ ﷺ نے فرمایا۔ باندھ کر توکل کرو۔ (جامع ترمذی۔ مستدرک حاکم۔ صحیح ابن حبان) اسی طرح سے ایک اور حدیث میں آیا ہے۔ کہ! حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے۔ کہ! حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! اگر تم اللہ تعالیٰ پر اس طرح بھروسہ کرتے۔ جیسا (کہ) بھروسہ کرنے کا حق ہے۔ تو تمھیں اس طرح رزق دیا جاتا۔ جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ (جیسا کہ) وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں۔ اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔ (جامع ترمذی۔ مستدرک حاکم) اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔ کہ! جس شخص نے ایک بھی پیسہ حرام کا لیا۔ وہ متوکل نہیں ہے۔

کافر کی یہ پہچان، کہ آفاق میں ہے گم مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

توکل کی حقیقت : سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادیؒ اپنی کتاب **غنیۃ الطالبین** میں توکل کے ضمن میں رقم طراز ہیں۔ کہ! توکل کی حقیقت یہ ہے۔ کہ انسان اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سُپرد کر دے۔ اختیار و تدبیر کی اندھیریوں سے پاک ہو۔ اور تقدیرِ الٰہی کی طرف قدم بڑھائے۔ اس وقت بندے کو یقین ہو جاتا ہے۔ کہ مُقدر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اور جو کچھ اس کی قسمت میں ہے۔ اس سے ضائع نہیں ہوگا۔ اور جو کچھ اس کے مقدر میں نہیں۔ وہ اس کو ملنے کا نہیں۔ اس بات سے اس پر اس کا دل سکون اختیار کر لیتا ہے۔ اور اپنے مالک کے وعدے پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور اپنے رب ہی سے سب کچھ حاصل کرتا ہے۔

مشکلوں سے کہہ دو، یوں نہ اُلجھا کریں ہم سے ہم وہ ہیں، جنھیں ہر حال میں جینے کا ہنر آتا ہے

توکل کے درجات : توکل کے تین درجات ہ ☆ پہلا درجہ توکل ہے۔ ☆ دوسرا درجہ تسلیم ہے۔ ☆ تیسرا درجہ تفویض ہے۔ متوکل اپنے رب کے وعدے پر مطمئن ہوتا ہے۔ تسلیم والا اللہ تعالیٰ کے علم پر اِکتفا کرتا ہے۔ اور صاحب **تفویض** اللہ تعالیٰ کے حُکم پر راضی ہوتا ہے۔ اسی لئے تو کہا گیا۔ کہ **توکل ابتداء** ہے، **تسلیم متوسط درجہ** اور **تفویض انتہا** ہے۔

اسی ضمن میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ فرماتے ہیں۔ کہ! عارفوں کے نزدیک توکل کے 487 درجات ہیں۔ جبکہ ملامتیہ فرقے کے ہاں 456 درجات ہیں۔ توکل کے پہلے ہی درجے میں ایک مسمان کے اندر چار کرامتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ **طی الارض** (زمین کو چشم زدن میں طے کرنا)، **مشی علی الماء** (پانی پر چلنا)، **طیران فی الھوا** (ہوا میں اُڑنا) اور **خوراک از غیب** (کھانے پینے کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے بغیر کسی مشقت کے حاصل ہو جانا)

ایک بزرگ نے کسی مرحوم ضعیف العمر ولی نے بحالتِ رویاء دریافت فرمایا۔ کہ! اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والی کیا چیز ہے (یعنی قربِ الٰہی کیسے حاصل کیا جائے) تو اُس بزرگ نے فرمایا۔ کہ! (قرب الی اللہ کے لئے) ایک ابتداء اور تین انتہا ہیں۔ (کہ جس سے قربِ الٰہی حاصل کرنا ممکن ہے) ابتداء میں پرہیزگاری اختیار کرنا۔ اور انتہا کی تین چیزیں رضا، تسلیم اور توکل ہیں۔

☆ **لجا**۔ توکل کے میدان سے نکل کر بائیسواں میدان ''لجا'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیه** ۔ (ترجمہ) اور انہوں نے جان لیا۔ کہ! اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پناہ نہیں ہے۔ (القرآن ۔118:09) لجا کا مفہوم ہے۔ کہ! کسی مقام پر پناہ حاصل کرنا۔ اس کے تین رکن ہیں۔ پناہِ زبان۔ پناہِ دل۔ پناہِ جان۔ زبان کی پناہ معذرت خواہی ہے۔ دل کی پناہ انکساری ہے۔ جان کی پناہ اضطرار ہے۔ اور اضطرار کا مفہوم اشتیاق ہے۔ (یاد رہے۔ کہ!) توکل کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ جبکہ لجا خود کو ذاتِ باری تعالیٰ کے عین سپرد کرنا ہے۔ متوکل تو اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے۔ جبکہ صاحب لجا کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے قطعًا کوئی امید ہو ہی نہیں سکتی۔ متوکل عطا کے ساتھ آرام پاتا ہے۔ اور صاحبِ لجا صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ آرام پاتا ہے۔ صاحبِ لجا کی راہ میں کوئی حجاب حائل و رکاوٹ نہیں۔ اور لجا کے فیوض و برکات کا کوئی حساب و حد نہیں۔ کیونکہ! جہاں لجا نہیں۔ اس کی اصل بے مایہ ہے۔ لجا پاک بازوں کے لئے زیب و زینت ہے۔ اور متلاشیانِ حق کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ کے باب (دروازوں) کا حلقہ ہے۔

☆ **رضا**۔ لجا کے میدان سے نکل کر تیسواں میدان ''رضا'' کا نکلتا ہے۔ رضا کے ضمن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **رضی اللہ عنه ورضوا عنه** ۔ (ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ (القرآن) رضا در حقیقت اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا نام ہے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ کا دین جس طرح سے اس نے اُتارا ہے۔ تو اس کے ساتھ راضی ہو جائے۔ اس کے (اللہ تعالیٰ کے) دین کو جس طرح سے اس نے اتارا، پسند کرنے میں ہر قسم کے تکلف، بدعت اور وساوس سے آزادی نصیب ہوتی ہے۔ ب۔ تقدیر اور روزی جس طرح اس نے تیرے اور دوسروں کے لئے مقرر فرمائی

ہے۔اس کے ساتھ راضی ہو جائے۔اس کی تقدیر کو پسند کرنے میں ہر قسم کی حیلہ بازی، حسد اور پریشانی سے نجات مل جاتی ہے۔

ماسوا اللہ کے بجائے اپنے مولا کے ساتھ راضی ہو جائے۔ ماسوا اللہ کے بجائے اپنے مالکِ حقیقی (رب متعال) کے ساتھ راضی ہونے میں ہر قسم کے خطرات، دنیوی علائق اور دونوں جہانوں سے آزادی ہے۔ بہر حال! الحاصل کلام! جس شخص نے حکمِ الٰہی میں صرف ذاتِ الٰہی پر تکیہ کیا۔ وہ راضی ہے۔ رضا کی اصل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ عالیشان ہے۔کہ! **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔ ذالک الفوز العظیم۔** (**ترجمہ**) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ اور وہ اس سے راضی ہوئے۔ یہی بھی (بڑی) زبردست کامیابی ہے۔ (سورہ مائدہ۔119)

یاد رہے۔کہ! اس آیت میں رضائے الٰہی کو متبادل قرار دیا گیا ہے۔کیونکہ حقیقی رضا کا مقام تو درحقیقت یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ بندے سے راضی ہو جائے۔اور بندہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جائے۔تاکہ اللہ تعالیٰ اور بندہ (دونوں) کی رضائیں متلازم اور مترابط ہو جائیں۔ بندے کا دل ہمیشہ شک و شبہ میں مبتلا رہتا ہے۔اسی لئے بندہ اللہ تعالیٰ سے اُس وقت تک راضی نہیں ہوسکتا۔جب تک کہ اللہ تعالیٰ خود بندے سے راضی نہ ہو جائے۔ نیز ارشادِ خداوندی ہے۔کہ! **یبشرھم ربھم برحمۃ منہ۔** (**ترجمہ**) ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا کی خوشخبری دیتا ہے۔ (سورہ توبہ۔21) اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ پر فرماتا ہے۔کہ! **ورضوان من اللہ اکبر۔** (**ترجمہ**) اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا تو سب سے بڑی چیز ہے۔ (سورہ توبہ۔72) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو تمام نعمتوں سے بڑی اور عظیم نعمت قرار دیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ پر فرماتا ہے۔کہ! **افمن اسس بنیانہ علیٰ تقوی من اللہ و رضوان خیر۔** (**ترجمہ**) بھلا کیا وہ شخص بہتر ہے۔جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی رضا پر اُٹھائی ہو۔ (سورہ توبہ۔109) اسی طرح اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ پر فرماتا ہے۔کہ! **محمد رسول اللہ. والذین معہٗ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم ترٰھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا۔** (**ترجمہ**) (نبی آخر الزمان جناب حضرت) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ہیں۔اور جو لوگ اِن کے ساتھ ہیں۔وہ کفار کے مقابلے میں سخت ہیں۔ (مگر) آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں۔تم انہیں دیکھو گے۔کہ کبھی رکوع میں ہیں۔کبھی سجدے میں ہیں۔ (غرضیکہ) اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ (سورہ فتح۔129) رضا کے ضمن میں چند احادیثِ نبویہ ﷺ پیش خدمت ہیں۔جیسے کہ! آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! تین خصلتیں ایسی ہیں۔کہ جس میں یہ پیدا ہو جائیں۔ (تو گویا) اُس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا۔اول یہ کہ! اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں۔دوئم یہ کہ! وہ کسی انسان سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے محبت رکھے۔سوئم یہ کہ! وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا بُرا جانے۔جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو بُرا جانتا ہے۔ (صحیح بخاری شریف) اس حدیث میں اہلِ رضا کے لئے ایمان کی حلاوت (یعنی مٹھاس) ثابت کی گئی ہے۔کیونکہ! جو شخص لذتِ ایمان سے محروم رہ جاتا ہے۔اس کے لئے دنیا و آخرت میں قلق و اضطراب، پشیمانی و پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔اسی لئے آنحضور سرورِ کائنات ﷺ صحابہ کرامؓ کو مرتبہء رضا کے حصول کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ رضائے الٰہی کے سلسلے میں ایک بہت ہی مشہور و معروف حدیث قدسی مفہوم ہے۔کہ آنحضور نبی مکرم ﷺ اللہ تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں۔کہ! (یہاں پر اللہ تعالیٰ حضرت انسان سے مخاطب ہیں)

اے ابنِ آدم! ایک ہے میری چاہت ۔۔۔ اور ایک ہے تیری چاہت ۔۔۔ ہوگا تو وہی۔ جو ہے میری چاہت ۔۔۔ پس اگر تُو نے سُپرد کر دیا اپنے کو اِس کے۔ جو ہے میری چاہت ۔۔۔ تو وہ بھی میں تجھے دوں گا۔ جو ہے تیری چاہت ۔۔۔ اگر تُو نے مُخالفت کی اُس کی۔ جو ہے میری چاہت ۔۔۔ تو میں تھکا دوں گا تجھ کو اِس میں۔ جو ہے تیری چاہت ۔۔۔ پھر (بھی) ہوگا (تو) وہی ۔۔۔ جو ہے میری چاہت ۔۔۔

☆ ارشادِ نبوی ﷺ ! بے شک تو جو کچھ خرچ کرے۔اور اس سے تیری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنی ہو۔تو تجھ کو اس کا ثواب ملے گا۔یہاں تک کہ اس پر بھی جو تُو اپنی بیوی کے منہ میں ڈالے۔ (ایک اور حدیث میں ہے۔کہ! حتیٰ کہ اس لقمہ پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو)

☆ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! جہاد دو طرح کے ہیں۔رہا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی چاہی۔امام کی اطاعت کی۔اچھے سے اچھا مال خرچ کیا۔ساتھی کے ساتھ نرمی اور محبت کی۔اور جھگڑے فساد سے دور رہا۔تو اس کا سونا اور اس کا جاگنا سب باعثِ اَجر ہے۔اور جس نے اپنی بڑائی کے اظہار، دکھاوے اور شہرت طلبی کے لئے جہاد کیا۔امام کی نافرمانی کی۔اور زمین میں فساد مچایا۔تو (اسے ثواب ملنا تو درکنار۔ وہ تو) برابر برابر بھی نہیں لوٹا۔ (سنن ابی داؤد شریف) ☆ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے چالیس 40 دنوں تک تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی۔تو اس کے لئے دو قسم کی برأت (چھوٹ واستثنیٰ) لکھی جائیں گی۔ایک آگ سے برأت، دوسری نفاق سے برأت۔ (جامع ترمذی شریف) ☆ حضرت عثمان بن عفانؓ کہتے ہیں۔کہ! میں نے آنحضور نبی مکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔کہ! جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد بنائی۔تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی جیسا گھر بنائے گا۔ (جامع ترمذی شریف) ☆ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! جنت میں ایسے بالا خانہ ہیں۔جن کا بیرونی حصہ اندر سے اور اندرونی حصہ باہر سے نظر آئے گا۔ (یہ سن کر) ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ ! (یہ بالا خانے) کس کے لئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔جو اچھی طرح بات کرے۔کھانا کھلائے۔خوب روزہ رکھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نماز پڑھے۔جب کہ لوگ سوئے ہوں۔ (جامع ترمذی شریف) ☆ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔کہ! سات قسم کے لوگ ایسے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن کہ جب اس کے (عرش کے) سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا۔

1 اِن میں سے ایک انصاف کرنے والا حکمران ہے۔ 2 دوسرا وہ نوجوان ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پلا بڑھا۔ 3 تیسرا وہ شخص ہے۔ جس کا دل مسجد میں لگا ہوا ہے۔ 4 چوتھے وہ دو آدمی، جنہوں نے صِرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ محبت کی۔ اسی کے واسطے جمع ہوتے ہیں۔ اور اسی کے واسطے الگ ہوتے ہیں۔ 5 پانچواں وہ آدمی، جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ اور عذابِ الٰہی کے خوف میں آنسو بہائے۔ 6 چھٹا وہ آدمی جسے (کوئی) خوبصورت عورت گناہ کی دعوت دے۔ لیکن وہ کہے۔ (کہ) مجھے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ 7 ساتواں وہ آدمی، جس نے کوئی صدقہ کیا۔ تو اسے چھپایا۔ یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چلے۔ کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (جامع ترمذی۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! یہ حدیث حسن صحیح ہے)

☆ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! جو شخص زینت کا لباس خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور اس کی تواضع کی خاطر چھوڑ دے۔۔ باوجود یہ کہ! وہ اسے میسر ہو۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو قیامت کے دن تمام خلائق کے سامنے بلائے گا۔ تا کہ وہ اہلِ ایمان کے لباس میں سے جسے چاہے پسند کرے۔ اور پہنے۔ (جامع ترمذی شریف) ☆ ارشادِ نبوی ﷺ ! جس نے اللہ تعالیٰ ک رضا کے لئے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے روکا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے محبت کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عداوت و دشمنی کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی رجا کے لئے نکاح کیا۔ تو یقیناً اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔ (جامع ترمذی شریف) ☆ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! جو شخص صبح و شام مذکورہ کلمات تین مرتبہ پڑھا کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے۔ (کان حقا علی اللہ) کہ بروزِ قیامت اس کو ضرور راضی فرمائے گا۔ (وہ کلمات یہ ہیں) **رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بسیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا و رسولا۔** (ترجمہ) مَیں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر اور اسلام کے دین ہونے پر اور حضرت محمد ﷺ کے نبی و رسول ﷺ ہونے پر راضی ہوں۔ (سنن ابوداؤد) یہ دعا پڑھنے والا شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کا حقدار قرار دیا گیا ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔ کہ! صلﷺ ۃ وسلام کے بعد واضح ہو۔ کہ! بھلائی ہمہ تن رضا میں ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی قضاء پر راضی رہ سکو۔ تو بہتر ہے۔ ورنہ صبر اختیار کرو۔ حضرت علی بن محمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ! تین چیزیں ہیں۔ کہ ان میں سے کسی مسلمان کا دل خیانت نہیں کرتا۔ ہر نیک کام (عملِ صالح) محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنا۔ مسلمانوں کے اماموں اور سرداروں کی خیر خواہی چاہنا، مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ ہمیشہ رہنا اور ان سے جدا نہ ہونا۔ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔ بندے کے اپنے اختیار کا اُٹھ جانا رضا ہے۔

حضرت ابوتراب بخشیؒ نے فرمایا۔ جس شخص کے دل میں دنیا کی قدر و منزلت ہو۔ وہ رضا کا مقام و مرتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں۔ کہ! رضا یہ ہے۔ کہ! نہ تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو۔ اور نہ ہی جہنم سے پناہ مانگو۔

حضرت رابعہ بصریؒ نے فرمایا۔ بندہ اس وقت تک راضی برضا کہلانے کا حق دار نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ مصیبت میں اسی طرح خوش نہ ہو۔ جس طرح کہ وہ آرام میں خوش تھا۔ (بقول حضرت بابا فرید گنج شکرؒ)

دکھاں دی سیج وچھائی تے دکھاں ہار بنائے ۔۔۔ دکھ سلامت یار فریدن جنہاں دکھاں یار ملائے

انہیں صاحبانِ رضا کے متعلق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! اہلِ رضا جنت و دوزخ سے بھی بے نیاز رہتے ہیں۔ وہ لوگ جنت کی طلب اس لئے نہیں کرتے۔ کہ وہاں راحت ہے۔ اور جہنم سے پناہ اس لئے نہیں مانگتے۔ کہ وہاں رنج و تکلیف ہے۔ بلکہ یہ لوگ جنت کی طلب اس لئے کرتے ہیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقامِ رضا ہے۔ اور دوزخ سے پناہ اس لئے مانگتے ہیں۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے۔ تو ان کی نظر میں جنت و دوزخ مقصود نہیں۔ بلکہ ان کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے امان و پناہ مقصود ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کا یہ موقف ہے۔ کہ! ہمیں اللہ تعالیٰ کی رضا چاہیئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ بھی۔ اور درحقیقت یہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں۔ کہ جنہیں محبتِ ذاتیہ، فنائے مطلق، مقامِ رضا اور مقامِ بقا باللہ حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی مقامِ تکمیل ہے۔ مقامِ رضا میں نفرت و کراہت ختم ہو جاتی ہے۔ جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ اس پر راضی رہتے ہیں۔ کیونکہ! ان کی نظر صرف اپنے محبوبِ حقیقی کی جانب ہمیشہ گامزن رہتی ہے۔ (بقولِ شاعر)

یہ بلا ہرگز نہیں ۔۔۔ یہ بھی محبوب کا انداز ہے

اسی طرح ایک اور شاعر کہتے ہیں۔ کہ!

ہائے کس کے ہوئے ایسے نصیب ۔۔۔ جس پر بلا نازل کرے اُسی کا حبیب

مومن کو چاہیئے۔ کہ! وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقسیم پر ہمیشہ راضی رہے۔ کیونکہ! اللہ تعالیٰ کا فیصلہ انسان کے فیصلے سے ہمیشہ بہتر بلکہ بدرجہا بہترین ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ! **وعسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیئا وھو سر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔ (ترجمہ)** یہ عین ممکن ہے۔ کہ تم ایک چیز کو بُرا سمجھو۔ حالانکہ! وہ تمھارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے۔ کہ تم ایک چیز کو پسند کرو۔ حالانکہ! وہ تمھارے حق میں بُری ہو۔ اور (اصل حقیقت تو صرف) اللہ تعالیٰ (ہی) جانتا ہے۔ (سورہ بقرہ۔ 216) اس آیت میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ حضرتِ انسان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ کہ! راضی برضا رہنے میں ہی عقل مندی ہے۔ کیونکہ انسانی عقل و دانائی، علم و حکمت محدود ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم لامحدود اور پر حکمت ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جانتا ہے۔ جس میں حضرتِ انسان کی دینی و دنیاوی بہتری و بھلائی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے ان کی مصلحتیں پوشیدہ رکھیں۔

اور انسانوں کو اپنے زریں اصولوں اور احکامات پر چلنے اور عمل پیرا ہونے جبکہ ممنوعاتِ شرعیہ سے باز رہنے کا اور مقدر کے سامنے سرِخم تسلیم خم کرنے اور اپنے منافع ونقصانات میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ مصالح اور انجام اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی اختیار میں رکھے ہیں۔ پس ہمیں چاہیئے۔کہ! ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیغمبر ﷺ کی کامل اطاعت وفرمانبرداری اختیار کریں۔

علمائے متصوفین وطریقت کا فرمان ہے۔کہ! رضا کی دو اقسام ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ کیساتھ راضی ہونا۔ جبکہ دوسری قسم یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے ساتھ راضی ہونے کا مطلب یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ کی تدبیر کو بہرصورت تسلیم کرے۔

☆ جبکہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہونے کا یہ مطلب ہے۔کہ! اس کے ہر فیصلے اور حکم پر سر تسلیم خم کرے۔

☆ **موافقت**۔ رضا کے میدان سے نکل کر چوبیسواں میدان ''موافقت'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فاض ما انت قاض**۔(ترجمہ) تو جو بھی فیصلہ کرنے والا ہے۔ کرگزر۔(القرآن۔72:20) موافقت کا مفہوم ہے۔کہ! قادرِ مطلق ومالکِ حقیقی کی لکھی ہوئی تقدیر کے ہر فیصلے وحکم کو کشادہ دلی کے ساتھ قبول کرنا۔(یاد رہے۔کہ!) رضا، حکم کے ظاہر ہونے کے بعد جبکہ موافقت حکم کے ظہور سے بیشتر راضی ہونے کا نام ہے۔ موافقت تین باتوں سے عبارت ہے۔ بندے کے اختیار کا درمیان سے اُٹھ جانا۔ اپنے مولا کی عنایت کو صحیح تسلیم کرنا۔ اپنی شان وشوکت اور دونوں جہانوں کی محبت سے انقطاع۔

بندے کے اختیار کا درمیان سے اُٹھ جانے کی علامات تین باتوں سے ظاہر ہے۔

رنج وراحت میں یکساں رہنا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے مل جانے یا چھن جانے سے متاثر نہ ہونا۔ مرگ وزیست کا یکساں ہوجانا۔

اپنے مولا کی عنایت کو صحیح تسلیم کرنے سے تین نشانیاں وابستہ ہیں۔ اس کے قلب کو وہ مسرت عطا کردیں۔ جو جملہ غموں کو صاف کرڈالے۔ اسے وہ نور بخش دیں۔ جو دنیوی علائق کو زائل کردے۔ اسے وہ قربِ خاص نصیب ہو۔ جو انتشار کو دور کردے۔ اپنی ذات کو دونوں جہانوں کی محبت سے انقطاع کی علامت تین باتوں سے عبارت ہے۔ انسان کی تمام حاجات صرف ایک ہی ذات سے متعلق ہو۔ دل میں ایسا کوئی حجاب نہ رہے۔ جو اسے مستور کردے۔ دل میں خواہشات کی ریشہ دوانی نہ رہے۔ بہرحال! الحاصل کلام! جس شخص نے حکمِ الٰہی میں محبتِ الٰہی پر قرار وچین حاصل کیا۔ وہ موافق ہے۔

☆ **اخلاص**۔ موافقت کے میدان سے نکل کر پچیسواں میدان ''اخلاص'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **قل اللہ اعبد مخلصا لہ دینی**۔(ترجمہ) آپ ﷺ فرمادیں۔کہ! میں اپنے دین کو (شرک سے) خالص کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔(القرآن۔39:14) اخلاص کا معنیٰ ریاء سے پاک ہر نیک فعل اور اخلاص کا مفہوم کسی چیز کا ممتاز کرنا ہے۔ اس کی تین اقسام ہیں۔

اخلاصِ شہادت۔ اخلاصِ خدمت۔ اخلاصِ محبت۔

اخلاصِ شہادت کے (دراصل) تین گواہ ہیں۔ احکامِ الٰہیہ کی بجا آوری۔ نواہی سے پرہیز۔ حصولِ سکون اَز رضائے خداوندی۔ **الا للہ الدین الخالص**۔(ترجمہ) خالص عبادت (تو صرف اور صرف) اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے۔(القرآن۔03:39) اخلاصِ خدمت کے تین گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مخلوق کو نہ دیکھنا۔ کارِحق میں سنتِ مطہرہ کی پاسداری کرنا۔ اطاعتِ الٰہیہ میں حلاوت پانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔کہ! **وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین**۔(ترجمہ) اور انہیں حکم تو یہی ہوا تھا۔ کہ اخلاصِ عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت (بھی) کریں۔(القرآن۔05:98) اخلاصِ معرفت کے تین گواہ ہیں۔ وہ خوف جو گناہ سے روکنے والا ہو۔ وہ طاعت، جو اُمید پر ثابت قدم رکھے۔ وہ محبت، جو حکمِ الٰہی کے ساتھ موافقت کرنے والی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔کہ! **انا اخلصنھم بخالصۃ**۔(القرآن۔46:38) اِخبات سے مراد انسان کی نرم خوئی، اضطراب اور خوف ہے۔ وہ ایسی حقیقت ہے۔کہ جس میں اخلاص کی چاشنی ہے۔ جو مخلوق کی معذوریوں سے آشنا ہے۔ اور جو بے نفس ہے۔ اخلاص کی چاشنی کے تین نشانات ہیں۔ دنیا کے ساز وسامان، تگ ودو اور اس کے فریب کاری کے غم سے نجات پانا۔ خدمتِ خلق پر مداومت، ہر لمحہ یادِ الٰہی میں استغراق اور تصفیہ باطن کے لئے جدوجہد کرنا۔ دنیا، اہلِ دنیا اور ہر خاص و عام انسان کو اپنے (حقوق کی) ادائیگی سے باز رکھنا۔ (یاد رہے۔) یہ ابدالوں کا طریق اور اُن کی سیرت ہے۔

تم تکلف کو اخلاص سمجھتے ہو فراز   دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

یہاں پر یہ ذرہ ناچیز (فقیر محمد عبدالرؤف القادری) قارئین کتاب ہذا کی خدمت میں اخلاص کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

حضرت رب العالمین اخلاص کے ضمن میں قرآنِ حکیم میں فرماتے ہیں۔کہ! **فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین**۔(ترجمہ): پس تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کے لئے طاعت وبندگی کو خالص رکھتے ہوئے کیا کرو۔(سورہ غافر۔14) ☆ **وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین**۔(ترجمہ): حالانکہ! انہیں فقط یہی حکم دیا گیا تھا۔کہ! صرف اسی کے لئے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔(سورہ البینۃ۔5) اسی طرح سے آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے اخلاص کے ضمن میں فرمایا ہے۔کہ! **عن عمر بن خطاب** رضی اللہ عنہ **ان رسول اللہ قال: الاعمال بالنیۃ، ولکل امریء ما نوی، لمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ، ومن کانت ھجرتہ لدنیا یصیبھا، او امراۃ یتزوجھا، فھجرتہ الی ما ھجر الیہ. (متفق علیہ الا وھذا لفظ البخاری)**۔(ترجمہ): حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اور ہر شخص کے لئے وہی ہے۔ جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی

طرف ہجرت کی۔ اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کے لئے شمار ہوگی۔ اور جس کی ہجرت دُنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنے لئے ہوئی۔ تو اُس کی ہجرت اسی کے لئے ہے۔ (کہ) جس کی طرف اُس نے ہجرت کی۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ مگر یہ الفاظ امام بخاریؒ کے ہیں) ☆ ایک اور حدیثِ نبوی ﷺ میں حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ! اخلاص میرے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ مَیں اپنے بندوں میں سے جس سے محبت کرتا ہوں۔ اِسے (یعنی اخلاص کو) اس (بندے) کے قلب پر ودیعت کرتا ہوں۔ اور (پھر) آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ نہیں ہے ایسا کوئی بندہ، جو چالیس ایام تک اللہ تعالیٰ (کی رضا) کے لئے خالص عمل کرتا ہے۔ مگر اس (بندے) کے قلب سے اس کی زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ☆ حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں۔ کہ! جب کوئی شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ گزارتا ہے۔ تو اس کے قلب کے راستے اس کی زبان سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں۔ ☆ حضرت رسولِ مکرم ﷺ نے فرمایا۔ جو شخص چالیس روز صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ تنہائی اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان سے ظاہر فرما دیتا ہے۔ ☆ حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ جس نے صدقِ قلب (خلوص) کے ساتھ شہادت (کی موت) طلب کی۔ تو اللہ تعالیٰ اسے شہداء کا مقام عطا فرمائے گا۔ خواہ اسے بستر ہی پر موت (کیوں نہ) آئی ہو۔ (صحیح مسلم۔ نسائی۔ ابوداؤد۔) ☆ حضرت ابو محمد حسن بن علیؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ! مجھے حضور نبی مکرم ﷺ کا یہ ارشاد یاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ شک و شبہ والی چیز چھوڑ کر شک سے پاک چیز کو اختیار کرو۔ بے شک سچ سکون اور جھوٹ شک و شبہ ہے۔ ☆ حضرت نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ صِرف وہی عمل قبول فرماتا ہے۔ جو خالص اُسی کے لئے ہو۔ اور اسے کرنے سے محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مقصود ہو۔ ☆ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کی طرف بھیجا گیا۔ تو انہوں نے رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! مجھے نصیحت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ دین میں اخلاص پیدا کرو۔ تجھے تھوڑا عمل بھی کافی ہوگا۔ ☆ ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔ کہ! بے شک! اللہ تعالیٰ نہ تمھاری صورتوں کو دیکھتا ہے۔ اور نہ (ہی) اعمال کو۔ بلکہ وہ تو تمھارے قلوب اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ ☆ حضرت ثوبانؓ کا بیان ہے۔ کہ! مَیں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ کہ! اخلاص سے کام کرنے والوں کے لئے خوش خبری ہے۔ یہ لوگ چراغِ ہدایت ہیں۔ اِن کے ذریعے ہر سیاہ فتنہ چھٹ جاتا ہے۔ ☆ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا۔ **تین چیزیں اخلاص کی علامات میں سے ہیں۔** مدح و ذم (یعنی تعریف و مذمت)، کا مساوی ہونا۔ اپنے نیک اعمال میں (کثرتِ) اعمال کی طرف دھیان نہ کرے۔ اور اپنے اعمال کے اجر و ثواب کو (دنیا کے بجائے) آخرت میں طلب کرے۔ ☆ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا۔ اخلاص وہ عمل ہے۔ جو انسان کو دشمن (نفس و ریاکاری) سے بچائے۔ کہ وہ اسے خراب نہ کردے۔ ☆ حضرت سہل تستریؒ سے کہا گیا۔ کہ! کون سی چیز نفس پر گراں ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا۔ ''**اخــــلاص**'' کیونکہ! نفس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ☆ حضرت حذیفہ المرعشیؒ نے فرمایا۔ اخلاص یہ ہے۔ کہ! بندے کے ظاہری و باطنی اعمال میں یکسانیت (پیدا) ہو جائے۔ ☆ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔ کہ! ''**اخــلاص**'' رحمان اور انسان کے مابین ایک (مخفی) راز ہے۔ جسے نہ تو فرشتہ جان سکتا ہے۔ کہ! لکھ لے۔ اور نہ ہی شیطان جان سکتا ہے۔ کہ! اسے خراب کر سکے۔ اور نہ خواہشِ نفس کہ اسے اپنی طرف مائل کر سکے۔ ☆ حضرت محمد بن علی ترمذیؒ نے فرمایا۔ کہ! آخرت میں کامیابی کثرتِ اعمال سے نہیں ہوگی۔ بلکہ اعمال کے اخلاص اور ان کے حُسن کی وجہ سے ہوگی۔ (اِن شاءاللہ) ☆ حضرت شیخ ابوسعید حرازؒ کا ارشاد ہے۔ کہ! عارفین کا ریا بھی مریدین کے اخلاص سے افضل ہے۔ اور وضاحت اس قول کی یہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ! مریدین کا اخلاص رویئتِ اخلاص کی علت سے پاک نہیں۔ (یعنی کہ! ان کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ اپنے اخلاص کا مشاہدہ کریں) اور عارف اس علت سے منزہ اور پاک ہے۔ اور یہ عمل کو باطل کردینے والی چیز ہے۔ ☆ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔ کہ! اخلاص کی تین علامات ہیں۔ اول یہ کہ! صاحبِ اخلاص کے لئے لوگوں کی تعریف یا ان کی طرف سے کی گئی مذمت (بے عزتی) یکساں ہو۔ دوئم یہ کہ! وہ اپنے اعمال کے مشاہدے سے بے نیاز ہو جائے۔ اور کوئی بھی نیک عمل کرنے کے بعد اُسے یکسر بھول جائے۔ سوئم یہ کہ! صاحبِ اخلاص اس بات کا خواستگار نہ ہو۔ کہ! آخرت میں اس کے نیک اعمال کا اس کو اَجر ملے گا۔

حضرت شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین السہر وردیؒ اپنی یگانہ روزگار تصنیف ''عوارف المعارف'' میں فرماتے ہیں۔ کہ! حضرت شیخ جعفر الخلدیؒ کہتے ہیں۔ کہ! مَیں نے سیدی ابوالقاسم حضرت جنیدِ بغدادیؒ سے سوال کیا۔ کہ! اے شیخ! کیا ''صدق'' اور ''اخلاص'' میں کوئی تفریق ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ صدق (ہی درحقیقت) اصل ہے۔ اور قدیم ہے۔ جبکہ ''اخلاص'' اس کی فرع ہے۔ بلکہ اس کے تابع ہے۔ (پھر سیدی بغدادؒ نے فرمایا۔ کہ) ان دونوں میں اور ایک واضح فرق یہ بھی ہے۔ کہ! اخلاص عمل میں آئے بغیر نہیں ہوتا۔ یعنی اخلاص کے لئے عمل کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے (جبکہ صدق کے لئے عمل کرنا ضروری ہے۔ بلکہ صرف ہر ایک کے لئے اچھی سوچ رکھنا یعنی اچھی نیت رکھنا ہی کافی ہے)۔ اور یہی اخلاص ہے۔ اور اسی کو مخالصۃ الاخلاص بھی کہتے ہیں۔ مخالصۃ الاخلاص یعنی بندہ ءخدا کا جملہ رسوم کو ترک کر کے ''حی قیوم'' ذات میں اس قدر فنا ہو جانا ہے۔ کہ اپنے قیام کی رویئت سے بھی محروم ہو جائے۔

☆ **تَبَتُّل**۔ اخلاص کے میدان سے چھبیسواں میدان ''تبتل'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **و تبتل الیہ تبتیلا** ۔ (ترجمہ) اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف (یکسر متوجہ جائیں۔ اور) ہر چیز سے کامل طور پر رُخ پھیرلیں۔ (القرآن۔ 08:73) تبتل کا مفہوم ''مراجعت'' ہے۔ اور اس سے مراد تین باتوں سے پھر تین باتیں عبارت ہیں۔ دوزخ سے بہشت کی طرف۔ دنیا سے آخرت کی طرف۔ اپنی ذاتِ فانی سے حق ذاتِ باقی کی طرف۔ دوزخ سے بہشت میں پہنچنا تین باتوں پر مبنی ہے۔ حرام سے حلال کے ساتھ پیوستہ ہونا۔ کینہ و عداوت سے نصیحت کی طرف لوٹنا۔ دیدہ دلیری کے ساتھ خوفِ خدا کی طرف رجوع کرنا۔ دنیا

سے آخرت کی طرف آنا تین باتوں سے عبارت ہے۔ حرص وہوا کو چھوڑ کر قناعت اختیار کرنا۔ دنیوی تعلقات سے فراغت کی جانب آنا۔ زندگی کے انہماک سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا۔ اپنی ذات سے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا تین باتوں سے عبارت ہے۔ ہر قسم کے دعوٰی سے نیاز مندی کی طرف آنا۔ مخاصمت سے تسلیم ورضا کی طرف آنا۔ اپنے ہر اختیار کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا۔

☆ **عزم۔** تبتل کے میدان سے نکل کرستائیسواں میدان ''عزم'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فا صبر کما صبر اولوا العزم من الر سل** ۔(ترجمہ) پس آپ بھی صبر کریں۔جس طرح صاحبِ عزم رسولوںؑ نے صبر کیا۔(القرآن۔**35:46**) کسی بات (قول وفعل) کا عزم اس کے غیر سے انقطاع کا نام ہے۔ اوردل کو اس کے سوا ہر چیز سے موڑ لینا ہے۔عزم سے مراد اطمینانِ کامل کے ساتھ نیت کو درست کرنا ہے۔عزم کا سرمایہ تین چیزیں ہیں۔دین میں پختگی۔اوامرِ الٰہیہ پر غیرت۔ ہر حال میں ثابت قدمی۔عزم کے تین ابواب ہیں۔ عزمِ توبہ۔عزمِ خدمت۔ عزمِ حقیقت۔

عزمِ توبہ تین باتوں سے عبارت ہے۔گناہوں سے نجات پانا۔ طریقِ معصیت کو چھوڑ دینا۔ بری مجلس کو ترک کرنا۔ عزمِ خدمت تین باتوں پر مبنی ہے۔ سب سے پہلے نفسِ اَمر کی صحیح غور پر داخت۔ فرائض کی بروقت بجا آوری۔ دنیوی اُمور کے مقابلے میں اپنی اُمور کو سمجھنا۔ عزمِ حقیقت سے مراد تین چیزیں ہیں۔ غصے کے وقت سکون وقرار اختیار کرنا۔ احتیاج کے وقت جوانمردی کا اظہار کرنا۔ طاقت کے وقت احساسِ ندامت۔

☆ **استقامت** ۔عزم کے میدان سے نکل کر اٹھائیسواں میدان ''استقامت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فا ستقم کما امرت** ۔(ترجمہ) پس جس طرح آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔آپ ﷺ استقامت اختیار کریں۔(القرآن۔**112:11**)استقامت سے مراد اس طرح سے یکساں رہنا۔کہ! اس میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہ ہو۔استقامت کی تین اقسام ہیں۔ استقامتِ افعال۔استقامتِ اخلاق۔استقامت انفاس۔ استقامتِ افعال درحقیقت اہلِ زہد کا شیوہ ہے۔وگرنہ وہ ریاکار ہوں گے۔استقامتِ افعال کے تین گواہ ہیں۔ انسان کا ظاہر احکامِ الٰہی کے مطابق ہونا۔اس کے باطن میں اخلاص کا ہونا۔اپنے اعمال پر خود ہر بروقت ملامت کرتے رہنا۔ استقامتِ اخلاق دراصل اہلِ یقین کا خاصہ ہے۔وگرنہ وہ منحرف کہلائیں گے۔استقامتِ اخلاق کی تین نشانیاں ہیں۔اگر لوگ زیادتی کریں۔تو بھی انہیں معذور سمجھا جائے۔اگر لوگ ایذاء پہنچائیں۔تو پھر بھی انہیں کلامِ شیریں سے جواب دیا جائے۔اگر کوئی بیمار ہو جائے۔تو لازمًا اس کی عیادت کو جایا جائے۔ استقامتِ انفاس درحقیقت اہلِ معرفت کی شان ہے۔وگرنہ وہ صرف دعوٰی کرنے والے ہوں گے۔ ہر نفس (آنے اور جانے والے سانس) کی حفاظت کی جائے۔تو قدر ومنزّت نصیب ہو سکے۔اپنی تمام عمر کو ایک سانس کے برابر سمجھا جائے۔تا کہ دنیا کی محبت اور اس کی جملہ لذتوں سے آزاد ہو جا سکے۔ہر ایک نفس (آنے،جانے والے سانس) کی نگہداشت کی جائے۔تا کہ احوال بہتر ہو سکیں۔

الحاصل الکلام! ہمیں ہر وقت یہ جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔کہ! زندگی کا جو بھی سانس گزر گیا ہے۔وہ دشمن تھا یا مددگار۔ ہر ایک نفس (آنے اور جانے والے سانس) پر اللہ تعالیٰ کی ہزار ہا رحمتوں ونعمتوں کا بندے پر احسان ہے۔کہیں ایسا تو نہیں۔کہ! اللہ تعالیٰ کے احسان کے بجائے بندہ ہر لحہ گناہ گاری اختیار کئے ہوئے ہے۔(کیونکہ!) بدبخت انسان کا سانس ایک تنگ وتاریک اور بے در مکان میں بجھے ہوئے چراغ کا دھواں ہے۔اور ایک نیک بخت وصالح انسان کا ہر ایک سانس ایک بار آور باغ کے روشن وشفاف چشمے کی مانند ہے۔کیونکہ! صالحین کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔کہ! **و عمل صالحا فله جزاء الحسنیٰ** ۔(ترجمہ)اور جو نیک عمل کرے گا۔تو اس کے لئے بہت اچھا بدلہ (جزاء) ہے۔(القرآن۔**18:88**) **وعمل صالحا فا ولئک یدخلون الجنة** ۔(ترجمہ)اور جنہوں نے نیک اعمال کئے۔تو وہ جنت میں داخل ہوں گے۔(القرآن۔**19:60**)

صالحینِ کرام میں کسی نے رسول اللہ ﷺ کو کواب میں دیکھا۔تو عرض کیا۔یارسول اللہ ﷺ! آپؐ سے یہ روایت کی گئی ہے۔کہ آپؐ نے (کسی موقع پر) فرمایا۔مجھے **سورہ ھود** اور اس کی **اخوات** نے بوڑھا کر دیا۔تو حضور کریم ﷺ نے فرمایا۔ہاں۔یہ سن کر اُس صالح نے (دوبارہ) عرض کیا۔کہ (شاید) حضور ﷺ کے بڑھاپے کا باعث سورہ ھود میں بیان کردہ انبیاءؑ کے قصص اور قوموں کی ہلاکت ہے۔(لیکن) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم نے (مجھے بوڑھا کر دیا) **فا ستقم کما امرت** ۔ سو آپؐ قائم رہیں۔جیسے آپؐ کو حکم دیا گیا۔(سورہ ھود۔آیت نمبر112)

☆ **تفکر** ۔استقامت کے میدان سے نکل کر انتیسواں میدان ''تفکر'' کا نکلتا ہے۔تفکر دل کے لئے سانس کی آمد ورفت کی مانند ہے۔جیسا کہ مشہور ہے۔کہ! **التفکر ھو تر تیب امور معلو مة التا دی الی مجھول** ۔(ترجمہ) تفکر امورِ معلومہ کی اس ترتیب سے عبارت ہے۔جو مجہول کی طرف لے جاتی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و تلک الامثال نضر بھا للناس لعلھم یتفکرون** ۔(ترجمہ)اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں۔تا کہ وہ فکر کریں۔(القرآن۔**21:59**) تفکر تین قسموں پر مبنی ہے۔ پہلی قسم حرام ہے۔دوسری قسم مستحب ہے۔تیسری قسم واجب ہے۔

تفکر کی وہ قسم جو حرام ہے۔تین باتوں سے عبارت ہے۔ربُ العزت کی صفات میں تفکر،جو کہ تخمِ حیرت ہے۔ اعمال کی جزاء میں تفکر،جو کہ تخمِ تہمت ہے۔مخلوق کے اسرار میں تفکر،جو کہ تخمِ خصومت ہے۔ تفکر کی وہ قسم جو مستحب ہے۔تین باتوں سے عبارت ہے۔صانعِ قدرت کی صنعت میں تفکر،جو کہ تخمِ حکمت ہے۔فطرتِ الٰہی کے انواع واقسام میں تفکر،جو کہ تخمِ بصیرت ہے۔اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تفکر،جو کہ خالصتًا محبت ہے۔ تفکر کی وہ قسم جو واجب ہے۔تین باتوں سے عبارت ہے۔اپنے کام میں تفکر کہ وہ تعظیمِ الٰہی کا منشاء ہے۔طاعت میں اپنے عیوب کو تلاش کرنا کہ وہ حیاء کی بنیاد ہے۔اپنے عزمِ صمیم کے مقصد کہ وہ ہر قسم کے خوف کی اصل ہے۔تفکر ہی کے ضمن میں نیاز مندی کی نشو ونما کہ جس کی جزاء وصلہ دیدارِ الٰہی سے عبارت ہے۔تین باتوں کی علامت ہے۔ عمل میں تفکر ،کہ کوئی بھی فعل کیسے

سرزد ہوا۔ وہ بطرزِ احسن انجام پایا۔ یا بطریقِ گناہ سرزد ہوا۔ گفتار میں تدبر، کہ انسان نے کیا کیا۔ اس کی گفتار راست بازی یا دروغ گوئی، منافقت، سازش یا غیبت پر مبنی تھی۔ عنایتِ خداوندی میں تذکر، کہ عنایتِ خداوندی کس قدر وقوع پذیر ہوئی۔ وہ تو بلا شک وشبہ سر بسر لطف وکرم تھی۔ کیونکہ! بعض اوقات حالات کے تغیر وتبدل اور تقدیر کی آزمائش سے انسان مایوسی کی کھائی میں جا گرتا ہے۔ جو کہ اُسے کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ (معاذ اللہ) ایک مشہور و معروف حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔ کہ! **تفکر ساعة خیر من عبادة ستة ستین سنة و من عبادة الثقلین** ۔ (ترجمہ) ایک گھڑی کا تفکر چھیاسٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور جن وانس کی عبادت سے۔ (حدیث) جناب حضرت قدوۃ الکبریٰ نے فرمایا۔ کہ! سب سے بہترین نعمت جو کہ انسان کے خوانِ قلب میں رکھی گئی ہے۔ اور عظیم ترین دولت کہ جس کی طرف لوگوں کو راغب کیا گیا ہے۔ وہ درحقیقت تفکر ہے۔ کیونکہ! اسی بناء پر اصحاب تفکر اور اربابِ تذکر کو قرآنِ مجید میں خطاب کے شرف سے نوازا گیا ہے۔ اور چند مقامات پر انہی کی نفاست کے باعث یاددہانی کرائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنو بھم و یتفکرون فی خلق السموٰت والارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا** ۔ (ترجمہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور پہلو پر لیٹے ہوئے۔ اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں وہ غور کرتے ہیں۔ (اور پھر کہتے ہیں۔ کہ!) اے ہمارے رب! تُو نے یہ (سب کچھ ویسے ہی) بیکار تو پیدا نہیں کیا۔ (القرآن)

☆ **تَذکُّر** ۔ تفکر کے میدان سے نکل کر تیسواں میدان ''تذکر'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **وما یتذکر الا من ینیب** ۔ (ترجمہ) اور نصیحت نہیں پکڑتا۔ مگر وہ جو رجوع کرتا ہے۔ (القرآن ۔13:40) **تذکر و تفکر** میں یہ واضح فرق یہ ہے۔ کہ!

تفکر کا مفہوم ''تلاش کرنا'' جبکہ **تذکر** کا مفہوم ''پالینا''۔

تذکر تین باتوں سے عبارت ہے۔ خوف کے کان سے عذابِ الٰہی کی آواز کا سننا۔ نگاہِ اُمید سے وعدہء دوست کے منادی کو دیکھنا۔ نیازمندی کی زبان سے احسانِ خداوندی کو تسلیم کرنا۔ خوف کے ساتھ تذکر تین باتوں سے عبارت ہے۔ سرنوشتِ اَزل کے ڈر میں۔ اَن دیکھے انجام کے کھٹکے میں۔ ناپسندیدہ دور پر ندامت میں۔ اُمید کے ساتھ تذکر تین باتوں سے عبارت ہے۔ عمل کرنے والے کی توبہ میں۔ سننے والے کی شفاعت میں۔ حصولِ رحمت میں۔ نیازمندی کے ساتھ تذکر تین باتوں سے عبارت ہے۔ ہمیشہ دُعا کرنے میں۔ اس آشنائی میں، جو کہ اَزل سے لبریزِ مسرت ہے۔ اس فراخ دل (انسان) میں جو کہ واقعتاً طالبِ مولا ہے۔

☆ **فقر** ۔ تذکر کے میدان سے نکل کر اکتیسواں میدان ''فقر'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **یا ایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ** ۔ (ترجمہ) اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف فقیر ہو۔ (القرآن ۔ 15:35) فقر سے مراد درویشی ہے۔ (ویسے لغت میں فقر غربت و افلاس کو بھی کہا جاتا ہے۔ مفلسی یعنی غریبی کے متعلق ایک حدیثِ نبوی ﷺ پیش کی جاتی ہے۔

حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو۔ کہ **مفلس کون ہے** ؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ کہ! ہم میں مفلس وہ آدمی ہے۔ کہ جس کے پاس مال واسباب نہ ہو۔ (تو) آپ ﷺ نے فرمایا۔ بروزِ قیامت میری اُمت کا مفلس وہ آدمی ہوگا۔ کہ جو نماز، روزے زکوٰۃ وغیرہ سب کچھ لے کر آئے گا۔ لیکن اس آدمی نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی۔ اور کسی پر تہمت لگائی ہوگی۔ اور کسی کا مال کھایا ہوگا۔ اور کسی کا خون بہایا ہوگا۔ اور کسی کو مارا ہوگا۔ تو ان سب لوگوں کو اس آدمی کی نیکیاں دے دی جائیں گی۔ اور اگر اس کی نیکیاں ان کے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہوگئیں۔ تو ان لوگوں کے گناہ اس آدمی پر ڈال دئے جائیں گے۔ پھر اس آدمی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

بہرحال! فقر تین طرح کا ہوا کرتا ہے۔ فقرِ اضطرار۔ فقرِ اختیار۔ فقرِ تحقیق۔ فقرِ اضطرار کی تین قسمیں ہیں۔

گناہوں کی معافی کا باعث ہونا ۔ اس کا نشان انتظار وصبر ہے۔ **اس میں اعمال کی سزا ہے** ۔ اس کی علامت دل تنگی وپریشانی ہے۔

اس میں اقرباء سے تعلقات کا انقطاع ہے ۔ وہ صریح گلہ مندی وناراضی ہے۔ جیسا کہ قرآن شاہد ہے۔ کہ! **اذا ھم یسخطون** ۔ (ترجمہ) وہ اچانک سے ناخوش ہو جاتے ہیں۔ (القرآن ۔ 58:09) یہ آیت غالباً منافقین ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

فقرِ اختیاری تین قسم کا ہے ۔ بلندیء درجات ۔ قربِ الٰہی ۔ کرامت ۔

فقرِ اختیاری کی وہ قسم کہ جس میں بلندیء درجات نصیب ہوتے ہیں۔ وہ قناعت کے ساتھ ہے۔ فقرِ اختیاری کی وہ قسم کہ جس میں قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ وہ رضائے الٰہی کے ساتھ ہے۔ فقرِ اختیاری کی وہ قسم کہ جس میں کرامت نصیب ہوتی ہے۔ وہ ایثار کے ساتھ ہے۔

فقرِ تحقیق تین قسم کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔ اور معصومیت (گناہوں سے معصوم رہنا) بندے کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حد و بے حساب ہیں۔ بندے میں اللہ تعالیٰ کے احسانات، نعمتوں اور رحمتوں کے شکر کی طاقت نہیں۔ جو کہ اس کے شایانِ شان ہو۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ کہ! **ومن یرد اللہ فتنة فلن تملک لہ من اللہ شیئا. اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلو بھم** ۔ (ترجمہ) اور حق تعالیٰ نے جس کی آزمائش کا ارادہ کرلیا۔ پس اس کے لئے ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی چیز کے مالک نہ ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ کہ! ذاتِ باری تعالیٰ نے ان کے قلوب کی تطہیر کا ارادہ ہی نہیں فرمایا۔ (القرآن ۔ 41:05) فقراء کے بارے میں آنحضور نبی مکرم ﷺ کے مزید چند فرامین پیشِ خدمت ہیں۔ ☆ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے حضرت بلالِ حبشیؓ سے فرمایا۔ کہ! اللہ تعالیٰ سے فقیر ہونے کی حالت میں ملنا۔ مالدار ہو کر نہ ملنا۔ ☆ (حدیث) اللہ تعالیٰ اس فقیر سے محبت فرماتا

ہے۔جو بال بچوں والا ہونے کے باوجود سوال (کرنے) سے بچتا ہے۔ ☆ (حدیث) میری اُمت کے فقراء امیروں سے 500 برس قبل جنت میں داخل ہوں گے۔ ☆ آنحضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔فقراء امیروں سے 40 سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ ☆ (حدیث) فقر اور جہاد میرے دو پیشے ہیں۔جس شخص نے ان سے محبت کی۔اس نے مجھ سے محبت کی۔اور جس نے ان سے بغض رکھا۔اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ (حدیث)

☆ سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے فقر کی تعریف پوچھی گئی۔تو آپؒ نے فرمایا۔ **لیس الفقیر من لیس له درهم ولا دینار بل الفقیر من قال لشیء کُن فَیکُون** **ترجمہ:** دنیائے باطن میں فقیر (درحقیقت) وہ نہیں۔کہ جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔بلکہ (اصل) فقیر (تو) وہ ہے۔جو کسی شئے کے لئے کہہ دے۔ہو جا۔پس (بلاشبہ) وہ ہو جائے۔(یعنی اُس کے پاس ''کُن'' کی کنجی ہر وقت موجود ہو) ☆ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ رسالہ غوثیہ میں فرماتے ہیں۔کہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا۔اے غوث اعظم! اپنے اصحاب اور احباب سے کہہ دو۔کہ اگر وہ میری محبت چاہتے ہیں۔تو فقر اختیار کریں۔ آنحضور غوث پاکؒ کا ایک فرمان یہ بھی ہے۔کہ! فقر میری زینت ہے۔ ☆ سلطان الفقر حضرت سلطان باہوؒ نے اپنی جملہ کتب میں تعلیمات کو نہ تصوف نہ ہی طریقت بلکہ فقر کا نام دیا ہے۔ ☆ **الفقر اذا اتم فھو اللہ** **ترجمہ** یعنی کہ جب فقر کا مرتبہ تمام ہو جاتا ہے۔تو بس اللہ ہی اللہ رہ جاتا ہے۔اِس ضمن میں حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔کہ! ولایت میں سب سے بلند اور اعلیٰ مرتبہ ''فقر'' کا ہے۔اور اللہ تعالیٰ اَب تک پانچ سلاطینِ فقر کو پیدا فرما چکا ہے۔جبکہ باقی دو نے ابھی آنا ہے۔مَیں اس وقت پانچویں نمبر پر ہوں۔رسالہ روحی شریف (مصنفہ حضرت سلطان باہوؒ) میں ایک مسئلہ جس کی تشریح و توضیح نہایت ضروری ہے۔کہ رسالہ روحی شریف میں دنیا کے تمام اولیاء اللہؒ میں سے صِرف سات 07 معزز و ممتاز اولیاء اللہؒ کو سلاطینِ فقراء اور حضرت سید الکونین ﷺ کے جلیل القدر احباب کے لقب سے موسوم کیا ہے۔جن میں سے پانچ محترم المقام ہستیاں دنیا میں تشریف لا چکی ہیں۔جن کی ترتیب بلحاظِ زمانہ یہ ہے۔ ☆ **اول روحِ پاک حضرۃ جنابہ خاتونِ جنت فاطمۃُ الزہراء طیبہ وطاہرہؓ**۔کیونکہ! آنحضور نبی آخر الزماں ﷺ نے اپنی پاک باز محترم بیٹی کے بارے میں خود فرمایا ہے۔کہ! **فا طمة بضعة منی. من اذاھا فقد اذانی. ومن ابغضھا فقد ابغضنی .(ترجمہ)** فاطمہؓ میری جان کا ٹکڑا ہے۔جس نے اسے ایذا پہنچائی۔(بلاشبہ) اُس نے مجھے ایذا پہنچائی۔اور جس نے ان سے بُغض رکھا، گویا! اُس نے مجھ سے بُغض رکھا۔ ☆ **دوئم روحِ محترم جناب حضرت خواجہ حسن بصریؒ** (خلیفہ حضرت علی المرتضیٰؓ)۔ ☆ **سوئم روحِ مبارک جناب حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی ثم بغدادیؒ**۔ ☆ **چہارم روحِ مکرم جناب سید عبدالرزاق بن سید عبدالقادر جیلانیؒ**۔ ☆ **پنجم روحِ معظم جناب سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ**۔حضرت سلطان باہوؒ اپنے اِسی رسالے ''رسالہ روحی شریف::میں مزید فرماتے ہیں۔ میرے بعد مزید دو فقراء نے اِس دنیا میں تشریف لانا ہے۔جب تک وہ دونوں اِس دنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔قیامت قائم نہیں ہوگی۔اور ان سات اولیاء اللہ کے قدم تمام اولیاء اللہ (غوث، قطب وغیرہا) کے سَر پر ہیں۔واللہ اعلم بالصواب۔ ☆ حضرت بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں۔کہ! سب سے افضل مقام یہ ہے۔کہ! انسان قبر تک فقر پر صبر کرنے کا عزم بالجزم کرلے۔ ☆ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔کہ! بندے پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت ونشانی یہ ہے۔کہ! بندۂ خدا فقر سے ڈرتا ہو۔(یعنی کہ وہ فقیر ہونے سے خوف زدہ ہو) ☆ بقول حضرت عبداللہ بن خفیفؒ! اپنے آپ کو کسی بھی چیز کا مالک نہ سمجھنا اور کسی بھی صفت کو اپنی طرف منسوب نہ کرنا فقر کہلاتا ہے۔ ☆ بقول حضرت ابوبکر مصریؒ! فقیر دراصل وہ ہے۔جو نہ تو کسی کا مالک ہو۔اور نہ ہی کسی چیز کے مالک ہونے کی خواہش کرے۔ غرضیکہ! صوفیائے کرامؒ کے نزدیک اپنے وجودِ اضافی کو اللہ تعالیٰ کے سامنے فنا کر کے مخلوق سے بے نیاز ہو جانے کا نام فقر ہے۔اسی وجہ سے تو فرمایا گیا۔کہ! **الفقر سواد الوجه فی الدارین .(ترجمہ):** یعنی دونوں عالم میں سواد الوجہ (روسیاہ) ہو جانا فقر ہے۔یہاں پر سواد الوجہ سے مراد دونوں عالم کے علائق سے پاک ہو کر ذاتِ احدیتِ صرفہ میں محو اور فنا ہو جانا ہے۔یاد رہے۔کہ! حضرت جنید بغدادیؒ کے قول میں اسی طرف اشارہ ہے۔قول یہ ہے۔کہ! **الفقیر لا یفتقر الی نفسه ولا الی غیرہ .(ترجمہ):** فقیر نہ تو اپنا محتاج ہوتا ہے۔نہ ہی کسی غیر کا۔ بہرحال ہمیں صرف یہ بات ذہن نشین رکھنی لازم ہے۔کہ! آنحضور نبی مکرم ﷺ نے جیسا فرمایا۔ **''فقر کے کمال پر مجھے فخر ہے۔** اور اِسی بے مثل کمال (فخر) کے باعث ،مَیں بروزِ قیامت تمام انبیائے کرامؑ کے درمیان سَر بلند ہوں گا۔'' (انشاء اللہ تعالیٰ) مقامِ فقر اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک بہت ہی عظیم نعمت عظمیٰ کا نام ہے۔جس کا حصول ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس مقام پر فائز فرمائے۔آمین۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔کہ!

کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو ۔۔۔ کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

علامہ محمد اقبالؒ فقر کے ضمن میں مزید فرماتے ہیں۔کہ!

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے وہ فقر ۔۔۔ کہ جس میں ہے بے پردہ ''روحِ قرآنی''
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی ۔۔۔ یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار ۔۔۔ اسی مقام سے ہے آدم ''ظلِ سبحانی''

یاد رہے۔کہ! اہلِ بیتِ اطہارؓ میں سے کسی سے مروی ہے۔کہ! حضور نبی مکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔کہ! اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتا ہے۔تو اسے آزمائش میں مبتلا فرماتا ہے۔اور جب اس سے زیادہ محبت فرماتا ہے۔تو اسے چُن لیتا ہے۔عرض کیا گیا۔ چُننے سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا۔اس کے لئے نہ اہل وعیال چھوڑتا ہے نہ مال۔ (کنز العمال) **فقراء، ملامتیہ اور متصوفہ میں بنیادی طور پر یہ فرق ہے۔کہ فقراء طالبِ**

بہشت اور خواہانِ حظِ نفس ہیں۔ جبکہ ملامتیہ اور صوفیہ طالبِ حق اور اِس کے قرب کے خواہاں ہیں۔ اِس مرتبے سے اوپر فقر میں ایک مقام ہے۔ جوکہ ملامتیہ اور متوصفہ کے مقامات سے بلند تر ہے۔ وہ صوفیہ کا وصفِ خاص ہے۔ کیونکہ اگر چہ صوفی کا مرتبہ فقر کے مرتبہ سے بلند ہے۔ اور مقامِ فقر کا خلاصہ صوفی کے مقام میں مندرج ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ صوفی کو مقامِ فقراء پر تمام شرائط ولوازم کے ساتھ عبور حاصل ہوتا ہے۔

بہر حال فقر ایک لازوال نعمت مترقبہ ہے۔ جو خوش نصیب لوگوں کو ہی میسر ہوسکتی ہے۔ یعنی کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہو۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔ واللہ ذوالفضل العظیم**۔ یہ اللہ تعالیٰ کا (خصوصی) فضل ہے۔ جسے چاہے۔ عطا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔

☆ **تواضع**۔ فقر کے میدان سے نکل کر بتیسواں میدان ''تواضع'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **و عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا** ۔ (ترجمہ) اور رحمان کے بندے وہ ہیں۔ جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔ (القرآن ۔63:25) تواضع سے مراد اللہ تعالیٰ کے حضور فروتنی اختیار کرنا ہے۔ تواضع تین باتوں سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے لئے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرنا تین باتوں سے عبارت ہے۔ اس کے ہر حکم کے سامنے سرفگندہ رہے۔ امرِ الٰہی کے تحت لرزہ براندام رہے۔ اس کے ذکر میں سالک کو حضوری نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرنے میں تین فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرنے سے اس کی عظیم رحمتوں کے ابواب (دروازے) کھل جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرنے سے انسان میں موجود تکبر کا راستہ بند ہو جاتا ہے۔ اور خود پسندی کی رسیاں کٹ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرنے سے انسان میں اپنے آپ کو دین و دنیا اور آخرت میں بلند درجہ سمجھنے اور خود بخود باعزت بننے کا باطل وہم یکسر ختم ہو جاتے ہیں۔ (یاد رہے۔ کہ) اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے تواضع تین باتوں سے عبارت ہے۔ بندہ ارشادِ خداوندی کے مقابل اپنی رائے (علم وعقل یا تجربہ) کو اختیار نہ کرے۔ حضرت جناب رسالت مآب ﷺ کے ارشاد کے بعد بندے کو کسی کی سند کی احتیاج نہ ہو۔ بندہ کسی کے حق کہ اپنے دشمن کے حق کو بھی پامال نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے لئے تواضع تین باتوں سے عبارت ہے۔ ان کی قدر ومنزلت اپنے مقام ومرتبہ یا دنیاوی درجہ سے افزوں تر سمجھے۔ ان کے اقارب اور دوستوں کا تہہ دل سے احترام کرے۔ انہیں اپنی بدگمانی یا غلط خیالی سے وراء سمجھے۔

تواضع کی حقیقت : تواضع یہ ہے۔ کہ! آدمی جس بھی انسان سے ملے۔ اُس کو خود سے افضل واعلیٰ سمجھے۔ اور دل ہی دل میں یہ کہے۔ ممکن ہے۔ کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے بہتر اور بلند درجات ومقامات کا حامل ومالک ہو۔ اگر وہ شخص چھوٹا ہے۔ تو یہ کہے۔ کہ! ہوسکتا ہے۔ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی نہ کی ہے۔ (بظاہر اگر وہ نافرمان ہو بھی تو یہ سمجھے۔ کہ یہ فعل اس کے نفس اور شیطان لعین کی وجہ سے سرزد ہوا ہے) اور اپنا یہ خیال کرے۔ کہ! میں تو واقعی اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہوں (کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت وارادہ کے مطابق نہ چل سکا) لہذا اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ وہ (چھوٹا شخص) مجھ سے بہتر ہے۔ اور کوئی شخص بڑا ہے۔ تو یہ کہے۔ کہ! اس نے مجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے۔ اور مجھ سے پہلے کئی نیک امور کو سرنجام دے چکا ہے۔ اگر کوئی عالم ہے۔ تو یہ کہے۔ کہ! اسے وہ کچھ دیا گیا ہے۔ جس تک میں نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسے جو کچھ ملا ہے۔ میں اسے نہیں جانتا۔ میں اس (کے مقابل تو مطلق) جاہل ہوں۔ اور اگر کوئی جاہل ہے۔ تو یہ کہنا چاہیئے۔ کہ! اس نے تو نادانی (نادانستگی اور علم کی عدم وابستگی) میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ اور میں نے باوجود علم پر وقوف وادراک کے نافرمان ہوں۔ نہ معلوم میرا خاتمہ کیسے ہو۔ کیونکہ میں تو عالم (علم جاننے والا) ہوں۔ لہذا مجھ سے تو پرسش بھی زیادہ اور سخت ہوگی۔ (عالم کے بارے میں حضرت مولانا جلال الدین رومی ؒ کا فرمان ہے۔ کہ! اگر میرا علم مجھے انسان سے محبت کرنا نہیں سکھاتا۔ تو ایک جاہل مجھ سے ہزار درجہ بہتر ہے) اگر کوئی کافر ہے۔ تو یہ خیال کیا جانا چاہیئے۔ کہ! نہ معلوم کب وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے۔ (اور خدانخواستہ میرا خاتمہ بالخیر نہ ہوسکے) کیونکہ جب کوئی اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس کے جملہ سابقہ صغیرہ وکبیرہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

تواضع دراصل (تقوی کی مانند) **اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا ایک دروازہ ہے**۔ صفات میں یہ بہترین چیز ہے۔ جس کو اپنانے کی سخت ضرورت ہے۔ ان میں سے یہ پہلی چیز ہے۔ جس کا بندگانِ خدا کے لئے ان اوصاف کو برقرار رکھنا بے حد ضروری ہے۔ اِن (دس خصلتوں) میں سے یہ آخری وصف ہے۔ جب کسی انسان میں عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے تباہیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور اسے خیر خواہی کے بلند مراتب عطا فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ کہ! جو آدمی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس درجہ بلند فرما دیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ! نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے۔ کہ تم لوگ (میرے جملہ امتیو) عاجزی اختیار کرو۔ یہاں تک کہ کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔) اور اس طرح وہ شخص اللہ تعالیٰ کے منتخب اور محبوب بندوں (یعنی اولیاء اللہ) میں سے ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص، شیطانِ لعین (جو کہ دشمنِ انسان وخدا ہے) کے عظیم دشمنوں میں شمار ہونے لگتا ہے۔ تواضع عبادات کا مغز، زاہدوں کا شرف اور عابدین کی واضح علامت ہے۔ اس سے افضل کوئی چیز نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بندہ مخلوق کے ذکر سے اپنی زبان کو روک لے۔ کیونکہ اس کے بغیر عمل مکمل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس کے دل سے ہر حال میں کھوٹ، سرکشی اور تکبر خارج ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر اس کی زبان، ظاہر وباطن میں ایک جیسی ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کی مشیت میں بھی ظاہر وباطن کا تفاوت ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کی گفتگو کا انداز بھی یہی ہو جاتا ہے۔ اور متواضع شخص خیر خواہی میں جملہ مخلوقات کو ایک جیسا سمجھتا ہے۔ شاید اسی ضمن میں آنحضور نبی اکرم ﷺ کی یہ دعا مشہور ہے۔ کہ! **اللھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین یوم القیامۃ** ۔ **(ترجمہ)** یا اللہ تعالیٰ! مجھے بحالتِ مسکینی زندہ رکھ۔ اور بحالتِ مسکینی مجھے موت عطا فرما۔ اور بروزِ قیامت، مجھے مساکین کے زمرے میں (سے) اُٹھا۔

☆ **خوف۔** تواضع کے میدان سے نکل کر تینتیسواں میدان ''خوف'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **واما من خاف مقام ربہ** ۔(ترجمہ) اور ہر چند کہ جو شخص اپنے پروردگار کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ (القرآن۔ 40:79) خوفِ الٰہی ایمان کا مضبوط قلعہ ہے۔ دنیاوی ہوا و ہوس اور حرص کے لئے تریاق ہے۔ اور مومنِ صادق کے لئے ایک کارگر ہتھیار ہے۔ خوف کی تین اقسام ہیں۔ دل میں گزر جانے والا خوف۔ دل میں جاگزیں ہونے والا خوف۔ دل پر غالب آنے والا خوف۔ دل میں گزر جانے والا خوف دل میں آتا ہے اور پھر نکل جاتا ہے۔ یہ خوف ادنیٰ درجے کا ہے۔ کہ جس کے بغیر ایمان کا وجود ہی نہیں رہتا۔ کیونکہ خوف کے بغیر امن و سلامتی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اور نہ ہی ایمان کی۔ خوف کی علامات بے شمار ہیں۔ وہ ایمان کی زیب و زینت ہے۔ ہر شخص میں جس قدر خوف ہے۔ اس میں اتنا ہی ایمان ہے۔ خوف کی دوسری قسم دل میں جاگزیں ہونے والا خوف ہے۔ اس خوف کی تین خوبیاں ہیں۔ یہ خوف بندے کو گناہوں سے روکتا ہے۔ اسے حرام سے دور رکھتا ہے۔ انسان کی خواہشات کو کم کرتا ہے۔ خوف کی تیسری قسم دل میں غالب آنے والے خوف کی ہے۔ جو کہ ہر قسم کے مکر سے ڈرتا ہے۔ اس خوف کی تین نشانیاں ہیں۔ اس خوف سے حقیقت کا صحیح وقوف و ادراک ہوتا ہے۔ اسی خوف کے باعث اخلاص کی راہ کھل جاتی ہے۔ یہ خوف آدمی کو اس کی غفلت سے نجات دلاتا ہے۔

یاد رہے۔ کہ! مکر کی دس علامات و نشانیاں ہیں۔ ایسی طاقت کہ جس میں حلاوت نہ ہو۔ گناہوں پر اصرار کہ جس میں توبہ نہ ہو۔ ایسی دُعا کہ جس میں انقباض نہ ہو۔ ایسا علم کہ جس میں عمل نہ ہو۔ ایسی حکمت کہ جس میں نیت کی پاکیزگی نہ ہو۔ ایسی صحبت کہ جس میں اَدب و احترام نہ ہو۔ ایسی عبادت کہ جس میں خشوع و خضوع نہ ہو۔ بُرے لوگوں سے نشست و برخاست۔ اور مکر کی آخری دو اقسام سب سے زیادہ بدتر، نقصان دہ باعثِ فتنہ و فساد ہیں۔ اللہ تعالیٰ بندے کو ایمان تو دے دے۔ مگر اس کے ساتھ یقین نہ ہو۔ بندے کو اس کے حال (خواہ نیک ہو یا بد ہو) پر ہی چھوڑ دے۔ یاد رہے۔ کہ! دسویں قسم درحقیقت گنہ گار کی کیفیت اور تائب کے درمیان کی ہے۔ اللہ رب العزت کا فرمانِ عالی شان ہے۔ کہ! **واما من خاف مقام ربہ و نھی النفس عن الھوٰی. فان الجنۃ ھی الماوٰی** ۔(ترجمہ) اور رہا وہ جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے خوف رکھتا تھا۔ اور اپنے نفس کو بُری خواہشات سے روکتا تھا۔ تو جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگی۔ (سورہ النازعات۔ 41-40) اس آیتِ کریمہ میں خوفِ الٰہی رکھنے والے اور نفس کو ناجائز خواہشات سے روکنے والے کے لئے جنت کی نوید سنائی گئی ہے۔ نیز فرمایا۔ کہ! **و خافون ان کنتم مؤمنین** ۔(ترجمہ) اگر تم ایمان والے ہو۔ تو مجھ سے ڈرو۔ (سورہ آلِ عمران۔ 175) اس آیتِ کریمہ میں تو خوف کو ایمان کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔ خوفِ خدا بھی نعمت سے کم نہیں۔ لوگوں میں سب سے زیادہ خوفِ خدا کا حامل وہ شخص ہوگا۔ جسے سب سے زیادہ اپنی ذات اور اپنے رب کی معرفت حاصل ہوگی۔ یعنی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خوف کا حکم دے کر اسے لازم قرار دیا۔ بلکہ اسے ایمان کے لئے شرط بتایا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ! کسی بھی مومن کے لئے اس بات کا تصور نہیں کیا سکتا۔ کہ وہ خوفِ خدا سے یکسر خالی ہوسکتا ہے۔ ہر مومن کے دل میں خوفِ الٰہی ہوتا ضرور ہے۔ اگر چہ کمزور ہی کیوں نہ ہو۔ اور خوف کی یہ کمزوری اس کی معرفت اور ایمان کی کمزوری کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اسی لئے تو سرکارِ نامدار ﷺ نے فرمایا۔ کہ! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والا ہوں۔ (بخاری شریف) اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ! **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰوا** ۔(ترجمہ) اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں۔ جو علم والے ہیں۔ (سورہ فاطر۔ 28) اسی آیت کے ضمن میں حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! بندے کو (کبھی) اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفات کی معرفت خوف کے درجے پر پہنچا دیتی ہے۔ اسی طرح سے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالیشان ہے۔ کہ! **ھدی و رحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون** ۔(ترجمہ) ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ (سورہ اعراف۔ 154) حضرت ذوالنون مصریؒ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ کہ! بندہ خائفین (اللہ تعالیٰ کا کامل خوف رکھنے والے) کے مقام پر کب پہنچتا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا۔ کہ! جب وہ اپنے آپ کو اس مریض کی طرح سمجھے۔ جو مرض کے بڑھنے کے خوف سے ہر چیز سے پرہیز کرتا ہے۔ صحیحین میں ہے۔ کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ایک شخص نے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آیا۔ تو اس نے اپنے بیٹوں کی وصیت کی۔ کہ جب مَیں مَر جاؤں۔ تو تم مجھے جلا کر راکھ کر دینا۔ پھر تم میری اس راکھ میں سے آدھی تو کہیں خشکی میں بکھیر دینا۔ اور آدھی کہیں دریا میں بہا دینا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے پکڑ لیا۔ تو وہ مجھے ایسا سخت عذاب دے گا۔ جو دنیا جہاں میں کسی کو بھی نہ دے گا۔ اس کے بعد جب وہ مَر گیا۔ تو اُس کے بیٹوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خشکی اور تری سے اس کے اجزاء جمع ہوئے۔ پھر اس سے پوچھا گیا۔ تُو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے عرض کیا۔ (کہ) اے میرے مالک! تُو خوب جانتا ہے۔ کہ مَیں نے تیرے ڈر سے ہی ایسا کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بندہ کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ! اللہ تعالیٰ کے خوف اور ڈر سے ڈرنے والا شخص جہنم میں نہیں جا سکتا۔ جب تک کہ دودھ تھن میں واپس نہ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ کا گرد و غبار اور جہنم کا دھواں دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ (جامع ترمذی شریف) اس حدیث نبوی ﷺ میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے والے کے لئے عذابِ دوزخ سے رہائی کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ ایک اور حدیث (سنن ابنِ ماجہ) میں ہے۔ کہ! حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں۔ کہ! رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! ہر وہ بندہء مومن (کہ) جس کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کے خوف سے آنسو نکلیں۔ اگر چہ وہ آنسو مکھی کے سَر کے برابر (یعنی بہت ہی قلیل مقدار میں) کیوں نہ ہوں۔ اور پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے وجھ (چہرہ بمعنی گال) پر پہنچیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ (انشاء اللہ) اسی طرح سے ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ! حضرت انسؓ آنحضور نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ! آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن (ان فرشتوں کو، کہ جو دوزخ پر مقرر رہوں گے) حکم دے گا۔ کہ جس شخص نے

کبھی مجھے یاد کیا ہو۔ یا کسی موقع پر جو بندہ مجھ سے ڈرا۔ اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے۔ (جامع ترمذی شریف) ایک اور حدیث میں ہے۔ کہ! حضرت عباسؓ آنحضور نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ! جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی (خوش نصیب) بندے کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو اس وقت اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں۔ (کہ) جیسے کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! خوف کا کم سے کم درجہ کہ جس کا اثر اعمال میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔ یہ ہے کہ! بندہ ان تمام امور سے باز آجائے۔ جو کہ شرعاً ممنوع ہیں۔ یاد رہے۔ کہ! ممنوعاتِ شرعیہ سے باز رہنے کے اس عمل کو ''ورع'' یعنی ''پرہیزگاری'' بھی کہا جاتا ہے۔ اور اگر باز رہنے کی اس قوت میں اضافہ ہو کر ان چیزوں کو بھی شامل کر دیا جائے۔ جن کے حرام ہونے کا امکان ہے۔ بندہ ان تمام کاموں کو بھی ترک کر دے۔ کہ جن کی حرمت یقینی ہو۔ تو یہ تقویٰ ہے۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ دل کے لئے مناسب یہی ہے۔ کہ! خوفِ خدا کے سوا کوئی اور چیز غالب نہ ہو۔ نیز فرمایا۔ صوفیائے کرام کو خوفِ خدا ہی کی بدولت بلند مراتب و مقامات نصیب ہوئے ہیں۔ اگر (خدانخواستہ) وہ لوگ خوفِ خدا کو کھو دیتے ہیں۔ تو اپنے مراتب و مقامات سے گر جاتے ہیں۔ حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! خوف اور رجا نفسوں کے لئے دو لگاموں کا کام دیتے ہیں۔ تاکہ نفوس رعونت و تکبر اختیار نہ کریں۔ حضرت رابعہ عدویہ بصریہؒ کے متعلق امام عبدالوہاب الشعرانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ! وہ رونے اور غم کرنے والی تھیں۔ جب بھی عذابِ دوزخ کا ذکر سنتی تھیں۔ تو مارے ڈر کے بے ہوش ہو جایا کرتی تھیں۔ اور آپؒ کے سجدوں کی جگہ آنسوؤں کی کثرت سے چھوٹے چھوٹے گڑھے پڑ جاتے تھے۔ گویا کہ آپؒ یہ سمجھتی تھیں۔ کہ! آگ (دوزخِ نار) صرف میرے ہی لئے بنائی گئی ہے۔

☆ **وَجَل**۔ خوف کے میدان سے نکل کر چونتیسواں میدان ''وجل'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **و قلو بھم و جلہ** ۔ (ترجمہ) اور ان کے قلوب (دل) ڈرتے ہیں۔ (القرآن۔ 60:23) یاد رہے۔ کہ! وجل خوف سے زیادہ قوی ہے۔ وجل درحقیقت پاکبازانِ طریقت کا خوف ہے۔ جو کہ تین باتوں سے عبارت ہے۔ اپنی عبادت پر خوف۔ اپنے اوقات پر خوف۔ اپنی آرزوؤں پر خوف۔

بندے کا اپنی عبادت پر خوف تین باتوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ نیت کے بگڑ جانے سے۔ گناہ کی سزا سے۔ دشمن کے غلبہ سے۔

بندے کا اپنے اوقات پر خوف، ارادے میں تغیر، اخلاص میں انتشار یا دل میں پریشانی کے سبب سے ہوتا ہے۔

بندے کا اپنی آرزوؤں پر خوف سے مراد ناشائستہ امور کی طرف دھیان رکھنا ہے۔ یہ خوف عرفانِ باطن، بصیرتِ قلب اور روزِ ازل کے غم کے مطابق ہوتا ہے۔ اور ازل کے غم کی توجہ رکھنے سے دل بے قرار رہتا ہے۔ اور خواہشاتِ نفسانی کو فنا کر دیتا ہے۔ یہ خوف عابدوں کا ہے۔

☆ **رَھبَت**۔ وجل کے میدان سے نکل کر پینتیسواں میدان ''رہبت'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **و ایای فارھبون** ۔ (ترجمہ) اور پس تم (صرف اور صرف) مجھ سے ہی ڈرو۔ (القرآن۔ 40:02) رہبت ایسا خوف ہے۔ جو کہ وجل سے بھی بڑھ کر قوی ہے۔

اس خوف (رہبت) کی تین خوبیاں ہیں۔ یہ خوف انسان کے تعیش کو یکسر ختم کر دیتا ہے۔ اسے اہلِ جہاں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس خوف کے ہوتے ہوئے انسان دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے بیگانہ و منقطع ہو جاتا ہے۔

اس خوف (رہبت) کے تین نشانات ہیں۔ انسان اپنے ہر سانس کو سزا تصور کرے۔ ہر گفتگو کو شکایت پر محمول کرے۔ اپنے تمام اعمال کو گناہ سمجھے۔

اس خوف (رہبت) کے ہوتے ہوئے بندہ ہمیشہ اس تین احوال کے درمیان کوشاں رہے۔ اور سوزاں و غم زدہ رہے۔ آرزو ایسی ہو جیسے کہ حصولِ صحت کے لئے بیماروں کی ہوا کرتی ہے۔ اخلاص ایسا ہو۔ جیسے کہ حصولِ زندگی بوقت ڈوبنے والوں کی (جبکہ وہ گہرے سمندر میں ہوں۔ اور کنارہ بھی نظر نہ آرہا ہو) ہوا کرتی ہے۔ نیازمندی ایسی ہونی چاہئے۔ جیسے کہ گریہ زاروں کی ہوا کرتی ہے۔ یہ خوف زاہدوں کا ہوا کرتا ہے۔

☆ **اشفاق** ۔ رہبت کے بعد چھتیسواں میدان ''اشفاق'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **ان الذین ھم من خشیۃ ربھم مشفقون** ۔ (ترجمہ) یقیناً وہ لوگ کہ جو خشیتِ الٰہی سے ڈرنے والے ہیں۔ (القرآن۔ 57:23) شفاق سے مراد دائمی خوف کا ہونا ہے۔ یہ ایک ابرِ ضیاء بار ہے۔ یہ خوف دُعا کے سامنے کوئی حجاب، فراست کے سامنے کوئی رکاوٹ اور اُمید کے سامنے کوئی دیوار حائل نہیں رہنے دیتا۔ یہ خوف پامال اور ہلاک کرنے والا ہے۔ یہ جب تک قرآنِ پاک میں موجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت نہ سن پائیں۔ کہ! **الا تخافوا و لا تحزنوا** ۔ (ترجمہ) یہ کہ تم مت ڈرو اور نہ خوف کھاؤ۔ (القرآن۔ 31:41) بندہ چین نہیں لے پاتا۔ جس خوش بخت انسان کو اشفاق نصیب ہوا۔ قضاء و قدر اُس پر انعام و اکرام کرتے ہیں۔ اور اسی خوف (اشفاق) کے زوال کے خدشے سے اسے جلاتے رہتے ہیں۔ اور اس کے نور میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ اس کے قلب میں تغیر کا اندیشہ ڈال دیتے ہیں۔ اسے قربِ ذات سے ہمکنار کرتے ہیں۔ اس کے گوشۂ قلب میں عتابِ الٰہی کی ڈور ڈال دیتے ہیں۔ یہ خوف عارفین کا ہوا کرتا ہے۔

☆ **خشوع**۔ اشفاق کے میدان سے نکل کر سینتیسواں میدان ''خشوع'' کا نکلتا ہے۔ خشوع ایک ایسے خوف کا نام ہے۔ جو دل کو احترام کے باعث نرم کر دیتا ہے۔ اخلاق کو سنوار دیتا ہے۔ اور نگاہ کو ادب سکھا دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **الم یان للذین اٰمنوا ان تخشع قلو بھم لذکر اللہ** ۔ (ترجمہ) کیا اہلِ ایمان کے واسطے (ابھی تک وقت) نزدیک نہیں آیا؟ کہ ان کے قلوب یادِ خدا کے لئے عاجزی اختیار کریں۔ خشوع ایک ایسا خوف ہے۔ کہ جس میں بیدار قلبی اور فروتنی ہے۔ اس کے تین ابواب ہیں۔ معاملات میں ایثار و تحمل۔ خدمت میں عاجزی اور حضوری۔ سِر (راز) میں حیا اور تعظیم۔ معاملات میں ایثار تین باتوں سے عبارت ہے۔ گنہ گار اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ نیک لوگ اس سے مسرور رہتے ہیں۔ مخلوق اس سے آزاد رہتی ہے۔ خدمت

میں عاجزی اور حضوری کی تین علامات ہیں۔ وہ حلاوت ِایمان کہ جس کے باعث انسان بارگاہ خداوندی کے بغیر سکون نہ آئے۔ مقصودِ حقیقی کی طرف ایسی توجہ کہ جس کے سبب خلق کی طرف توجہ نہ کر سکے۔ اور گناہوں کو نظر میں اس طرح سے رکھنا۔ کہ خود کو کبھی نیکوکار نہ سمجھے۔ سِر (راز) میں حیا اور تعظیم تین باتوں پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہمیشہ اپنے قریب تر سمجھے۔ خود کو ذاتِ باری تعالیٰ سے دور سمجھے۔ اس کی ہر آزمائش کو عظیم سمجھے۔ درحقیقت یہ صدیقین کا خوف ہے۔

☆ **تَذَلُّل**۔ خشوع کے میدان سے اڑتیسواں میدان ''تذلل'' کا نکلتا ہے۔ تذلل سے مراد یہ ہے۔ کہ! اپنی نیاز مندی کے مطابق زندگی گزارنا۔ عجز و انکساری سے راہ حیات طے کرنا۔ رکشتِ زارِ حیات میں کونین کی عزت کا بیج بونا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **و عنت الوجوہ للحی القیوم** ۔ (ترجمہ) اس زندہ و قائم رہنے والے کے واسطے منہ ذلیل ہو گئے۔ (القرآن۔ 111:20) تذلل کی تین اقسام ہیں۔ امرِ الٰہی کی صداقت کو قبول کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا تذلل۔ توشۂ دل و تلاشِ حقیقت کے ساتھ ارادے کا تذلل۔ اسرارِ الٰہی سے اپنی آگاہی کا تذلل۔ قبولِ حکم کے تذلل کی تین علامات ہیں۔ علم میں رُغبت۔ ذکرِ الٰہی کی تمنا۔ باریک بینی۔ تذللِ قصد، جو کہ تلاشِ حقیقت کے ساتھ ہے۔ اس کے تین نشانات ہیں۔ کم گوئی۔ درویشوں سے محبت۔ فکرِ مدام۔ اسرارِ الٰہی سے متعلق تذللِ آگاہی کی تین علامات ہیں۔ ایسے سونا کہ جس طرح ڈوبنے والے سوتے ہیں۔ ایسے کھانا کہ جس طرح سے بیمار کھاتے ہیں۔ ایسے جینا کہ جس طرح قیدی زندگی گزارتے ہیں۔ یہ اہلِ استقامت کا طریق ہے۔

☆ **اِخْبَات**۔ تذلل کے میدان سے نکل کر انتالیسواں میدان ''اخبات'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **و بشر المخبتین** ۔ (ترجمہ) اور عاجزی کرنے والوں کو آپ خوش خبری دیں۔ (القرآن۔ 34:22) اِخبات سے مراد انسان کی نرم خوئی، اضطراب اور خوف ہے۔ وہ ایسی حقیقت ہے۔ کہ جس میں اخلاص کی چاشنی ہے۔ جو مخلوق کی معذوریوں سے آشنا ہے۔ اور جو بے نفس ہے۔ اخلاص کی چاشنی کے تین نشانات ہیں۔ دنیا کے ساز و سامان، تگ و دو اور اس کے فریب کاری کے غم سے نجات پانا۔ خدمتِ خلق پر مداومت، ہر لحہ یادِ الٰہی میں استغراق اور تصفیہ باطن کے لئے جدوجہد کرنا۔ دنیا، اہلِ دنیا اور ہر خاص و عام انسان کو اپنے (حقوق کی) ادائیگی سے باز رکھنا۔ یہ ابدالوں کا طریق اور اُن کی سیرت ہے۔

☆ **الباد**۔ اخبات کے میدان سے نکل کر چالیسواں میدان ''الباد'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **فاین تذھبون** ۔ (ترجمہ) پس تم کہاں جا رہے ہو۔ (القرآن۔ 26:81) الباد دراصل محبت و ہیبت کے باہمی امتزاج سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کے تین نشانات ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر توکل میں اسباب سے انقطاع۔ اس کے یقین میں دنیوی روابط کو ختم کر دینا۔ اس سے استواری محبت میں ہر حیلہ سازی کو فنا کر دینا۔

اسباب کے انقطاع کی تین علامات ہیں۔ اہلِ جہاں سے بے نیازی۔ مخلوقات سے وحشت۔ وصالِ ذات کی خاطر موت کا انتظار۔

روابط کے ختم ہونے کی تین نشانیاں ہیں۔ اپنی تدبیر سے نجات پانا۔ اپنے امتیازات سے بے نیازی۔ اسبابِ رزق سے فراغت۔

حیلہ سازی کا اختتام تین باتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ مقربین بارگاہ کا حال۔ عارفین کے لحات۔ اہلُ اللہ کے معارف۔

☆ **ھیبت**۔ الباد کے میدان سے نکل کر اکتالیسواں میدان ''ہیبت'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **یعلم ما فی انفسکم فاحذرو** ۔ (ترجمہ) جو کچھ تمھارے جی میں ہے۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ) جانتا ہے۔ پس اس سے ڈرو۔ (القرآن۔ 235:02) ہیبت اصفیاء کا مقام ہے۔ اور اوتاد کا درجہ ہے۔ ہیبت درحقیقت ایک ایسا خوف ہے۔ جو مشاہدے سے پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ! دیگر جملہ خوف تو شنید سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہیبت وہ حیرت ہے۔ جو کہ قلب میں برق کی مانند کوندتی ہے۔ اگر اُنسیت و محبت کی نسیم اس کے آگے نہ چلے۔ تو انسان کی روح میں اس کی برداشت کی تاب نہیں۔ یہ اکثر وجدان کے وقت طاری ہوتی ہے۔ جس طرح طورِ سینا کے دامن میں حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ پر ہیبتِ الٰہی جلوہ ریز ہوئی تھی۔ یاد رہے۔ کہ! ہیبت تہذیبِ نفس سے نہیں۔ بلکہ آگاہی سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس سے تین امور کی کشاد وابستہ ہے۔ سرورِ احوال۔ سالک کا اپنی ذات میں گم ہو جانا۔ ہوا و ہوس کا یکسر ناپید ہو جانا۔ اور یاد رہے۔ کہ! وہ ہیبت، جو کہ بصیرت سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ بندہ میں حکمت لاتی ہے۔ وہ ہیبت، جو کہ تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ بندہ میں فراست لاتی ہے۔ وہ ہیبت، جو کہ سماع سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ بندہ کے ہوش و حواس کو ختم کر ڈالتی ہے۔ یا وہ انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اسی لئے تو سماع سننے کے قواعد و ضوابط ہیں۔ نقصین کو جلا ڈالتی ہے۔ اور کاملین کو واصل باللہ کرتی ہے۔

☆ **فرار**۔ ہیبت کے میدان سے نکل کر بیالیسواں میدان ''فرار'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **ففروا الی اللہ** ۔ (ترجمہ) پس تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ کر آؤ۔ (القرآن۔ 50:51) اللہ تعالیٰ کی طرف فرار کے تین مفاہیم ہیں۔ حق تعالیٰ کی جانب بھاگ کر جانا ہے۔ اپنے وجود پر تردد اور انتشار کے دروازے کو بند کرنا ہے۔ اور کونین (دونوں جہانوں) سے رہائی پانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف فرار کے تین نشانات ہیں۔

اپنے اعمال سے کوئی اُمید وابستہ نہ کرنا۔ اپنے اخلاص کو موردِ الزام ٹھہرانا۔ خود کو عابد (عبادت گزار) سمجھنے سے توبہ کرنا۔

اسی طرح سے اپنے آپ پر تردد اور انتشار کے دروازے کو بند کرنا تین باتوں پر مبنی ہے۔ تمام جہان کو اپنا لینا۔ اپنی تدبیر سے کنارہ کش ہو جانا۔ اوامرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا۔ اسی طرح سے کونین (دونوں جہانوں) سے رہائی پانے کی تین علامات ہیں۔ ہر قسم کے خوف کو چھوڑ کر خلق سے انقطاع کے خوف پر اکتفا کرنا۔ ہر قسم کی نگہداشت کے بجائے اپنے اوقات کی نگہداشت کو ملحوظ رکھنا۔ ہر امید کو بالائے طاق رکھتے ہوئے محبوب کے دیدار کی امید سے سکون پانا۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

☆ **رجاء**۔ فرار کے میدان سے نکل کر تینتالیسواں میدان ''رجاء'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **یحذرو الاخرة ویرجوا رحمة ربه**۔ (ترجمہ) وہ آخرت سے ڈرتا ہے۔اور اپنے پروردگار کی رحمت کا اُمیدوار ہے۔(القرآن۔39:09) رجاء کا مفہوم اُمید کے ہیں۔کیونکہ! یقین کے دو ہی پَر ہیں۔پہلا **خوف**۔جبکہ دوسرا **اُمید**۔ اَب بھلا ایک پَر کے ساتھ کون پرواز کرسکتا ہے۔یاد رہے۔کہ! اُمید خدمت کی سواری ہے۔ یہ فکرونظر کے اجتہاد کا توشہ ہے۔ یہ عبادتِ الٰہی کا سازوسامان ہے۔ کیونکہ! ایمان کی مثال ترازو کے دونوں پلڑوں کے جیسی ہے۔ایک پلڑے میں خوف، جبکہ دوسرے میں اُمید ہے۔اور ان دونوں کی میزان دوستی کی زبان پر قائم ہے۔یہ دونوں پلڑے اخلاقِ عالیہ سے آویزاں ہیں۔(بقولِ شاعر)

مرغِ ایمان را دو پر خوف و رجا اَست　　　مرغ را بے پر پراندان خطا اَست

ایمان کے پرندے کے دو پر ہیں۔پرندے کو پر کے بغیر اُڑانا خطا ہے۔

رجا کی تین اقسام ہیں۔　**پہلی رجا**، اپنے نفس پرظلم کرنے والے گنہ گاروں کی سی ہے۔اس میں تین باتیں شامل ہیں۔

جرم سے صرفِ نظر۔　عیب چھپالینا۔　دشمن کو قبول کرلینا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **ویرجون رحمته و یخافون عذابه**۔(ترجمہ) وہ اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔(القرآن۔57:17) **دوسری رجا**، میانہ روی اختیار کرنے والوں کی ہے۔جو کہ تین باتوں سے عبارت ہے۔ گناہوں سے عفو و درگزر کرنا۔ طاعت کی قبولیت۔ لطف و کرم میں اضافہ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **یرجون تجارة لن تبور**۔(ترجمہ) وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں۔جو کبھی برباد نہ ہوگی۔(القرآن۔29:35) **تیسری رجا** سابقین (نیکیوں میں سبقت لے جانے والوں) کی ہے۔جو کہ تین باتوں پر مبنی ہے۔ ازلی نعمتوں سے بہرہ ور ہونا۔ دل کی زندگی میں برابر اضافہ ہونا۔ اپنے دل اور سرمایہ اوقات کی حفاظت۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **وترجون من الله مالا یرجون**۔(ترجمہ) اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ امید رکھتے ہو۔جو وہ نہیں رکھتے۔(القرآن۔104:04) یاد رہے۔کہ! جس نے اپنے نفس کو رجاء پر رکھا۔اس نے عمل چھوڑ دیا۔اور جس نے اپنے نفس کو صِرف خوف پر رکھا۔وہ مایوس ہو گیا۔لہٰذا انسان کو خوف ورجاء دونوں رکھنے چاہئیں۔کیونکہ! ایمان درحقیقت خوف اور اُمید کی درمیانی (ملی جلی) کیفیت کا نام ہے۔

اُمید و خوف میں کمالِ حضرت سیدنا صدیق اعظمؓ:

صاحب کتاب اللمع کہتے ہیں۔کہ حضرت مطرب بن عبداللہؓ بتاتے ہیں۔کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا! اگر آسمان سے کوئی آوازِ بلند صدا دے۔کہ جنت میں صِرف ایک آدمی ہی داخل ہوگا۔تو مجھے اُمید ہے کہ ایسا (جنتی) میں ہی ہوں گا۔اور اگر آسمان سے یہ آواز آئے۔کہ دوزخ میں صِرف ایک ہی شخص داخل ہوگا۔تو مجھے اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں وہ (نعوذ باللہ دوزخ میں جانے والا) میں نہ ہوں۔ حضرت مطربؓ فرماتے ہیں۔کہ بخُدا عظیم خوف اور عظیم اُمید کی اس سے بڑھ کر (کہیں) مِثال نہیں مِل سکے گی۔ مندرجہ بالا فرمانِ عالی شان کے ضمن میں مؤلفِ کتاب ہٰذا (البلوشی) ذی وقار قارئین کی خدمت اقدس میں نہایت ادب سے عرض پرداز ہے۔کہ بعض کتب کے مطابق یہ فرمانِ عالی شان اور یہ واقعہ جناب حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کا ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

قرآنِ حکیم میں ارشادِ رحمانی ہے۔کہ! **ان الذین اٰمنوا والذین هاجروا و جهدوا فی سبیل الله. اولٰئک یرجون رحمة الله.والله غفور رحیم**. (ترجمہ) بے شک جو لوگ ایمان لائے۔اور جنہوں نے ہجرت کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔تو وہ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔(سورہ بقرہ۔218) اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہجرت اور جہاد کرنے والوں کو اپنی رحمت کا اُمیدوار قرار دے دیا ہے۔نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **قل یٰعبادی الذین اسرفوا علٰی انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله . ان الله یغفر الذنوب جمیعا. انه هو الغفور رحیم**۔(ترجمہ) کہہ دوائے میرے وہ (خوش نصیب) بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کررکھی ہے (یعنی اپنے نفسوں کو دنیاوی خواہشات وآلائشوں سے پاک کررکھا ہے۔وہ خوش نصیب لوگ) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔یقین جانو۔اللہ تعالیٰ سارے کے سارے گناہ معاف کردیتا ہے۔(کیونکہ) یقیناً! وہ بہت بخشنے والا، مہربان ہے۔(سورہ الزمر۔53) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اُمید بڑھاتا ہے۔کہ وہ رحمتِ الٰہی سے قطعاً مایوس نہ ہوں۔نیز ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ! **یاٰیها الذین اٰمنوا اتقوا الله وابتغوا الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون**۔(ترجمہ) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ (کوئی رہبر ورہنما یا مرشد ومربی) تلاش کرو۔(جو تمھیں اللہ تعالیٰ تک پہنچادے۔اور معرفت الٰہی کا جام پلا سکے) اور اس کے راستے میں جہاد (جدوجہد) کرو۔امید ہے۔کہ! تمھیں فلاح حاصل ہوگی۔(سورہ مائدہ۔35) اسی طرح ایک اور جگہ آتا ہے۔کہ! **وادعوه خوفا و طمعا. ان رحمت الله قریب من المحسنین**۔(ترجمہ) اور اسے پکارو امید رکھتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے۔یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے۔(سورہ الاعراف۔56) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے اُن بندوں کو جو خوفِ الٰہی رکھتے ہیں۔اور امید کے بھی طلب گار رہیں۔انہیں یہ باور کراتا ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے بالکل قریب ہے۔اسی طرح ایسے لوگ، جو کہ اپنی غلطیوں اور گناہوں کے بعد پچھتائے۔اور اپنی جملہ غلطیوں اور گناہوں کا اعتراف کر کے نیکی اختیار کی۔اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ! **واخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا و اٰخر سیئا. عسی الله ان یتوب علیهم. ان الله غفور رحیم**۔(ترجمہ) اور کچھ تو وہ لوگ ہیں۔جنہوں نے اپنی

کوتاہیوں کا اعتراف کرلیا۔انہوں نے ملے جلے عمل کئے ۔کچھ نیک کام اور کچھ بُرے کام ۔اُمید ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول کرلے گا۔(کیونکہ) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، مہربان ہے۔(سورہ توبہ ۔102) جو اللہ تعالیٰ کی اُمید اور رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کا بہت ہی سخت فیصلہ ہے۔جس کا اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں برملا اظہار فرماتا ہے۔ **ولا تیئسوا من روح اللہ. انہ لا یا یئس من روح اللہ الا القوم الکٰفرون** ۔(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔یقین جانو! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے تو وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں۔جو کافر ہیں۔(سورہ یوسف ۔87) ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔کہ! **ومن یقنط من رحمۃ ربہ الا الضا لون** ۔(ترجمہ) اپنے پروردگار کی رحمت سے گمراہ لوگوں کے سوا بھلا کون نا اُمید ہوسکتا ہے۔(سورہ الحجر۔56) اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے۔کہ! جو لوگ گمراہ ہیں۔صرف وہی رحمتِ خداوندی سے نا امید ہوسکتے ہیں۔ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت اور وحدانیت کا لوگوں کو یقین دلاتے ہوئے اُمید دلاتا ہے۔کہ! **انما الھکم الہ واحد. فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا** ۔(ترجمہ) تم سب (جملہ موجودات انس وجن وحوش وطیور وغیرہم) کا معبود بس ایک خدا ہی تو ہے۔کسی کو اپنے مالک سے جا ملنے کی امید ہو۔تو اسے چاہیئے۔کہ! وہ نیک عمل کرے۔اور اپنے مالک کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہ ٹھہرائے۔(سورہ الکھف۔110)

احادیث میں بھی امید کے متعلق نبی مکرم ﷺ کے فرمودات موجود ہیں۔جیسے کہ! حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا۔کہ! حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال حبشیؓ سے فجر کے وقت پوچھا۔کہ اے بلالؓ! مجھے اپنا سب سے زیادہ اُمید والا نیک کام (عملِ صالح) بتاؤ۔جسے تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہے۔کیونکہ مَیں نے جنت میں اپنے آگے تمھارے جوتوں کی چاپ سنی ہے۔حضرت بلال حبشیؓ نے عرض کیا۔مَیں نے تو اپنے نزدیک اس سے زیادہ اُمید کا کوئی کام نہیں کیا۔کہ جب مَیں نے رات یا دن میں کسی بھی وقت وضو کیا۔تو میں اس وضو سے نفل (صلوۃ الوضو) نماز پڑھتا رہتا۔جتنی میری تقدیر لکھی گئی تھی۔(صحیح بخاری شریف) حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا۔کہ! حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔کہ! جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں دو چیزیں خرچ کرے گا۔اسے فرشتے جنت کے دروازوں سے بلائیں گے۔کہ اے اللہ کے بندے! یہ دروازہ اچھا ہے۔پھر جو شخص نمازی ہوگا۔اسے نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا۔جو مجاہد ہوگا۔اسے جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا۔جو روزہ دار ہوگا۔اسے باب الریان سے بلایا جائے گا۔اور جو زکات ادا کرنے والا ہوگا۔اسے زکات کے دروازے سے بلایا جائے گا۔اس پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ نے پوچھا۔میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔یارسول اللہ ﷺ! جو لوگ ان دروازوں سے بلائے جائیں گے۔مجھے ان سے بحث نہیں۔آپ ﷺ یہ فرمائیں۔کہ کیا کوئی ایسا بھی ہوگا؟ جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ! ہاں۔اور مجھے اُمید ہے۔کہ! آپؓ بھی انہیں میں سے ہوں گے۔(صحیح بخاری شریف) ایک صاحب نے حضرت رسولِ کریم ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا۔کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ! تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔کچھ بھی نہیں۔سوائے اس کے۔کہ مَیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ پھر تمھارا حشر بھی انہیں کے ساتھ ہوگا۔جن سے تمھیں محبت ہے۔حضرت انسؓ نے بیان کیا۔کہ ہمیں کبھی (بھی) اتنی خوشی کسی بھی بات سے نہیں ہوئی۔جتنی آپ ﷺ کی یہ حدیث سن کر ہوئی۔کہ تمھارا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا۔(کہ) جن سے تمھیں محبت ہے۔حضرت انسؓ نے کہا۔کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ سے اور حضرات ابو بکر صدیقؓ وعمر فاروقؓ سے محبت رکھتا ہوں۔اور ان سے اپنی اس محبت کی وجہ سے اُمید رکھتا ہوں۔کہ میرا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا۔اگرچہ میں ان جیسا عمل نہ کرسکا۔(صحیح بخاری شریف) اس کے علاوہ بھی مختلف احادیث نبویہ ﷺ میں گناہ گاروں کو توبہ کرنے کی برکت سے مغفرت کی اُمید دلائی گئی ہے۔

☆ **طلب**۔ رجا کے میدان سے نکل کر چوالیسواں میدان "طلب" کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **یبغون الی ربھم الوسیلۃ اقرب** ۔(ترجمہ) وہ اپنے پروردگار کی طرف کسی وسیلے کے آرزومند ہیں۔(کہ) ان میں کون سا نزدیک تر ہے۔(القرآن ۔57:17) طلب سے مراد تلاش اور کوشش ہے۔اس کی تین قسمیں ہیں۔طلبِ آزادی۔ طلبِ ثواب۔ طلبِ حق متعال۔ طلبِ آزادی درج ذیل امور سے کی جاتی ہے۔ قطع تعلق کے دکھ سے۔ عذابِ الٰہی کی شرمساری سے۔ حجابات کی ذلت سے۔ لیکن طلبِ ثواب، جو کہ حصولِ بہشت، گناہوں سے معافی اور ابدی مسرت کی طلب ہے۔یہ طلب مجاہدین کی ہے۔ طلبِ حق تعالیٰ، جو کہ ایک عظیم ترین کام (اَمر) ہے۔اس میں دنیا و آخرت کو تیاگ دینا (یعنی ترک کردینا) ہے۔ہر چند کی عام لوگ اسے بے کاری اور ہرزہ سرائی پر محمول کرتے ہیں۔ (یاد رہے۔کہ!) پہلے کسی مقصد کو پانے پانے کے لئے تلاش کیا جاتا ہے۔پھر بالآخر اُسے پالیا جاتا ہے۔مگر طالبانِ حق پہلے ذاتِ حق کو پالیتے ہیں۔پھر اس کی تلاش شروع کردیتے ہیں۔ذاتِ باری تعالیٰ کے یہ طلب گار نہایت مکرم و معزز ہیں۔اس بات کو خوب اچھی طرح سے سمجھنا چاہیئے۔کیونکہ! اسی میں ایک بہت بڑا راز مضمر ہے۔اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جاننے والا ہے۔

☆ **رُغبت**۔طلب کے میدان سے نکل کر پینتالیسواں میدان "رُغبت" کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و یدعو ننا رغبا و رھبا** ۔(ترجمہ) اور وہ ہمیں رغبت اور ڈر سے پکارتے تھے۔(القرآن ۔09:21) رغبت کا معنیٰ کسی چیز کی طرف التفاتِ توجہ کرنا۔اور اس سے مراد کسی چیز کا خریدنا ہے۔یاد رہے۔کہ! رغبت اور رہبت ایمان کے دو قدم ہیں۔جن سے لوگ چلتے ہیں۔اس لئے کہ ایک قدم سے چلنا محال ہے۔جبکہ دوستی ایمان کا سر (راز) ہے۔رغبت کرنے والے تین قسم کے افراد ہیں۔ اس کائنات کی طرف رغبت کرنے والے، جو کہ ہمیشہ آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں۔ آخرت کی طرف رغبت کرنے والے، جو کہ ہمیشہ فکر و عمل کے اجتہاد میں مستغرق رہتے ہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والے، جو کہ ہمیشہ عجز و انکساری میں خود کو فنا کئے

رکھتے ہیں۔ اس کائنات کی طرف رغبت کرنے والوں کی اصل تین باتوں پر مبنی ہے۔آرزوؤں کا طویل سلسلہ۔ علم کی کمی۔ دل کی موت۔ آخرت کی طرف رغبت کرنے والوں کی اصل تین باتوں پر مبنی ہے۔ آرزوؤں میں کمی۔ علمِ الٰہی کا نور۔ دل کی زندگی۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والوں کی اصل تین باتوں پر مبنی ہے۔ندائے ازلی کا قبول کرنا۔ تمنائے دل کی شکست ورغبت۔ سرِ الٰہی کی حرمت کا لحاظ۔

☆ **مواصلت۔** رغبت کے میدان سے نکل کر چھیالیسواں میدان ''مواصلت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **واسجد وا قترب** ۔(ترجمہ) آپ سجدہ کریں۔اور قربِ خداوندی حاصل کریں۔(القرآن۔**19:96**) مواصلت دراصل لفظ وصل سے متخرج ہے۔وصل کا معنیٰ ملاپ یا ملنا کے ہیں۔اور مواصلت سے مراد قریب ترین یا ساتھ ہو جانا ہے۔مواصلت کی تین اقسام ہیں۔ مواصلتِ عذر، جو کہ قبولِ حق کے ساتھ ہے۔ مواصلتِ جُہد، جو کہ تائیدِ ایزدی کے ساتھ ہے۔ مواصلتِ دوست داری، جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے ساتھ ہے۔ مواصلتِ عذر، جو کہ قبولِ حق کے ساتھ ہے کے تین نشانات ہیں۔افعال میں برکاتِ خداوندی کا ظہور۔ طبیعت میں سکون۔ دل میں شادمانی۔ مواصلتِ جُہد، جو کہ تائیدِ ایزدی کے ساتھ ہے کی تین علامات ہیں۔اسرارِ الٰہیہ کے ساتھ ظہورِ برکات۔دلوں میں قبولیت۔اجابتِ دُعا۔ مواصلتِ دوست داری، جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے ساتھ ہے۔جو کہ تین باتوں پر منہج ہوتی ہے۔ ہر سانس پر ظہورِ برکات۔ بلند ہمتی۔ حکمت کی کشائش۔

☆ **مداومت۔** مواصلت کے میدان سے نکل کر سینتالیسواں میدان ''مداومت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **حٰفظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطٰی** ۔(ترجمہ) تمام نمازوں کی محافظت کرو۔اور (خصوصی طور پر) درمیانی نماز کی۔(القرآن۔**228:03**) مداومت سے مفہوم دائمی نگہداشت ہے۔اور اس سے مراد اپنے مقصود میں قیام کرنا ہے۔مداومت کی تین اقسام ہیں۔ اپنے جسم کو ہمیشہ درد وغم کا عادی رکھنا۔ اپنی زبان کو ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنا۔ اپنے سر(راز) کا ہمیشہ ضبطِ احوال کرنا۔ اپنے جسم کو ہمیشہ درد وغم کا عادی رکھنے والوں کی تین اقسام ہیں۔اُمیدِ کرم پر عبادت کرنے والا، جو کہ بیداری دل کے ساتھ ہے۔ خوفِ خدا سے زُہد اختیار کرنے والا، جو کہ نیازمندی کے ساتھ ہے۔ مہر و وفا پر تکیہ کرنے والا عارفِ حق، جو کہ ندامت کے ساتھ ہے۔ اپنی زبان کو ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنے والوں کی تین اقسام ہیں۔ عذر پیش کرنے والا، جو کہ ملول رہتا ہے۔ حاجت طلب کرنے والا، جسے ہر وقت بے قراری لاحق رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور آنحضرت نبی مکرم ﷺ پر درود وسلام پڑھنے والا، جو کہ حلاوتِ ذِکر سے سرشار رہتا ہے۔ اپنے سر(راز) کا ہمیشہ ضبطِ احوال کرنے والوں کی تین اقسام ہیں۔فکر کرنے والا کہ اعتماد جس کے ہمراہ ہو۔ اس کی نعمتوں کو یاد کرنے والا کہ اخلاق جس کا رفیق ہو۔ اسرارِ ربانی کا مشاہدہ کرنے والا کہ عجز وانکساری جس کے ہمدم ودمساز ہو۔

☆ **خـطـرت۔** مداومت کے میدان سے نکل کر اڑتالیسواں میدان ''خطرت'' کا میدان نکلتا ہے۔دل کے لئے خطرت اس طرح سے ہے۔جس طرح جسم کے لئے سانس لینا اور آنکھ کے لئے پلک جھپکانا۔ خطرت تین قسم کے احوال میں رونما ہوتی ہے۔غفلت میں۔بیداری میں۔صفائے باطن کی پاکیزگی میں۔ وہ خطرت، جو کہ غفلت سے متعلق ہے۔اس میں تین قسم کی تکالیف ہیں۔ وقت برباد ہو جاتا ہے۔دل پر حجاب چھا جاتے ہیں۔ انسان پر شیطان کی دسترس چھا جاتی ہے۔ وہ خطرت، جو کہ بیداری کے ساتھ مربوط ہے۔اس کی تین برکات ہیں۔ ہوا وہوس میں کمی۔ دشمن (نفس وشیطان) کی ذات ونگو نساری۔ خوش وقتی کا حصول۔وہ خطرت، جو کہ صفائے باطن کی پاکیزگی سے منسوب ہے۔اس سے تین قسم کے انعامات حاصل ہوتے ہیں۔ علم میں مشغولی۔ حقیقت سے ربط وضبط۔ اللہ تعالیٰ کی طرف کامل رجوع۔جو لوگ اس خطرت (صفائے باطن کی پاکیزگی) سے باہر ہیں۔وہ درحقیقت محلِ خطرت میں ہیں۔

☆ **ہمت۔** خطرت کے میدان سے نکل کر انچاسواں میدان ''ہمت'' کا میدان نکلتا ہے۔ارشادِ باری ہے۔کہ! **قد یعلم ما انتم علیہ** ۔(ترجمہ) یقیناً اللہ تعالیٰ (وہ سب) جانتا ہے۔جس (قول وفعل) پر تم ہو۔(القرآن۔**64:24**) ہمت سے ایسی آرزو مراد ہے۔جو کہ دل کے شایانِ شان ہو۔ساری کائنات کی ہمتیں تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم دنیوی امور میں ہمت کی ہے۔جس میں بیگانگی کی آمیزش ہے۔اس میں انسان کے علم کا مرکز حصولِ دنیا رہ جاتا ہے۔اسے اپنی آرزوؤں کی غایت سمجھتا ہے۔اس کے لئے (حصولِ دنیا) چکی کے میخ کی طرح اس کی مساعی کا محور بن جاتی ہے۔اس سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ دوسری قسم عقبیٰ میں ہمت کی ہے۔جو کہ فلاح ونجات کی پیامی ہے۔مرد کے ہاتھ میں اس کی زمام ہے۔دل پر اس کا عنوان مرقوم ہے۔اور وہ زمانے میں اس کی یادگار ہے۔ ہمت کی تیسری قسم حصولِ ذات سے متعلق ہے۔اور وہ کامیابی کی بشارت ہے۔اس ہمت میں مرد کے لئے تین نشانیاں ہیں۔ایک در کی نیازمندی کے سبب ہر قسم کے احتیاج سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ایک قید میں ڈال کر تمام جہاں کی قیود سے آزاد کرا دیتی ہے۔خلق کے دروازوں کے بجائے ایک ہی آستانے پر مقیم کرا دیتی ہے۔ ہر شخص کی ہمت کے مطابق اس کی قدر وقیمت ہے۔ہمت اَزل سے انسان کا امتیازی نشان ہے۔اور **ابد** پر اس کی مہر ہے۔

☆ **رعایت ۔** ہمت کے میدان سے نکل کر پچاسواں میدان ''رعایت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ ربانی ہے۔کہ! **فما رعوھا حق رعایتھا** ۔(ترجمہ) پس انہوں نے اس کی رعایت نہ کی۔کہ جس طرح کہ رعایت کا حق تھا۔(القرآن۔**27:57**) رعایت کی جدوجہد راست بازی ہے۔

اہلِ حق کی رعایت سے مراد تین چیزیں ہیں۔ رعایتِ ہمت۔ رعایتِ وقت۔ رعایتِ سر(راز)۔ رعایتِ ہمت یہ ہے۔کہ! یقین کو گمان سے نہ بدلا جائے۔ الہام میں وسوسے کی آمیزش نہ کی جائے۔ فراست کو تدبیر سے جدا کر سکے۔ رعایتِ وقت یہ ہے۔کہ! علائقِ دنیوی سے ننگ وعار محسوس ہو۔ اپنے لئے فراہمیٔ اسباب سے دریغ کیا جائے۔ ہر سانس یادِ الٰہی میں گزارا جائے۔ رعایتِ سر(راز) یہ ہے۔کہ! خود کو آرزوؤں کے حوالے نہ کیا جائے۔

اپنے آپ کو مکر و فریب کے مابین نہ پھنسائے۔ پَل بھر کے لئے بھی حضورِ حق سے پیچھے نہ ہٹے۔

☆ **سکینہ** رعایت کے میدان سے نکل کرا کیاونواں میدان ''سکینہ'' کا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **ھو الذی انز ل السکینۃ فی قلوب المؤ منین**۔(ترجمہ) وہ ذاتِ باری تعالیٰ کہ جس نے اہلِ ایمان کے قلوب میں تسکین نازل فرمائی۔(القرآن۔**04:48**) سکینہ سے مراد وہ آرام وسکون ہے۔جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء (دوستوں) کے قلوب پر اُتارا ہے۔اور وہ سکینہ دلوں کے لئے آزادی (کی نوید وبشارت) ہے۔یاد رہے۔کہ! سکینہ دل تین مقامات میں میسرآتا ہے۔ توحید میں۔ خدمت میں۔ یقین میں۔ سکینہ توحید (درحقیقت) دل پر تین عمل کرتا ہے۔

قیامت کے ناآزمودہ روز کا خوف۔ امکانی ادراک تک عرفانِ خداوندی۔ اللہ تعالیٰ سے بن دیکھے محبت کرنا۔ خدمت میں سکینہ تین اثرات مرتب کرتا ہے۔ انسان دل سے سنتِ نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہو۔تا آنکہ متاعِ قلیل کے ساتھ ہی تو انگر ہوگیا۔(جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمان کا مفہوم ہے۔کہ! مَیں نے جب سے اپنی ضروریات کو کم کرلیا ہے۔مَیں امیر ہوگیا ہوں) اعتماداس پر کیا۔جو کہ واقعتاً اس کا صحیح اہل تھا۔چنانچہ وساوس سے آزاد ہوگیا۔ اس نے خلق کو فراموش کردیا۔جس کے باعث وہ ریا سے بچ گیا۔ یقین میں سکینہ کے تین نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ وہ دل سے قسامِ ازل کی تقسیم پر راضی ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس نے ہر قسم کی حیلہ سازی سے آسودگی حاصل کرلی ہے۔ اس نے سود و زیاں کو ایک ہی مقام سمجھا۔تا آنکہ ہر احتیاط سے فارغ ہوگیا۔ اس نے کارسازِ حقیقی کو اختیار کرلیا۔جس نے اسے تمام علائق سے نجات بخشی۔

☆ **طمانینت**۔ سکینہ کے میدان سے نکل کر باونواں میدان ''طمانیت'' کا ہے۔قرآنِ حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **یا یتھا النفس المطمئنۃ۔ا رجعی الی ربک راضیۃ مر ضیۃ**۔ (ترجمہ) اے اطمینان پاجانے والے نفس! تو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آ۔کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے راضی ہے۔(القرآن۔**89 : 27-28**) سکون اور اُنسیت کے باہمی امتزاج کو طمانیت کے مفاہیم میں استعمال کیا جاتا ہے۔طمانیت تین طرح کی ہوتی ہے۔ نقد پر طمانیت۔ اُمید پر طمانیت۔ محبت پر طمانیت۔ نقد پر طمانیت کی تین اقسام ہیں۔ غافلین کو یہ طمانیت حصولِ دنیا سے میسرآتی ہے۔عقلمند لوگ اس طمانیت کو تجربات سے حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ! مخلصین کی یہ طمانیت خود ضامن ہوتی ہے۔اُمید پر طمانیت تین قسم کے لوگوں کے دل میں بسی ہوئی ہوتی ہے۔ محنت سے سرشار انسان۔ انتظار کرنے والے۔ ہر مایوس آدمی۔ محبت پر طمانیت کے تین نشانات ہیں۔ اپنے (دنیوی یا گھریلو) اُمور کے بجائے مولا کریم کے کام میں مشغولی۔ حق متعال کی ہمہ وقت یاد میں مشغولی۔ ربِ متعالی کی محبت میں ذاتی محبت کا انقطاع۔

☆ **مراقبت**۔طمانیت کے میدان سے نکل کر ترپنواں میدان ''مراقبت'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **یسبحون اللیل وا لنھار لا یفترون**۔(ترجمہ) روز وشب (مقربین حضرات) اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے کرتے نہیں رُکتے۔(القرآن۔**20:21**) مراقبت (یعنی نگہداری) کوشش کے ساتھ ہے۔اور وہ تین چیزوں سے عبارت ہے۔ مراقبتِ خدمت۔ مراقبتِ وقت۔ مراقبتِ سر (راز)

مراقبتِ خدمت تین چیزوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ امرِالٰہی کی تعظیم۔ سنتِ نبوی ﷺ کا علم۔ ریا کی پہچان۔

مراقبتِ وقت تین باتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ نفسانی خواہشات کی فنا۔ احوال کی صفائی۔ غلبہء محبت۔

مراقبتِ سر (راز) تین باتوں سے نصیب ہوتی ہے۔ دنیا سے یکسوئی۔ اپنی ذات سے رہائی۔ ماسوا اللہ کی محبت سے کنارہ کشی۔

☆ **احسان**۔مراقبت کے میدان سے نکل کر چونواں میدان ''احسان'' کا نکلتا ہے۔احسان کا درست ترین مفہوم آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے حضرت جبرائیلِ امینؑ کے جواب میں فرمایا تھا۔کہ! **اَلاِ حۡسَانُ اَنۡ تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُنۡ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ**۔(ترجمہ) احسان یہ ہے۔کہ! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو۔گویا تم اسے (یعنی ربِ متعال کو) دیکھ رہے ہو۔پس اگر تم اسے (یعنی ربِ متعال کو) نہیں دیکھ سکے۔(تو پھر کم از کم یہی خیال کرو۔کہ) بے شک وہ تو تمھیں دیکھ ہی رہا ہے۔(صحیح بخاری۔سنن ابوداؤد۔سنن نسائی) بقول امام نوویؒ! ایسی حالت وکیفیت میں، بندہء خدا اپنی عبادت کو پورے کمال کے ساتھ انجام دے گا۔(ان شاء اللہ) اور اس کے ظاہری و باطنی خیالات وتصورات پاکیزہ ہوکر مکمل طور پر خشوع و خضوع پر گامزن ہوجائیں۔الغرض یہ کہ! عبادت کی اس اعلیٰ درجے کی حالت وکیفیت پر بجاآوری درحقیقت اس کے ایمان واسلام کی راہ کو احسان سے تعبیر کیا جائے گا۔(واللہ والرسول اعلم بالصواب) لیکن اگر ہم مذکورہ حدیث (جو کہ پہلے ایمان پھر اسلام اور آخر میں احسان پر مشتمل ہے) کو بغور مطالعہ کرکے ملاحظہ کریں۔تو ہم اس نتیجے پر جاپہنچیں گے۔کہ! مرتبہ احسان ،انسان کو ایمان اور اسلام کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے۔جب تک کسی میں ایمان اور اسلام مجتمع نہ ہوجائیں۔وہ مقام ومرتبہ احسان تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا۔جبکہ احسان کے اصطلاحی معنیٰ یہ ''عمدگی وخوبصورتی'' کے ہیں۔

احسان کے مقام ومرتبہ کے حصول میں سب سے پہلے تین قسم کے خوش نصیب افراد سرفراز ہوتے ہیں۔ جو اپنی زندگی کو چھوڑ کر دریائے توحید میں مستغرق ہوں۔ جو لوگ ہیبتِ الٰہی میں سرمست وسرشار رہتے ہوں۔ جو وجد وحال میں ہمہ وقت وارفتہ ہوں۔ ان کے عزم میں ہوائے نفسانی باقی نہیں رہتی۔ جمیعتِ باطن میں اسباب گم ہیں۔انتشار ان کے وجد میں مدغم ہے۔جسم سربسر سماعت بن جاتا ہے۔ زبان پر ہر آن ذکرِ الٰہی جاری رہتا ہے۔ دل میں سوز وگداز رہتا ہے۔(اس مقام ومرتبہ پر پہنچ کر) جس خوش نصیب نے چشمِ قلب سے جس چیز کو دیکھ لیا۔تو اسے یقیناً جان لیا۔کہ! اسے واقعی عیاں دیکھا۔کیونکہ! اس سے کدوراتِ بشر زائل ہوگئیں۔اس پر ہوا ہوس کا سلسلہ سرد پڑ گیا۔اور اس نے بلاآخر علائقِ دنیوی کے تکلفات سے نجات پائی۔

☆ **ادب**۔ احسان کے میدان سے نکل پچپنواں میدان ''اَدَبْ'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **والحٰفظون لحدود الله** ۔(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے لوگ۔(القرآن۔112:09) اب حدود کے اندر زندگی گزارنا اور درست اندازے سے قدم رکھنا ہے۔ جو کہ تین باتوں میں ہے۔ادبِ خدمت میں۔ادبِ معرفت میں۔ادبِ معاملات میں۔ خدمت میں اَدَب تین باتوں سے متعلق ہے۔اس میں اجتہاد اور تکلف نہیں۔ اس میں احتیاط اور وسوسہ انگیزی نہیں۔ اس میں دیدہ دلیری اور سلہ نگاری نہیں۔ معرفت میں اَدَب تین باتوں سے عبارت ہے۔اس میں خوف اور مایوسی نہیں۔اس میں آرزو اور سلامتی مقصود نہیں۔بے باکی اور شوخی نہیں۔ معاملات میں اَدَب تین باتوں سے متعلق ہے۔اس میں نرمی و چاپلوسی نہیں۔درشتی اور مخاصمت نہیں۔احسان کی نمود اور لاف زنی نہیں۔ (یاد رہے۔کہ! خانقاہی نظام میں اَدب سب سے پہلی سیڑھی ہوتی ہے)

☆ **تمکُّن**۔اَدَبْ سے نکل کر چھپنواں میدان ''تمکن'' کا نکلتا ہے۔تمکن سے مراد یہ ہے۔کہ! نیک عمل یا امر کا سرانجام دینا بندے کا مَلکہ بن جائے۔اور تگ و دو کا تکلف اس سے چھوٹ جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ!**ولا یستخفنک الذین لا یو قنون** ۔(ترجمہ) اور وہ لوگ جو یقین نہیں لاتے آپ ان کو سبک نہ کردیں۔(القرآن۔60:30) تمکن کو تین مقامات میں تین باتوں میں تلاش کرنا چاہیئے۔اپنی عادت سے۔اپنے جسم سے۔اپنے قلب سے۔ عادت کا تمکن تین احوال میں واقع ہے۔ خوف میں۔ غصہ میں۔ کسی حاجت میں۔

جسم کا تمکن تین احوال میں ہے۔ بیماری میں۔ غربت میں۔ درویشی میں۔

قلب کا تمکن تین امور میں ہے۔ گمان میں۔ تمیز میں۔ ہمت میں۔

☆ **حرمت**۔تمکن کے میدان سے نکل کر ستاونواں میدان ''حُرمت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **ما لکم لا ترجون وقارا** ۔(ترجمہ) کیا ہے تمھیں کہ! تم اللہ تعالیٰ سے بزرگی کا اعتقاد نہیں رکھتے۔(القرآن۔13:81)

حرمت سے مراد، حیاء کرنا ہے۔اور وہ تین طرح کی ہے۔ احترامِ خدمت کے لئے۔ احترامِ ذکر کے لئے۔ احترامِ سر کے لئے۔

احترامِ خدمت کی تین نشانیاں ہیں۔ دین کی خدمت کو عیشِ فراواں سمجھا جائے۔مولا کریم کی طرف سے بندہ کی ہدایت پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ بندہ اپنے نفس کو گنہگار ٹھہرائے۔اور اسے عیب ناک گردانا جائے۔ احترامِ ذِکر کے تین نشان ہیں۔بندہ یادِ خدا میں خرافات کی آمیزش نہ کرے۔اللہ تعالیٰ کو حضورِ قلب کے بغیر یاد نہ کرے۔بندہ رب کا ہو جائے۔تاکہ خود ہی اس کا مظہر کہلا سکے۔ احترامِ سر (راز) کے بھی تین نشانات ہیں۔ اگر بندہ ڈرتا ہے۔تو محبت اختیار ہی نہ کرے۔اگر بندہ امیدوار ہے۔تو حق کو نہیں پا سکے گا۔ اگر بندہ سے کوئی گستاخی ہو جائے۔تو ہمیشہ تعظیم کو پیشِ نظر رکھے۔

☆ **غیرت**۔ حرمت کے میدان سے نکل کر اٹھاونواں میدان ''غیرت'' کا نکلتا ہے۔غیرت سے مراد کسی چیز پر رشک کرنا ہے۔کہ اس کے متبادل دوسری چیز کا وجود نہیں ہوتا۔جبکہ غیرت کا مفہوم ہے شرم کرنا۔عموماً تین چیزیں قابلِ رشک ہوا کرتی ہیں۔ عمر۔قلب۔وقت۔

عمر ایک دکان کی مانند ہے۔عقل اس کی زیب و زینت، دین اس کا سرمایہ اور مومن تاجر ہے۔عمر جو حصہ گزر چکا ہے۔وہ تاوان ہے یا پھر دکھوں کا علاج۔ جو سانس ہم میں موجود ہے۔وہ ہدیہ ہے یا درِداغ۔ زندگی کا جو حصہ بقایا ہے۔وہ زہر ہے یا تریاق۔ دل انسان کا خزانہ ہے۔شیطانِ لعین اس کا دشمن ہے۔ دل کی نگہداشت قفل کی مانند ہے۔اور مومن اس کا محتاج ہے۔ نفس میں جس قدر کمی واقع ہوگی۔دل کی آب و تاب اور رعنائی میں اُسی قدر اضافہ ہوگا۔ دنیا میں جس قدر اضافہ ہوگا۔انسان کی قدر و قیمت اپ تنی ہی گر جائے گی۔انسان دنیا کا جس قدر دعوے دار ہوگا۔اس کا اصل سرمایہ اُتنا ہی زائل ہوگا۔ وقت کو اگر ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔تو ہر ساعت خود انسان سے غائب ہے۔ جس شخص نے وقت کو اپنے وجود کی آرائش پر صَرف کیا۔رائیگاں گزار دیا۔یہ انسان کے قاتل سے بھی زیادہ بڑا اور قوی دشمن ہے۔جس نے انسان کے اوقات کی قدر افزائی کی۔وہ اس کے آباء سے بڑھ کر اس کا محسن ہے۔ صاحبِ وقت کے نزدیک وقت کونین سے زیادہ معزز ہے۔

غیرت کا معانی و مفہوم تقریباً شرم کے زمرے میں آتا ہے۔غیرت درحقیقت دو طرح پر ہے۔ایک خلق سے۔جبکہ دوسری حق سے۔ غیرت از خلق تو یہ ہے۔کہ! بندہ اپنے گناہوں پر ہمیشہ شرمندہ ہو۔اور کبھی بھی کسی کی حق تلفی اور دل آزاری نہ کرے۔اور نہ ہی کسی کی حدود پر تجاوز کرے۔ جبکہ! غیرتِ حق یہ ہے۔کہ! حق تعالیٰ کے اسرار و رموز کو دائمًا مخفی رکھے۔اور اس کے مقبولین اور اولیاء کا تہہ دل سے مؤدب رہے۔

☆ **جمع**۔غیرت کے میدان سے نکل کر انسٹھواں میدان ''جمع'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ!**ثم ذرھم فی خو ضھم یلعبون** ۔(ترجمہ) پھر آپ ان کو ان کے مشغلے میں بے ہودگی کے ساتھ رہنے دیجئے۔(القرآن۔91:06)

جمع سے مراد تین چیزوں سے نجات پانا ہے۔ دل کے انتشار (جمعیتِ قلب) سے۔نیت کے فتور سے۔ وقت کے تفرقہ سے۔

جمعیتِ قلب کے تین نشانات ہیں۔ پسندیدہ امور میں اضافہ۔ خلق سے وحشت۔ زندگی سے ملال۔

نیت کے سکون کی تین علامات ہیں۔ خدمت سے لطف اندوزی۔ آرزوئے علم۔ اپنے ارادے کی موافقت۔

جمعیتِ وقت کے تین نشانات ہیں۔ دُعا میں حلاوت۔ حکمت کا ظہور۔ فراست کی درستگی۔

☆ **انقطاع**۔ جمع کے میدان سے نکل کر ساٹھواں میدان ''انقطاع'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **وقال انی مھا جرا الی ربی** ۔(ترجمہ) بے شک! مَیں اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔(القرآن۔22:29) انقطاع سے مراد ماسوا اللہ سے اجتناب اور حق ست

وصول ہے۔ واصلین ذات جو ما سوا سے منقطع ہیں۔ وہ تین احوال کے باعث ہیں۔ بامرِ مجبوری۔ جہد وکوشش سے۔ کلی طور پر۔

بامرِ مجبوری منقطع ہونے والوں کی تین نشانیاں ہیں۔ نفس کا مردہ ہونا۔ قلب کا زندہ ہونا۔ زبان کا کھل جانا۔

جہد وکوشش سے منقطع ہونے والوں کی تین علامات ہیں۔ جسم محنت سے۔ زبانِ ذکرِ الٰہی میں۔ زندگی یکسر تگ ودَو میں۔

کلی طور پر منقطع ہونے والوں کی تین نشانیاں ہیں۔ خلق سے دوری۔ اپنی ذات سے بیگانگی۔ علائق سے آسودگی۔

☆ **صدق**۔ انقطاع کے میدان سے نکل کر اکستواں میدان ''صدق'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ** ۔(ترجمہ) وہ مردانِ (مومنین) کہ جنھوں نے جس بات پر اللہ تعالیٰ سے عہد استوار کیا۔ سچ کہا۔ (القرآن۔**23:33**) صدق سے مراد (قلب ونیت کے ساتھ کلی طور پر) راست بازی ہے۔ اس کے تین درجات ہیں۔ درجۂ ظاہر۔ درجۂ باطن۔ درجۂ غیب۔ درجۂ ظاہر تین باتوں سے عبارت ہے۔ دین میں پختگی۔ خدمت میں سنتِ نبوی ﷺ کا کامل لحاظ۔ معاملات میں درستگی۔ درجۂ باطن تین باتوں پر مبنی ہے۔ عمل ہمیشہ قول کے مطابق ہو۔ جو کچھ تُو ظاہر کرے۔ وہ چیز تجھ میں ظاہر بھی ہو۔ تُو اپنے دعوے کی کامل طور پر پاسداری کرے۔ درجۂ غیب سے تین باتیں عبارت ہیں۔ تُو جس چیز کا آرزومند ہے۔ وہ حاصل کرلے گا۔ تُو جو کچھ سنتا ہے۔ دیکھ لے گا۔ تُو خود کو جس کے قُرب میں شمار کرتا ہے۔ وہیں پر ہوگا۔ حضرت شیخ جعفر الخلدیؒ فرماتے ہیں۔کہ! میں حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ سے سوال کیا۔کہ! اے شیخ! کیا صدق اور اخلاص میں کچھ فرق ہے؟ تو انہوں نے فرمایا۔کہ! ہاں۔ صدق اصل ہے۔ اور پہلے ہے۔ جبکہ اخاص اس کی فرع ہے۔ اور اس کے بعد (یعنی تابع) ہے۔ اور یہ بھی فرمایا۔کہ! صدق اور اخلاص میں ایک اور فرق یہ بھی ہے۔ کہ! اخلاص عمل میں آئے بغیر نہیں ہوتا۔ یعنی کہ! اخلاص کے لئے عمل ضروری ہے۔ مزید فرمایا۔کہ! یہی اخلاص ہے۔ اور اسی کو مخالصۃ الاخلاص کہتے ہیں۔

☆ **صفا**۔ صدق کے میدان سے نکل کر باسٹواں میدان ''صفا'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ** ۔(ترجمہ) پس وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کے باعث جوان کو پہنچا۔ سُست نہ ہوے۔ (القرآن۔146:03) صفا سے مراد ہے صفاتِ خلقیہ کی طرح سے پاک وصاف ہونے کی خصلت۔ اہلِ صفا کئے تین گروہ ہیں۔ پہلا گروہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کا ہے۔ جو کہ! کہ شہوت سے پاک ہے۔ تہمت سے پاک ہے۔ اور غفلت سے معصوم ہے۔ دوسرا گروہ انبیاءؑ کا ہے۔ جو کہ! رجعت سے پاک ہے۔ زیب وزینت سے دور ہے۔ اور ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہے۔ تیسرا گروہ اہلِ صفا کا ہے۔ جو خالصتاً مومنین پر مشتمل ہے۔ وہ ایک ایسی جماعت ہے۔ جو کہ! غلبۂ نفس سے آزاد ہے۔ ان کے قلوب مولا کریم سے واصل ہیں۔ اور ان کے سر آگاہی ذات سے آراستہ ہیں۔

☆ **ثِقت**۔ صفا کے میدان سے نکل کر باسٹواں میدان ''حیاء'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فیستحی منکم** ۔(ترجمہ) پس حضرت جناب رسالت مآب ﷺ تم سے حیاء کرتے ہیں۔ (القرآن۔**53:33**) حیاء سے مراد شرم ہے۔ جو کہ درحقیقت دین کا حصار ہے۔ شرم مولا کریم کے عملوں میں سے ایک نادر علم ہے۔ یہ علم تین باتوں سے عبارت ہے۔ غافلین کی شرم خلق سے۔ جوانمردوں کی شرم ملائکہ سے۔ عارفین کی شرم حق تعالیٰ سے۔ مخلوق سے شرم اسے لاحق ہوتی ہے۔ جو کہ! اپنی آبرو سے ڈرتا ہے۔ خلق کی قبولیت کے بارے میں سنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت سے ناآشنا ہے۔ فرشتوں سے شرم وہ محسوس کرتا ہے۔ جسے! غیب پر اعتماد ہو۔ گناہ کا خوف ہو۔ روزِ حساب کا اندیشہ ہو۔

حق تعالیٰ سے شرم وہ رکھتا ہے۔کہ! جس کا قلب بینا ہو۔ سر میں شعور وآشنائی ہو۔ ضمیر ہر قسم کے اشتباہ سے پاک ہو۔

☆ **ثِقت**۔ حیاء کے میدان سے نکل کر چونسٹھواں میدان ''ثقت'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فو رب السمآء والارض انہ لحق**۔ (ترجمہ) پس زمین وآسمان کے رب کی قسم! بے شک یہ بات بالکل حق ہے۔ (القرآن۔23:51) ثقت سے مراد کسی چیز کو مضبوطی سے باندھنا اور اپنی اُمید کو دائماً مستحکم رکھنا۔ جو کہ تین چیزوں پر مشتمل ہیں۔ تصدیق کی دوستی سے۔ حسنِ ظن سے۔ صفائے نظر سے۔ تصدیق کی دوستی سے تین چیزیں ظاہر ہوتی ہیں۔ رگ وپے کو جلا دینے والا خوف۔ اعمالِ صالحہ پر اُبھارنے والی اُمید۔ پیہم نوازشات کرنے والا اُنس۔ حُسنِ ظن سے تین باتیں رونما ہوتی ہیں۔ متاعِ قلیل پر خوشنودیٔ رب۔ امورِ زندگی میں بردباری۔ موت سے نبرد آزمائی۔ صفائے نظر سے تین باتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ واضح گفتار۔ غیبی اشارات۔ حکمتِ لدنی۔

☆ **ایثار**۔ ثقت کے میدان سے نکل کر پینسٹھواں مدان ''ایثار'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و یؤ ثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ** ۔(ترجمہ) وہ (مہاجرین) کو اپنی جانوں پر مقدم سمجھتے ہیں۔ (القرآن۔**09:59**) ایثار سے مراد کسی حقیر چیز پر اعلیٰ کو اختیار کرنا۔ سب سے پہلے خلق پر انبیا کا ایثار ہے۔ اس اعتبار سے کہ! اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء دنیوی شغل سے بڑھ کر ہے۔ دُعا ہر خزانے سے اعلیٰ وارفع ہے۔ بہشت اپنی قدر ومنزلت کے سبب فزوں تر ہے۔ دوسرا عمر کا ایثار قلب پر ہے۔ اس لئے کہ! دل ساری حیات سے بہتر ہے۔ فراغت جوانی سے بڑھ کر ہے۔ آشنائی جان سے عزیز تر ہے۔ تیسرا دین پر علائقِ دنیوی کا ایثار ہے۔ کیونکہ! دین فراغت میں آسودہ رہتا ہے۔ خلوت میں پروان چڑھتا ہے۔ تفکر میں افزوں ہوتا ہے۔

☆ **تفویض**۔ ایثار کے میدان سے نکل کر چھیاسٹھواں میدان ''تفویض'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر م بالعباد** ۔(ترجمہ) اور میں اپنے امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ (القرآن۔**44:40**) تفویض سے مراد اپنے جملہ امور (دینی ودنیوی) کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا ہے۔

خود کو رب کے سپرد کرنا : اپنے تمام امورکو رب متعال کے سپرد کرنا تین باتوں پر مشتمل ہے۔ دین میں۔ تقدیر میں۔ مخلوق کے معاملات میں۔ دین میں تفویض یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو جس طرح سے بنایا ہے۔تُو اس میں کسی قسم کے تکلف کی آمیزش نہ کر۔ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی رخصت عطا فرمائی ہے۔تُو اس کے پیچھے ہی نہ لگا رہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر جدا گانہ دمساز رہے۔ تقدیر میں تفویض یہ ہے۔کہ! حیلہ سازی کی تکلیف سے تُو اپنے فہم وعقل اور فکر کو عذاب میں نہ ڈالے۔ دُعا کے بدلے حکمِ کداوندی میں جھگڑا نہ کرے۔ انتہائے طلب میں اپنے یقین کو موردِ الزام نہ ٹھہرائے۔ خلق کے بارے میں تفویض تین باتوں سے عبارت ہے۔ اگر تُو انہیں کسی معصیت میں مبتلا پائے۔تو اسے بدبختی پر محمول نہ کرے۔ اگر طاعت پر قائم دیکھے۔تو اسے سعادت شمار نہ کرے۔تاہم ان کی فلاح وترقی کا آرزومند رہے۔ بہر حال ان کی ظاہری ہیئت پر کوئی بھی فیصلہ نہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تصدیق کا مطالبہ بھی نہ کرے۔ توکل وتفویض میں قلیل سا فرق یہ ہے۔کہ! وکالت میں موکل کے لئے ملکیت کی بُو ہوتی ہے۔حالانکہ! تفویض اس سے خارج ہے۔ درحقیقت مبتدی کی تفویض تو یہ ہے۔کہ! وہ اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرکے ملکیت کے دعوے ہی سے دائمًا بری ہو جائے۔ یہاں تک کہ اپنے اعمال میں بھی فاعلیت کے دعوے سے بری ہوکر اجر ومعاوضہ کی امید سے ہی کنارہ کش ہو جائے۔ منتہی کی تفویض یہ ہے۔کہ! جب وہ اس امر پر اطلاع پائے۔کہ مخلوقات میں سے قلم کسی پر چل گیا ہے۔تو وہ پریشان نہیں ہوتا۔موجودات میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا کرتا۔ بلکہ سب کچھ مرضی مولا پر چھوڑ دیتا ہے۔کہ وہی مولا اپنے مُلک اور مِلک میں جس طرح چاہے۔تصرف کرے۔اس قسم کے لوگ امین ہوتے ہیں۔اور ہر وقت ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور ظاہر وباطن میں مؤدب رہا کرتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے رموز واسرار کو کبھی بھی فاش نہیں کرتے۔ بلکہ وہ تو اس رازدانی کی بناء پر لوگوں میں اپنی ذات کے لئے کسی بھی کسی کی بلندی، مال ومتاع کے خواہاں نہیں رہتے۔اور مخلوقات کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کرتے ہیں۔جیسا کہ وہ آپس میں کرتے ہیں۔اور کسی کا پردہ یا برائی کبھی بھی کسی کے سامنے فاش نہیں کیا کرتے۔کسی امر کے جاری کرنے میں خوض بھی نہیں کرتے۔ بلکہ خلق میں اپنے اجسام کے ساتھ رہتے ہیں۔اور اپنی ارواح کے ساتھ حضرتِ قربِ الٰہی میں خلق سے جدا رہتے ہیں۔تسلیم وتفویض تقریبًا ایک ہی طرح کی دو چیزیں ہیں۔

تسلیم و رضا میں فرق : تسلیم کسی بھی قضاء وقدر سے پہلے واقع ہوتی ہے۔جبکہ رضا کا وقوع قضاء وقدر کے بعد ہوتا ہے۔

☆ **فتوح۔** تفویض کے میدان سے نکل کر سڑسٹھواں میدان ''فتوح'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا۔** (ترجمہ) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے جو کچھ لوگوں کے لئے کھول دے۔پس اسے کوئی بند کرنے والا نہیں۔(القرآن۔02:35) ایسی چیز، جو کہ غیب سے بن مانگے اور بغیر تلاش وجستجو کئے دستیاب ہو جائے۔اسے فتوح سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس کی تین اقسام ہیں۔پہلی قسم رزق اور عیش کے ارادے کے ساتھ وابستہ ہے۔جس کی تین شرائط ہیں۔ طلب کے بناء۔محنت کے بناء۔توقع کے بناء۔ فتوح کی دوسری قسم ''علم لدنی'' ہے۔ اس سے مراد! بناء سیکھے شریعت کے موافق ہونا۔ بناء سنے قلبی اسرار سے آگاہی۔بناء تجربے کے حکمت پر عبور۔ فتوح کی تیسری قسم ''غیبی اشارات'' کی ہے۔جو کہ تین باتوں سے عبارت ہے۔ عمدہ خوابوں کی بشارت۔ نیک وصالح لوگوں کی سی دُعا۔ دلوں میں قبولیت۔

حصولِ فتح کے بعد کی تفصیلات و کیفیات :

جب انسان تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔اور اُسے **توبہ نصوحہ** حاصل ہو جاتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنے خصوصی فضل وکرم کی برسات وبہار شروع کر دیتا ہے۔اور اُسے فتوحات ملنا شروع ہو جاتی ہیں۔علمائے تصوف اور اولیائے عظام کی اپنی اپنی اصطلاحات کے مطابق فتح دراصل کئی معنوں ومفاہیم میں استعمال کی جاتی ہے۔لیکن زیادہ تر یہ خیال ہے۔کہ **فتح کا مطلب یہ ہے۔**کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے تقویٰ وبزرگی حاصل ہونے کے بعد مستجاب الدعوات ہو جاتا ہے۔اور اور اُس کے تمام اُمور از جانب الٰہی خود بخود ہوتے چلے جاتے ہیں۔اور اُس سے مافوق الفطرت اعمال وافعال اور اقوال کا ظہور ہونے لگتا ہے۔تو اِن تمام انعامات، احسانات اور کراماتِ الٰہیہ کو فتح کے لفظ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو فتح نصیب کرتا ہے۔تو بہت سے انوار اس کے وجود میں داخل ہو جاتے ہیں۔یہاں تک کہ یہ تمام انوارات اِس شخص کی رگوں، ہڈیوں اور گوشت پوست میں کے ریشوں میں سما جاتے ہیں۔اور اِن کے داخلے کے جو ٹھنڈک وفرحت اور تازگی کا مسحور کن احساس ہوتا ہے۔اس کی کیفیت بوقت نزع (جو کہ شہادت سے پہلے ہو) کی تکلیف کی مانند ہوتی ہے۔اِن انوار کی خصوصیت یہ ہے۔کہ! جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کسی بھی قسم کی مخلوق کا مشاہدہ کروانا چاہتا ہے۔تو یہ انوار اس مخلوق سے اَسرار کو اُس بندے کے سامنے نمایاں کر دیتے ہیں۔اس لئے کہ جب تک یہ زمین، بنی نوعِ انسان، حیوانات، جنات، حشرات اور جمادات وغیرہ تمام اشیاء انسانی وجود میں سرایت نہ کر جائیں۔اس وقت تک انسان مخلوقات کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔اور ان کے اَسرار کی آمد کے وقت بھی انسان کو نزع کی سی تکلیف کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا دیدار اور مشاہدہ اس وقت تک نصیب نہیں ہو سکتا۔جب تک کہ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ انسان کا وجود سیراب نہ ہو جائے۔ بہر حال! مذکورہ بیان کی مثال ہم یوں بیان کر سکتے ہیں۔کہ! فتح سے پہلے انسانی ذات ایک تاریک اور ظلمت وغفلت کا وجود رکھتی ہے۔جبکہ نبی مکرم ﷺ کی عظیم المرتبت ذاتِ اقدس ایک (اشرف ترین بشر اور) نور کی مانند ہے۔جس کی کئی اقسام ہیں۔اور یہ اقسام ایک لاکھ انوار سے متجاوز ہیں۔جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے تاریک وجود کو (نبی کریم ﷺ کے) نور سے منور کرنا چاہتا ہے۔تو اس وقت نورِ محمدی ﷺ کی تجلی انسان کے وجود پر وارد ہوتی ہے۔چنانچہ انسان کے وجود (کی 366 رگوں، گوشت پوست، ہڈیوں اور تمام جسم) کے اندر آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے اَسرار سرایت کر جاتے ہیں۔

☆ **غربت**۔ فتوح کے میدان سے نکل کر اڑسٹھواں میدان ''غربت'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **اولوا بقية ينهون عن الفساد**۔ (ترجمہ) ایسے سمجھ رکھنے والے لوگ، جو کہ زمین میں فساد سے روکتے۔ (القرآن ۔ 116:11) اس آیت میں ''اولوابقیۃ'' سے مراد غرباء ہیں۔ ان خوش نصیب لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے بشارت ہے۔ غرباء لوگ تین گروہوں میں منقسم ہیں۔

اول جو اپنے گھربار سے جدا ہیں۔ وہ: زندہ ہوں تو مہمان، وصال کے بعد شہداء اور بروزِ قیامت شفیع ہوں۔

دوئم وہ مومنین ہیں۔ جو منافقین کے درمیان میں: عمر بھر مجاہدہ کرنے والے، فوت ہونے والے شہداء اور فرداً افرداً شفاعت کرنے والے ہیں۔

سوئم وہ عارفین ہیں۔ جو غافلین کے درمیان میں ہیں: ان کی بود و باش زمین میں۔ دل کے اعتبار سے فلک پر، دنیا و اہلِ دنیا سے بے نیاز ہوں۔

☆ **توحید**۔ غربت کے میدان سے نکل کر انہترواں میدان ''توحید'' کا نکلتا ہے۔ توحید کا معانی و مفہوم حق تعالیٰ کی یکتائی کا اقرار، اسے یکتا سمجھنا، اسے یکتا دیکھنا اور اسے یکتا جاننا و پہچاننا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **فاعلم انه لا اله الا الله**۔ (ترجمہ) پس آپ جان لیں۔ کہ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (القرآن ۔ 19:47) جاننا چاہیئے۔

یکتائی کا اقرار: تمام علوم کا سرچشمہ ہے۔ دین و دنیا کے عرفانِ تام سے عبارت ہے۔ اور وہ دشمن و دوست کے درمیان ایک پردہ ہے۔ گواہی اس کا علم ہے۔ اخلاص اس کی بنیاد ہے۔ اور وفا اس کی اولین شرط ہے۔ توحید کی گفتار اور اس کے ظاہر و باطن کے تین اوصاف ہیں۔ اول: اللہ تعالیٰ کے بارے میں گواہی دینا کہ وہ اپنی ذات میں لاشریک ہے۔ وہ پاک اور برگزیدہ ہے۔ فرزند، زن اور ہر شریک و سہیم سے پاک و مبرا اور لا یحتاج ہے۔ دوئم: یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بے مثل ہے۔ کوئی بھی اس کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی ذات و صفات عقل و فکر سے وراء ہیں۔ ان کی صفات و کیفیت در حقیقت فہم و ادراک اور احاطہ میں آ ہی نہیں سکتیں۔ وہ لا محدود ہیں۔ وہم و تصور یا تخیل کی وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔ حق تعالیٰ کی صفات میں کسی کی مشارکت و مشابہت نہیں۔ سوئم: یہ گواہی دینا کہ! اللہ تعالیٰ اپنے اسماء (اللہ ۔ الہ ۔ حی قیوم ۔ ۔ ۔) میں بھی یکتا ہے۔ جو کہ در حقیقت حقیقی و ازلی ہیں۔ اس کے اسماء کی ایک حقیقت ہے۔ اور اس کے علاوہ تمام چیزیں عارضی و مصنوعی اور فانی ہیں۔ یاد رہے۔ کہ! جو اللہ تعالیٰ کا (ذاتی) اسمِ مبارک ہے۔ اس کی حقیقت قدیم و ازلی ہے۔ اور اس کے شایانِ شان ہے۔ مخلوق کے جو نام ہیں۔ وہ اس سے مستخرج اور اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جو کہ مخلوق کی شان کے مطابق فانی ہیں۔ اللہ، الہ، رحمان اس کے مقدس اسماء ہیں۔ اللہ اور رحمان اسماء کے ساتھ کسی دوسرے اسم یا اسماء کو نہیں پکار سکتے۔ اسے یکتا دیکھنا تین باتوں سے عبارت ہے۔ اقرار میں۔ قسمتوں میں۔ نعمتوں میں۔ اقرار میں یکتائی سے مراد یہ ہے۔ کہ! تقدیروں کے تعین میں وہ بے مثل ہے۔ روزِ ازل سے اپنے وسیع علم و حکمت میں یگانہ و یکتا ہے۔ اور اس کے سوا کوئی شخص تقدیر کے علم و حکمت کا محرم نہیں۔ اس کا دیکھنا حکمت پر ہے۔ اس کا صحیح عرفان حیرت پر مبنی ہے۔ اور حصولِ قرب اس کی قدرت سے متعلق ہے۔ کسی بھی جزو میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ قسمتوں میں اس کی یکتائی اس کی عنایات کی صورت میں رونما ہے۔ جو اس نے خود اپنی مخلوق پر کی ہے۔ چنانچہ! وہ ہر شخص پر اس کے مقام و مرتبہ کے مطابق وہ اس پر نگاہ رکھتا ہے۔ ہر شخص کی بہتری کا اس کو علم ہے۔ اسی لئے وہ اپنی بہترین حکمتِ عملی سے تدبیر کرتا ہے۔ اور اس نے ہر کام کا ایک مخصوص وقت متعین کر رکھا ہے۔ نعمتوں میں اس کی یکتائی بے مثل شان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ کیونکہ! وہی واحد عطا کرنے والا ہے۔ کوئی بھی اس کے سوا شکر و احسان کا سزاوار نہیں۔ اس کے سوا کسی کو قوت و قدرت حاصل نہیں۔ نعمتوں کو عطا کرنا، ان میں وسعت و کشائش عنایت کرنا یا روکنا، اس کے سوا کسی بھی دوسرے کے تصرف و قدرت میں قطعاً نہیں ہے۔ اسے یکتا جاننا تین باتوں پر مبنی ہے۔ خدمت میں۔ معاملات میں۔ ہمت میں۔ اپنی خدمت میں اسے یکتا جاننا تین باتوں سے عبارت ہے۔ شان و شوکت کا ترک کرنا۔ اخلاص کی پاسداری کو ملحوظِ خاطر رکھنا۔ ضبطِ احوال۔ اپنے معاملات میں اسے یکتا جاننا تین باتوں سے عبارت ہے۔ خیالات (ظاہری و باطنی) کی صفائی۔ تحقیقِ ذکر۔ دوامِ اعتماد۔ اپنی ہمت میں اسے یکتا جاننے سے مراد یہ تین باتیں ہیں۔ اس کے سوا ہر چیز کی محبت کم ترین ہو جائے۔ اس کے سوا ہر چیز فراموش کر دی جائے۔ جمعیتِ باطن کے ساتھ ماسوا اللہ سے نجات پانا۔ وحدت کا جاننا اور سمجھنا ہر مسلمان کے نہایت ضروری ہے۔ یہاں پر وحدت کی چند اقسام بیان کی جاتی ہیں۔

وحدتِ حقیقی: وہ وحدت کہ جس میں کسی بھی وجہ سے دوئی یا کثرت نہ پائی جائے۔ اور جو تجزی کو قبول نہ کرے۔ اور نہ ہی اُس کے مقابل اُس کی کسی قسم کی کوئی ضد موجود ہو۔ کیونکہ! وحدت کسی بھی قسم کی تجزی، تغیر، ضدیت، تشبیہہ اور اثنیت کو قطعاً قبول نہیں کرتی۔ چنانچہ یہ وحدتِ حقیقی ہویتِ مطلقہ ہی کے شایانِ شان ہے۔ **وحدتِ مجازی:** وہ وحدت جو تجزی و تعدد و تکثر کو اپنے مقابل کچھ حد تک قبول کرے۔ یہ وحدت جملہ محدثات میں جاری و موجود ہے۔ مثلاً جیسا کہ کہتے ہیں۔ ایک شخص، یا ایک جماعت، یا ایک صدی، یا ایک ہزار وغیرہا۔ ۔ ۔

☆ **تفرید**۔ توحید کے میدان سے نکل کر سترواں میدان ''توحید'' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **ذٰلک بان الله هو الحق وان ما يدعون من دونه هو الباطل**۔ (ترجمہ) یہ اس لئے ہے۔ کہ! اللہ تعالیٰ ہی حق ہے۔ اور اس کے سوا جسے (بھی) پکارتے ہو۔ وہ باطل ہے۔ (القرآن ۔ 62:23) تفرید کی حقیقت ہمت کا خالص کرنا ہے۔ (جس کا بیان ابھی ''توحید'' میں گزر چکا ہے) اسی طرح سے تفرد یعنی دوست کے ساتھ ایک ہو جانا۔ بہرحال! تفرید تین اقسام کی ہے۔ ذکر میں۔ سماع میں۔ نظر میں۔ تفریدِ ذکر سے مراد یہ ہے۔ کہ! سالک کو رب کی یاد میں رب کے سوا کسی بھی دوسری چیز کا قطعاً خوف نہ رہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا سالک کا کوئی بھی مطلوب نہ ہو۔ رب کے سوا کسی بھی دیگر چیز کی طرف قطعاً التفات و توجہ اور دھیان نہ ہو۔ تفرید سماع سے مراد یہ ہے۔ کہ! سالک کی سماعت تین اقسام کی نداؤں سے کبھی بھی منقطع نہ ہونے پائے۔

اول: وہ ندائے حق جو سالک کو ہر سانس میں اپنی ہی طرف بُلا کر کھینچ لائے۔ دوئم: طاعتِ الٰہی کی وہ ندا جو سالک کو ہر طرف سے اپنی ہی خدمت کی دعوت دے۔ سوئم: محبت و موانست کی وہ ندا، جو کہ ہر وجود میں مضمر ہے۔ تفرید نظر سے مراد یہ ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ سے دل کے رجوع کا سلسلہ کبھی برہم نہ ہونے پائے۔اس کے تین نشانات ہیں۔ اول: انسان حالات کی گردش (اچھے یا برے حالات) سے متاثر نہ ہو۔ دوئم: کسی بھی شغل میں تردد و تفرقہ دل میں راہ نہ پائے۔ سوئم: انسان خود سے بے خبر ہو جائے۔ (اور اپنا نقصان اپنے ہی ہاتھوں سے کر بیٹھے۔جیسا کہ) قرآنِ کریم میں آیا ہے۔کہ! **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة ج و احسنوا ج ان اللہ یحب المحسنین**۔ اور تم لوگ اپنے آپ کو اپنے ہی ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔اور نیکی کرو۔یقیناً! اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (سورہ بقرہ۔آیت نمبر 195) یاد رہے۔کہ! تجرید و تفرید کے مابین جو تفاوت ہے۔وہ یہاں پر بیان کیا جاتا ہے۔تجرید ہے ماسویٰ از قلب اور سیر بسوئے رویتِ ظہورِ حق در کل تجرید کی ظاہری صورت ہے۔ماسوای اللہ سے اعراض۔اور اس کی باطنی کیفیت ہے معاوضہ اور اجرت۔اور انعام کی تمنا سے اپنے باطن کو مجرد کر لینا۔(بقولِ حضرت امیر خسروؒ)

خرد و ضمیر و ہوش و دل و جان و چشمِ من شد　　　زِ ہمہ خیال خالی بجز از خیالِ رویت

اسی ضمن میں حضرت خواجہ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں۔کہ!

جان و دلِ تُو حافظا بستہ دامِ آرزو ست　　　اے متعلقِ خجل دم مزن از مجردی

جبکہ تفرید یہ ہے۔کہ! اعتبار کے پیراہن کو ممکنات کے حقائق سے اُتار کر حقیقتِ واحدہ منفردہ کی جانب رجوع کیا جائے۔علمائے متصوفین یہ بھی فرماتے ہیں۔کہ! تجرید خلائق و علائق سے بےتعلقی کا نام ہے۔اور تفرید خودی سے بےتعلق ہونے کو کہا جاتا ہے۔اور بعض مواقع پر خودی سے بےتعلق ہونے کو تفرید کہتے ہیں۔اور اس بےتعلقی سے بھی بےتعلق ہو جانے کو یعنی اس بےتعلقی تک کے احساس تک کو گم کر دینے کا نام تجرید ہے۔(بقولِ شاعر)

تُو زِ تُو گم شو کہ تفرید ایں بود　　　گم شدن گم کن کہ تجرید ایں بود

☆ **علم**۔ تفرید کے میدان سے نکل کر آگے تر واں میدان ''علم'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **وما یعقلھا الا العٰلمون**۔ (ترجمہ) اور ان مثالوں کو صرف اہلِ علم ہی سمجھتے ہیں۔(القرآن۔43:29) علم سے مراد دانش ہے۔اس کی تین اقسام ہیں۔علمِ استدلالی۔علمِ تعلیمی۔علمِ لدنی۔ علمِ استدلالی سے مراد عقل و خرد کے ثمرات اور تجربات کے نتائج ہیں۔علم کی یہ قسم انسانوں کے حسبِ مراتب (خیر و شر میں) امتیاز کرنے کا وہ کلمہ ہے۔کہ! جس سے اولادِ آدمؑ مشرف ہے۔ علمِ تعلیمی سے مراد وہ علم ہے۔جو قرآنِ حکیم کی صورت میں اُترا۔اور خلق سے سماعت کیا۔پھر یہ جناب رسالت مآب ﷺ سے صحابہ کرامؓ تک پہنچا۔پھر اساتذہ نے لوگوں کو اس علم کی تلقین کی۔اور انہوں نے سیکھا۔اہلِ دانش اسی علم کی بدولت کونین (دونوں جہانوں میں) معزز و مکرم ہوئے ہیں۔ (جبکہ) علمِ لدنی سے مراد وہ خاص الخاص علم ہے۔جو اللہ تعالیٰ براہ راست کسی نیک و صالح کو الہام و القاء یا تعلیم کرتا ہے۔یا پھر اپنے کسی نبیؑ و ولی سے صالحین کے قلوب پر وارد فرماتا ہے۔علمِ لدنی کی تین اقسام ہیں۔ اول: صنائع خداوندی کی حکمت کا علم۔ یہ علم مختلف آثار سے حاصل کیا جاتا ہے۔ دوئم: اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو معاملات ہیں۔ان کی ماہیت و حقیقت کا ادراک۔ سوئم: اس علم کی حکمت کا علم، جو کہ حق تعالیٰ سے ہم تک پہنچ رہی ہے۔اور پردہ غیب سے رونما ہے۔یہ علم حضرت سیدنا حضر نبیؑ کے خصوصی معارف میں سے ہے۔ علمائے متصوفین کے مطابق بہر صورت حال و کیفیات کو قیل و قال پر برتری و فضیلت حاصل ہے۔کیونکہ! علم قیل و قال ہے۔اور اس کا مقصد یہ ہے۔کہ! اعمالِ صحت کے ساتھ انجام پائے۔جبکہ عمل تو بدنی چیز کا نام ہے۔ لیکن حال و کیفیات تو قلبی صحت اعمالِ بدنی کا نتیجہ صحتِ احوالِ قلبی ہے۔چونکہ! احوال و کیفیات قلبی عبارت ہیں۔اس لئے اس مکاشفہ سے جو سالک کو علم یقین سے عین الیقین اور پھر حق الیقین کی جانب لے جاتا ہے۔تو گویا جب مرتبہ یقین پر پہنچتا ہے۔تب سالک کی منزل شروع ہوتی ہے۔

علمِ نافع کی تعریف: ایک مشہور حکایت ہے۔کہ! اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد نبیؑ پر وحی نازل فرمائی۔اور حکم فرمایا۔کہ! آپؑ علمِ نافع حاصل کریں۔حضرت داؤدؑ نے عرض کیا۔کہ (یا) الٰہی! علمِ نافع کیا ہے؟ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا۔کہ! علمِ نافع وہ ہے۔جس سے تم میری عظمت و جلال، میری کبریائی اور ہر چیز پر میرے کمالِ قدرت پر آگاہ ہو جاؤ۔(پس بے شک! علم نافع وہ ہے۔جو آپؑ کو مجھ تک پہنچا دے۔اور وہ اس طرح کہ! آپؑ ہر چیز میں مجھے ہی پائیں۔اور ہر آن مجھے ہی یاد کریں۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں　　　وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

چار علوم حاصل کرنے کے بعد باقی تمام علوم سے چھٹکارا :

حضرت سیدنا شیخ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں۔کہ! جب سے مَیں نے چار علوم اختیار کئے ہیں۔مَیں دنیا کے باقی جملہ علوم سے آزاد ہو گیا ہوں۔لوگوں نے دریافت کیا۔کہ یا حضرت! وہ چار علوم کون سے ہیں؟ تو فرمایا۔ نمبر **1**۔پہلا علم تو یہ ہے۔کہ! میرا رزق جتنا میرے لئے مقسوم ہے۔کم یا زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے مَیں زیادہ (رزق) کی تلاش سے بےنیاز ہو گیا ہوں۔(کیونکہ! **وما من دآبة فی الارض الا علی اللہ رزقھا**۔زمین پر چلنے والے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں۔سب کی روزیاں اللہ تعالیٰ کے ذمہء کرام پر ہیں۔ سورہ ھود۔آیت نمبر 06) نمبر **2**۔ دوسرا علم ہے۔کہ! مجھ پر میرے رب متعال کے ایسے حقوق ہیں۔جو میرے سوا دوسرا (کوئی بھی) ادا نہیں کر سکتا۔تو مَیں ان حقوق کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا ہوں۔ (کیونکہ! **وما خلقت الجن**

والانس الا لیعبدون) نمبر 3۔تیسرا علم ہے۔کہ! میرا ایک طالب ہے۔جسے موت کہتے ہیں۔اس سے بھاگنا ناممکن ہے۔اسی لئے میں ہمہ وقت اس کے لئے تیار رہتا ہوں۔ (کیونکہ! کل نفس ذائقة الموت) نمبر 4۔چوتھا علم ہے۔کہ! میرا رب تعالیٰ مجھے (اور میرے ہر قول وفعل کو) ہر لحہ دیکھنے والا ہے۔مَیں اس سے شرماتا ہوں۔اور نامناسب کاموں سے اجتناب کرتا ہوں۔اور ہر ایسے فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں۔جس کی وجہ سے کل بروزِ قیامت مجھے (اللہ تعالیٰ کی ذاتِ بابرکات کے سامنے) شرمندہ ہونا پڑے۔(کیونکہ! ان الله بما تعملون بصیر) حضور علی ہجویریؒ مزید فرماتے ہیں۔کہ! بندہ کا علم اور امرِ الٰہیہ اور اس کی ذات کے جاننے میں ضروری ہے۔اور علمِ اوقات اور اوقات میں جو بندے پر لازم ہیں۔اس کا جاننا بھی ضروری ہے۔پھر احکاماتِ ظاہر یہ و باطنیہ کا سمجھنا بھی لازمی امر ہے۔یاد رہے۔کہ! ظاہر و باطن کے امور کے لحاظ سے علمِ مخلوق کی دو اقسام ہیں۔علمِ اصول (ظاہر)۔ علمِ فروع (باطن)۔

☆ **علمِ اصول** (ظاہری علوم) : اصولِ ظاہری میں تو کلمہ شہادت ہے۔یعنی وحدانیتِ الٰہیہ کا اعتراف اور حضرت رسالت مآب ﷺ کے آخری رسول ﷺ ہونے کی تصدیق۔ ☆ **علمِ فروع** (باطنی علوم) : اصولِ باطنی میں معرفت (الٰہیہ) کی تحقیق۔

اسی طرح فروعِ ظاہری آپس میں معاملات اور برتاؤ درست رکھنا۔اور فروعِ باطنی دل سے نیت درست رکھنا۔اور اس صحت پر قائم رہنا۔اور یہ تو ایسی چیزیں ہیں۔کہ ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے بغیر محال ہے۔ چنانچہ ظاہر کا برتاؤ صاف رکھنا اور دل میں اس کے برخلاف ہونا ''نفاقِ خالص'' ہے۔اسی وجہ سے باطن کی اصلاح، ظاہر کے کے بغیر سمجھنا زندقہ (کفر و بے دینی۔منافقت) ہے۔اور شریعت پر ظاہری اطاعت بغیر اطاعتِ باطنی یعنی قلبی کے ناقص ہے۔اور جو چیز باطن میں نہ ہو۔اسے ظاہر داری میں ریائے ہوسِ باطل سے موسوم وتعبیر کیا جائے گا۔یہی وجہ ہے۔کہ! علمِ حقیقت کے تین ارکان ہیں۔ ☆ رکنِ اول : ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد اور اس کی تشبیہیہ سے نفی۔ ☆ رکنِ دوئم : علمِ صفاتِ باری تعالیٰ عزاسمہ اور اس کے احکام کا علم۔ ☆ رکنِ سوئم : حکمتِ الٰہیہ کا تسلیم کرنا اور اس کے افعال کو (من وعن) ماننا۔

علومِ شریعت : اسی طرح سے علمِ شریعت کے بھی تین ارکان ہیں۔ (بریکٹس میں قرآن سے ثبوت دیا گیا ہے)

طاعتِ ما نیست غیر از ورزشِ پندارِ ما ہست استغفار ما محتاجِ استغفارِ ما

☆ **رکنِ اول** : کتاب اللہ (قرآنِ حکیم)۔(کیونکہ! **منه اٰیت محکمٰت عن ام الکتٰب**)

☆ **رکنِ دوئم** : سنتِ رسولِ آخرالزمان ﷺ۔(کیونکہ! **وما اٰتکم الرسول فخذوہ۔ وما نھکم عنه فانتھوا**)

☆ **رکنِ سوئم** : اجماعِ اُمت۔(یعنی کہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کے مجتہدین کا کسی بات پر متفق ہونا۔کیونکہ! **فاجمعوا امرکم شرکاءکم**۔اور حدیثِ نبوی ﷺ ہے۔کہ! **لا تجمع امتی علی الضلالة و علیکم بالسواد الاعظم**) اور اس آیتِ قرآنی میں قرآن، سنت (حدیثِ نبوی ﷺ قولی و فعلی) اور اجماع کے بارے میں واضح آیت موجود ہے۔**یا یھا الذین اٰمنوا اطیعوالله و اطیعوالرسول واولی الامر منکم**) بقول حضرت محمد بن فضل بلخیؒ علم کی تین اقسام ہیں۔ ☆ اول : **علم با الله تعالیٰ**۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ۔ علم باللہ وہ عرفانِ تام ہے۔جو کہ تمام انبیائے کرامؑ اور اولیائے عظامؒ کو حاصل ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے وہ عارفِ الٰہیہ بنتے ہیں۔اور عرفانِ الٰہی حاصل کرتے ہیں۔جب تک کہ یہ معیت الٰہیہ حاصل نہ ہو۔تمام ذرائع و جدوجہد منقطع رہتے ہیں۔اس لئے کہ علمِ اکتسابی سے عرفانِ الٰہی ناممکن ہے۔اور درجہ عرفانِ حق کا حصول محال ہے۔ ☆ دوئم : **علم من الله تعالیٰ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم۔ علم من اللہ وہ علم ہے۔کہ جس میں شریعتِ حقہ ہے۔کہ اس کے ذریعے ہم مکلّف احکام بالا بنائے گئے۔اور یہ فرمانِ حق ہے۔جو کہ انبیائے کرامؑ سے ہم تک پہنچا۔ (شکر الحمدللہ رب العالمین۔)

☆ سوئم : **علم مع الله تعالیٰ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل کی معیت سے۔ علم مع اللہ وہ علم ہے۔کہ جو فضلِ الٰہی کی معیت میں حاصل ہوتا ہے۔جس کے ذریعے مقاماتِ ولایت اور طریقِ حق وہدایت اور بیان نہایت مدارج ولایت بعنایتِ الٰہی حاصل ہوتے ہیں۔

اِن تینوں علوم کی شرح میں حضرت علی بن عثمان جلابیؒ (داتا صاحب) فرماتے ہیں۔کہ! خلاصہ کلام یہ ہے۔کہ! معرفت مدارج ولایت بغیر علمِ شریعت جانے صحیح نہیں ہے۔اور اتباعِ شریعت بغیر مقاماتِ رشد و ہدایت جانے نہیں ہوسکتا۔ اسی ضمن میں حضرت ابوعلی ثقفیؒ فرماتے ہیں۔کہ! علم (درحقیقت) حیاتِ قلب ہے جہالت کی موت سے۔اور چشمِ یقین کا نور ہے کفر (والحاد) کی ظلمت سے۔اسی طرح حضرت ابوبکر وراق ترمذیؒ فرماتے ہیں۔کہ! جس نے علمِ کلام یعنی عقائد وعلم توحید کی عبارات پر قناعت کی اور زُہد وتقوی حاصل نہ کیا۔وہ زندقہ میں پڑ گیا۔اور جس نے علمِ فقہ وشریعتِ اسلامیہ بلا ورع کے حاصل کیا۔وہ حدود وِ احکام سے نکل کر بے حکم اور فاسق ہوگیا۔ (بمطابق حدیث) تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوسکتے۔جب تک (تم) مومن نہیں بن جاتے۔تم اس وقت تک مومن نہیں بن سکتے۔جب تک تک باہم محبت نہیں کرتے۔کیا مَیں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں ؟ جب تم اسے کرنے لگ جاؤ۔تو تمہاری باہم محبت ہو جائے۔آپس میں سلام پھیلاؤ۔ (صحیح مسلم)

تمام علوم درحقیقت تین ہیں :

حضرت سیدی عبدالوہاب الشعرانیؒ حضرت شیخ اکبر محی الدینؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں۔کہ! تمام علوم تین ہیں۔علم العقل، علم الاحوال اور علم الاسرار۔

☆ **علم العقل** : ہر وہ ضروری بدیہی علم ہے۔جو دلیل میں غور وفکر کے بعد حاصل ہوتا ہے۔اس کی شرط اس دلیل کی وجہ پر واقف ہونا ہے۔اور اس علم کی

علامت یہ ہے۔کہ! جب بھی تُو اس کی عبارت کو پھیلائے۔تو اس میں حسن پیدا ہوتا ہے۔اور سمجھ دار سامع اس کا معنیٰ سمجھتا ہے۔اور حلاوت محسوس کرتا ہے۔

☆ **علم الاحوال** : علم الاحوال اس کی طرف سوائے ذوق کے کوئی راہ نہیں۔اور کوئی عقل مند اس کے وجدان اور معرفت پر قطعًا قدرت نہیں رکھتا۔جیسے شہد کے شیریں ہونے یا ایلوا کے تلخ وکڑوا ہونے یا پھر لذتِ جماع وغیرہ کا علم۔

☆ **علم الاسرار** : علم الاسرار وہ علم ہے۔جو عقول سے کہیں بلند وبالا ہے۔اسی لئے اس علم والے کی طرف انکار تیزی سے آتا ہے۔کیونکہ یہ الہام کے طریق سے حاصل ہوتا ہے۔جس کے سامنے نبی وولی خاص ہیں۔اور اس کی علامت یہ ہے۔جب اسے عبارت میں لایا جائے۔تو قبیح نظر آئے۔اور افہام پر اس کا سمجھنا بعید ہوجائے۔بلکہ اکثر کمزور یا متعصب عقلیں جو کہ غور وفکر اور بحث کو پورا حق ہی نہیں دیتیں۔اسے دور پھینک دیتی ہیں۔اسی وجہ سے جو شخص کسی دوسرے کو یہ علم سمجھانا چاہے۔تو وہ کمزور افہام تک یہ علم امثال اور مخاطباتِ شعریہ کے بغیر نہیں پہنچا سکتا۔جبکہ کاملین کے اکثر علوم اسی قبیل سے ہی ہیں۔

حکایت عجیبہ : حضرت خواجہ ذوالنون مصریؒ نے فرمایا۔کہ! مَیں نے تین سفر کئے۔اور تین علوم لایا۔پہلے سفر میں مَیں وہ علم لایا۔کہ (میرے لائے ہوئے اُس علم) کو ہر خاص وعام نے قبول کرلیا۔اور دوسرے سفر میں مَیں وہ علم لایا۔کہ جس کو عام نے رَد کیا۔مگر خواص نے قبول کیا۔جبکہ مَیں تیسرے سفر میں وہ علم لایا۔کہ جس کو نہ عام نے قبول کیا۔اور نہ ہی خواص نے۔۔۔تو میں منفرد تن تنہا اکیلا باقی رہ گیا۔حضرت شیخ الاسلام پیر ہرے (پیر ہرات) فرماتے ہیں۔کہ! پہلا علم توبہ کا تھا۔جسے ہر عام وخاص نے قبول کیا۔دوسرا علم توکل اور معاملہ ومحبت کا تھا۔کہ جسے خواص نے تو قبول کیا۔مگر عام نے رَد (Reject) کیا۔جبکہ تیسرا علم حقیقت کے متعلق تھا۔جو کہ یقینًا مخلوق کے علم وعقل اور فہم وفراست سے بالا تھا۔جسے لوگ (عوام وخواص سبھی نے) رَد کیا۔نہ صرف ان کو چھوڑ دیا۔بلکہ اس (علم) پر ہی انکار کر بیٹھے۔یہاں تک کہ وہ دنیا سے رخصت ہوئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کُل علوم کی تعداد : امام اجل حضرت سیدنا شیخ ابو طالب مکیؒ اپنی کتاب **قوت القلوب** میں فرماتے ہیں۔کہ کل علوم کی تعداد 9 ہے۔اِن میں سے چار تو مسنون ہیں۔جن سے صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ آگاہ تھے۔اور پانچ علوم بعد کے زمانے کی پیداوار ہیں۔جو اسلاف کے زمانے میں نہ تھے۔

چار مسنون علوم یہ ہیں۔ ☆ ایمان کا علم ☆ قُرآن کے علوم ☆ سُنن وآثار کا علم ☆ فتاوٰی واحکام کا علم

بعد میں پیدا ہونے والے پانچ علوم یہ ہیں۔ ☆ **نحو وصرف کا علم** ☆ **قیاس** ☆ **فقہ میں جدل** ☆ **نظر وفکر کے اعتبار سے عقلی علم**

☆ حدیثِ پاک کی علتوں اور مُختلف طُرق جاننے ، نیز راویوں اور ان سے منقول روایات وآثار کا صحیح ،حُسن وضُعف جاننے وغیرہ کا علم۔اور یہ علم انہیں لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔جو اس کے اہل ہوں۔پھر ان سے انہی کے شاگرد ہی یہ علم حاصل کرتے ہیں۔اسی ضمن میں حضرت بایزید بسطامیؒ کا مشہور قول ہے۔کہ! مَیں نے تیس برس تک (سخت ترین مشقت کے ساتھ) مجاہدہ کیا۔مگر مجھ پر کوئی بھی چیز اتنی سخت ترین محسوس نہ ہوئی۔سوائے علم اور اس کی اتباع کے۔ اور حضرت ابن معاذ رازیؒ کا قول ہے۔کہ! اجتناب کرو تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے،اول غافل اور بے عمل علماء سے،دوئم حق سے زبان بند کرنے والے فقراء سے اور سوئم بناوٹی جاہل صوفیاء سے۔ اسی طرح سے علوم کے ضمن میں حضرت علی ہجویریؒ اپنی کتاب **کشف المحجوب** میں فرماتے ہیں۔کہ! علم مدح کی صفات میں سے ہے۔اور اس کی تعریف احاطۃ المعلوم ہے۔یعنی معلومات کا احاطہ کرنا یا تتبین المعلوم ہی تعریفِ علم ہے۔یعنی کہ معلوم کا واضح طور پر بیان کرنا اور بہترین وجامع ومانع تعریفِ علم یہ ہے۔کہ! ☆علم ایک ایسی صفت ہے۔کہ جس سے ایک جاہل عالم ہوجاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ حق کے بارے میں قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔کہ! **واللہ بکل شیءٍ علیم** ۔اللہ تعالیٰ ہر شئے کا جاننے والا ہے۔(سورہ بقرہ۔آیت نمبر 282) اور علمِ الٰہی ایک ایسی صفت ہے۔کہ جس سے وہ تمام وجودات ومعدومات کو جاننے والا مانا گیا ہے۔اور ایسا عالم مانا گیا ہے۔کہ! کہ اس جیسا عالم ہونے میں مخلوق کا کوئی جز وشریکِ صفت نہیں ہوسکتا۔اور اس علمِ ذاتی کا تجزیہ بھی نہیں ہوسکتا۔اور نہ یہ علم اس کی ذات سے کبھی جدا ہوسکتا ہے۔اور اس علم پر اس کی ترتیب فعالی دلیل ہے۔اس لئے کہ ہر فعل بحکمِ علم ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور علمِ الٰہی کی ہی یہ شان ہے۔کہ ہر مکتوم وظاہر پر ہر آن محیط ہے۔لہٰذا طالبِ حق کو لازم ہے۔کہ! بوقتِ عمل یہ یقین کرے۔کہ وہ عالم الغیب،حاکم حقیقی میرے (ہر ظاہر وباطن) عمل کو دیکھ رہا ہے۔جیسا کہ اس کا عقیدہ ہے۔کہ وہ ہماری ہر حرکت وسکون کو دیکھنے والا ہے۔

نہ تاج وتخت میں ، نہ لشکر وسپاہ میں ہے   جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

علوم کی باریک بینی :

حضرت ابن عربیؒ فرماتے ہیں۔کہ! طریق الی اللہ مومنین کے لئے لازم ہے۔ان کے لئے احوال ومقامات کی معرفت ضروری ہے۔اور وہ لوگ اس راہ (طریق الی اللہ) پر چل کر نجات حاصل کرتے ہیں۔اس کے چار شعبے ہیں۔محرکات۔اسباب۔اخلاق اور حقائق۔یاد رہے۔کہ ان چار شعبوں تک رسائی کے لئے تین قسم کے حقوق کی پاسداری لازمی ہے۔اللہ تعالیٰ کا حق۔مخلوق کا حق۔نفس کا حق۔

☆ **اللہ تعالیٰ کا حق**: ان پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے۔کہ! یہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور یہ اُس کی عبادت (بناء ریا اور خلوص سے) کریں۔

☆ **مخلوق کا حق**: ان سے ہر قسم کی تکلیف کو دور کریں۔اور پوری تندہی کے ساتھ بلاغرض وغایت اِن کی مدد کریں۔

☆ **نفس کا حق**: نفس کا حق یہ ہے۔کہ! اسے اُس راہ پر گامزن کریں۔کہ! جس پر رب متعال کی رضا اور اس (نفس) کی سعادت ونجات ہے۔

اَب ہم دوبارہ انہیں چار شعبوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔سب سے پہلے ''اسباب'' ہیں۔درحقیقت اسباب پانچ ہیں۔ سبھی ھا جس (یعنی

دل کا خیال) پھر ارادہ، پھر عزم، پھر توجہ اور پھر نیت۔ ان اسباب کے محرکات بھی تین ہیں ۔ رغبت، خدشہ اور تعظیم۔ رغبت دو طرح کی ہے ۔قرب کی رغبت اور دیدار کی رغبت۔ اسی طرح سے خدشات بھی دو طرح کے ہیں ۔عذاب کا خدشہ اور حجاب کا خدشہ۔ تعظیم بھی دو طرح کی ہے ۔ایک تیرا اُس کے ساتھ ہونا اور دوسرا اُس کا تجھ سے جدا ہونا۔ اخلاق کی تین اقسام ہیں ۔ایک وہ جو دوسروں تک پہنچے ۔دوسری وہ خصلت جو تجھ تک رہے ۔جبکہ تیسری خصلت مشترک خصلت۔ پہلی خصلت جو دوسروں تک پہنچے ۔اس کی مزید دو اقسام ہیں ۔ جب دوسروں تک پہنچے تو انہیں نفع دے ۔ جیسے سخاوت و مروت ۔جبکہ دوسری وہ جو دوسروں تک پہنچے ۔تو اُن سے ضرر دور کرے ۔ جیسے درگزر اور معافی ۔ بدلہ نہ لینا (باوجود طاقت وقدرت کے)۔ دوسری خصلت جو تجھ تک رہے ۔یعنی جس کا نفع وفائدہ صرف تجھے ہے ۔ جیسے تقوی، زہد اور توکل ۔

تیسری خصلت جو کہ مشترک ہے ۔مخلوق کی دی ہوئی تکالیف کو برداشت کرنا اور اُن کے بداخلاقی یا غلط رویوں کے باوجود اُن کیساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ حقائق بھی چار ہی ہیں ۔وہ حقائق جو ذاتِ مقدسہ کی جانب لوٹتے ہیں ۔اور وہ حقائق جو صفاتِ منزہ کی جانب لوٹتے ہیں ۔ یہ نسبتیں ہیں ۔اور وہ حقائق جو افعال کی جانب لوٹتے ہیں ۔ یہ ''کُن'' اور اُس کے بھائی ہیں ۔اور وہ حقائق جو مفعولات کی جانب لوٹتے ہیں ۔ یہ موجودات اور مکونات ہیں ۔

وہ حقائق جو ذاتِ مقدسہ کی جانب لوٹتے ہیں ۔ ذاتی حقائق کہلاتے ہیں ۔حقائقِ ذاتی سے مراد ہر وہ مشہد ہے ۔جس میں حق تجھے بغیر کیفیت اور تشبیہ کے کھڑا کرے ۔ یہ (مشہد) عبارت میں نہیں سماتا ۔اور نہ ہی اس کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے ۔

اور وہ حقائق جو صفاتِ منزہ کی جانب لوٹتے ہیں ۔ یہ نسبتیں ہیں ۔صفاتی حقائق کہلاتے ہیں ۔صفاتی حقائق سے مراد ہر وہ مشہد ہے ۔جس میں جب حق تجھے لائے ۔تو تُو حق سبحانہٗ کا عالم، قادر، مرید اور حی ہونا جانے ۔ یا اس طرح کے باقی اسماء اور صفات کی خبر پائے ۔ جو کہ مختلف، متقابل اور متماثل ہوں ۔

اور وہ حقائق جو افعال کی جانب لوٹتے ہیں ۔ یہ ''کُن'' اور اُس کے بھائی ہیں ۔کونی حقائق کہلاتے ہیں ۔کونی حقائق سے مراد ہر وہ مشہد ہے ۔جس میں جب حق تجھے ٹھہرائے ۔تو تُو وہاں سے ارواح، بسائط، مرکبات، اجسام، اتصال اور انفصال کی معرفت پائے ۔ اِن کونی حقائق کے تین مراتب ہیں ۔علوی، سفلی اور برزخی۔ علوی جو کہ معقولات ہیں ۔سفلی جو کہ محسوسات ہیں ۔اور برزخی جو کہ مخیلات ہیں ۔

اور وہ حقائق جو مفعولات کی جانب لوٹتے ہیں ۔ یہ موجودات اور مکونات ہیں ۔ فعلی حقائق کہلاتے ہیں ۔ فعلی حقائق سے مراد ہر وہ مشہد ہے ۔جس میں جب حق تجھے ٹھہرائے ۔تو تُو اُس سے ''کُن'' کی معرفت پائے ۔اور کسی خاص طرز پر قدرت کے مقدور سے تعلق کی معرفت (کہ بندے کا کوئی فعل نہیں ۔اور اُس کے حادث پر قدرت کا کوئی اثر نہیں ۔کہ جس قدرت و طاقت سے) وہ موصوف ہے ۔

مندرجہ بالا جو بھی کچھ بیان ہوا ہے ۔اسے احوال ومقام کہتے ہیں ۔ان میں ''مقام'' ہر وہ راسخ صفت ہے ۔ جسے چھوڑنا درست نہیں ۔جیسا کہ توبہ کرنا۔ جبکہ ''حال'' ہر وہ صفت ہے ۔جس میں کسی خاص وقت میں رَہا جاتا ہے ۔جیسا کہ صحو، سکر، قبض، بسط، غیبت، حضوری، رضا، خلوص وغیرہا۔۔۔ یا جس کا وجود کسی شرط سے مشروط ہو۔اور اس شرط کے نابود ہونے پر یہ صفت بھی ختم ہو جائے ۔جیسا کہ کسی امتحان وآزمائش میں صبر اور اصائش وراحت میں شکر۔ یاد رہے ۔کہ ! یہ امور بھی دو اقسام کے ہیں ۔ ایک وہ قسم کہ جس کا کمال کسی انسان کے ظاہر وباطن دونوں میں موجود ہو۔جیسا کہ تقوی اور توبہ وغیرہ۔

دوسری قسم وہ ہے ۔کہ ! جس کا کمال کسی انسان کے باطن میں ہے ۔پھر اگر ظاہر بھی اس کی پیروی کرے ۔تو اس میں کوئی حرج نہیں ۔ جیسے زہد، توکل وغیرہ۔

مگر یاد رہے ۔کہ ! راہِ للہ میں کوئی ایسا مقام نہیں ۔ جو باطن کو چھوڑ کر صرف ظاہر میں ہو۔اور پھر ان مقامات میں کچھ تو ایسے بھی ہیں ۔کہ ! جن سے انسان دنیا وآخرت دونوں ہی میں متصف ہوتا ہے ۔ جیسے کہ مشاہدہ، جمال، جلال، اُنس، ہیبت، بسط وغیرہ۔اور پھر کچھ ایسے ہیں ۔کہ ان سے انسان اپنی موت تک متصف رہتا ہے ۔اور جب وہ جنت میں پہلا قدم رکھے گا ۔تو یہ از خود زائل ہو جائیں گے ۔ جیسے خوف، قبض، حزن، اُمید وغیرہ۔ جبکہ کچھ ایسے ہیں ۔کہ انسان ان سے موت تک ہی متصف ہے ۔ جیسے زہد، توبہ، تقوی، مجاہدہ، ریاضت اور قربِ الٰہی کے حصول کے لئے اچھے اخلاق اپنانا اور بُرے اخلاق کو ترک کرنا۔اور اسی طرح سے کچھ ایسے ہیں ۔ جو اپنی شرط زائل ہونے سے ختم ہو جاتے ہیں ۔لیکن شرط کے لوٹ آنے سے دوبارہ لوٹ آتے ہیں ۔ جیسے کہ صبر، شکر اور تقوی۔

اے دل نہ بنا غیر کو محرم   ہر زخم پہ آپ رکھ تو مرھم اپنا
تنہائی میں آپ اپنے دکھ درد کو جھیل   اپنے آپ کو بنا آپ ہی ہمدم اپنا

اھلُ اللہ سے مخصوص علم کے سات مسائل : (بقول حضرت شیخ اکبر ابن عربیؒ)

اہلُ اللہ سے مخصوص علم کا مدار اُن سات مسائل پر ہے ۔کہ جس نے انہیں جانا۔تو اس پر علمِ حقائق میں سے کچھ دشوار نہیں ہوتا۔اور اُس مخصوص علم کے سات مسائل یہ ہیں ۔ اسمآئے الٰہیہ کی معرفت۔ تجلیات کی معرفت۔ زبانِ شریعت سے حق کا اپنے بندوں سے خطاب کی معرفت۔ وجود کے کمال اور نقص کی معرفت۔ حقائق کی جہت سے انسان کی معرفت۔ کشفِ خیالی کی معرفت۔ امراض اور دواؤں کی معرفت۔

خواطر کی معرفت اور اس کی اقسام :

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں ۔کہ ! خواطر چار ہیں ۔اور ہر وہ خاطر، جو اس عمل تک پہنچائے ۔جس میں رب متعال کا قرب ہو۔وہ فرشتے کی طرف سے ہے ۔اور معارفِ الٰہیہ کا نزول بھی اسی سے مخصوص ہے ۔اور اسی طرح سے ہر وہ خاطر جو اللہ تعالیٰ سے بندے کو دور کرے ۔وہ شیطان کی طرف سے ہے ۔

اور ہر وہ عمل جو تجھے مباح تک لے جائے۔تو یہ نفس کی طرف سے ہوگا۔(مباح سے مراد ایسا عمل،جس میں نہ ثواب ہے نہ عتاب)۔حضرت شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں۔کہ! ہمارے نزدیک باطن وسیع جبکہ حسی عالم تنگ ہے۔جب تک خاطرحق معرفت کی بات ہے۔تو یہ اس کے معکوس (اُلٹ) ہے۔یہ مخروطی شکل والی ہے۔اس کا نچلا حصہ وسیع جبکہ اوپر والا حصہ تنگ ہے۔یہ کثرت سے وحدت کی طرف جاتا ہے۔تو ہمیشہ باطن کا دھیان رکھتا ہے۔اور خاطرِحق کی معرفت کی نیت سے اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔یہاں تک کہ تجھے یہ ذوق سے حاصل ہو جاتا ہے۔اور یہ کسبی مقامات میں سے ہے۔یہ نہایت قابلِ غور نکتہ ہے۔جمعیت کا ہونا لازم ہے۔تاکہ اس تک حق کی خاطر پہنچے۔یہ نہیں کہ اس وہ خود سے اس کا قصد کرے۔

اس مقام کی علامات میں یہ ہے۔کہ! محض تیری وجہ سے ہی انفعالات کا صدور ہوتا ہے۔کہ وہ شئے منفعل ہوتی ہے۔مثلاً تجھے یہ خیال آیا۔کہ! تو اس جامد (ٹھوس یا جمی ہوئی) شئے کو کسی خاص رخ پر حرکت دے۔اور وہ حرکت کرے۔اس جگہ پر ایک مخفی نکتہ ہے۔اور واسع کو ذہن میں رکھنا چاہیئے۔اور وہ یہ کہ خاطرِحق میں جس کی فعّال ہو۔اسے کبھی کبھی کلام یا پھر ایسی حرکت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔جو اپنی ہی خاصیت سے اس جماد کو متحرک کرتی ہے۔یوں وہ سالک جو ابھی تک راسخ نہیں۔وہ یہی خیال کرتا ہے۔کہ یہ حرکت (شاید) خاطرِحق سے ہے۔جبکہ یہ خاصیت سے ہوتی ہے۔بعض اوقات یہ دونوں سے ہوتی ہے۔پس واسع محقق اِن امور کا دھیان رکھتا ہے۔

علومِ اسلامیہ کا بیان: بقول حضرت علامہ ملک محمد شہزاد مجددی صاحب اپنی کتاب رجال الغیب کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں۔کہ!

صوفیائے کرام نے قرآن وسنت کی روشنی میں علومِ اسلامیہ کو دو حصص میں تقسیم کیا ہے۔ 1۔ علم الاحکام 2۔ علم الاسرار

☆ علم الاحکام یعنی مسائل وفضائلِ شریعہ تک محدود رہنے والے، لہٰذا اِس علم کے ماہرین جیسے علماء،محدثین،مفسرین،فقہاء،مجتہدین کا طبقہ ہے۔مختصراً یہ کہ شریعت کے تمام علوم کا ماہر ہی علم الاحکام کا ماہر کہلاتا ہے۔ ☆علم الاسرار یعنی تصفیہ باطن،مقامِ فناء فی اللہ، تصوف وطریقت کے تمام علوم تک محدود رہنے والے،لہٰذا اِس علم کے ماہرین جیسے اولیائے عظام،درویش،صوفی،ابدال واقطاب اور ولایت کے بلند مقامات کے حامل افراد کا طبقہ ہے۔مختصراً یہ کہ! تصوف وطریقت کے تمام علوم کا ماہر ہی علم الاسرار کا ماہر کہلاتا ہے۔ البتہ! اہلِ کمال کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے۔جسے علم وعرفان کے اِنہی دونوں چشموں (علوم) سے بہرہ وافر نصیب ہوا۔اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم سے اس عظیم المرتبت طبقہ نے شریعت وطریقت کے مرج البحرین کے مابین ''پُل'' کا عظیم ترین کردار ادا کیا۔اور یہی نفوسِ قدسیہ اپنے کمالِ علم ومعرفت کے باعث ''**ورثۃ الانبیاء**'' قرار پائے۔درحقیقت یہی آئمہ ملت ہیں۔جو فقہ اور تصوف ہر دو میدانوں میں درجہ تحقیق وجستجو پر فائز المرام نظر آتے ہیں۔ایک حدیثِ نبوی ﷺ میں ایسے ہی بزرگانِ دین کو انبیاءؑ کا حقیقی وارث فرمایا گیا ہے۔ اسی ضمن میں حضرت امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں۔ جس نے فقہ سیکھی۔اور تصوف کو حاصل نہ کیا۔اس نے نافرمانی کی۔اور جس نے تصوف حاصل کیا۔اور (علم) فقہ سے حصہ حاصل نہ کیا۔وہ زندیق ہوا۔اور جس (خوش بخت) نے اِن دونوں کو جمع کیا۔(تو) اِس نے یقیناً حق کو پالیا۔(یادرہے کہ!) علم الاسرار اور روحانیت کا سرچشمہ بھی دیگر علومِ اسلامیہ کی طرح قرآن مجید فرقانِ حمید اور آنحضرت ﷺ کی احادیث ہی ہیں۔کیونکہ وحی والہام معجزات وکرامات کے علاوہ علم لدنی کے حقائق ومعارف کے علم وتذکرہ بھی قرآن وسنت (احادیث نبوی ﷺ) میں جابجا ملتا ہے۔جیسے کہ قرآنِ مجید میں قصہ حضرت موسیٰؑ وحضرت خضر نبیؑ ، قصہ حضرت یوسف نبیؑ ودیگر انبیائے کرامؑ کے قصص اور اصحاب کہفؓ کا واقعہ آیا ہے۔اِسی طرح احادیثِ نبویہ ﷺ میں اصحابِ رقیمؓ ودیگر صحابہ کرامؓ مثل عشرہ ومبشرہؓ وغیرہ کے واقعات وقصص اِس حوالے سے حقیقت میں بہت بڑے مآخذ ہیں۔

یادرہے۔کہ! علم عمل کی صورت کو صحیح اور درست کرتا ہے۔جبکہ حال اس میں جان ڈال دیتا ہے۔مگر علم سے یہاں وہی علم مراد ہے۔جو کہ وسیلہءقربِ الٰہی ہے۔کیونکہ! وہ علم جو وسیلہء جاہ ومنصب ہو۔وہ صورت کے اعتبار سے تو علم ہی ہے۔مگر معنی کے اعتبار سے علم نہیں بلکہ خود فریبی ہے۔ (بقولِ بہاؤالدین آملیؒ)

علم نبود غیرِ علم عاشقی ما بقی تلبیسِ ابلیسِ شقی

وہ علم جو کہ اخلاقِ ذمیمہ کی آلائش سے نفس کو پاک کرنے کا سبب ووسیلہ بنتا ہے۔اس دل میں کبھی بھی نہیں سما سکتا۔جو کہ حبِّ دنیا کا مسکن، جاہ ومنصب کا خواستگار اور مسوٰی کی قیام گاہ ہو۔کیونکہ! جس گھر میں حرصِ دنیا کا کتا اور ماسوئے کی تصویروں کی آماجگاہ ہو۔وہاں بھلا عالمِ قدس کا فرشتہ کیونکر داخل ہوگا۔چہ جائیکہ! اُسے ان موانعات ولغویات سے پاک وصاف نہ کر دیا جائے۔تاوقتیکہ قلب کو، جو کہ انفس میں لوحِ محفوظِ آفاقی کے مشابہہ ہے۔ ذِکروفکر کے پانی سے دھویا نہ جائے۔اُور خصائلِ ذمیمہ ونقوشِ اوہامِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ کے کوڑے کرکٹ سے اُسے صاف نہ کر دیا جائے۔اور عالمِ قدس کے ساتھ اس میں مناسبت نہ پیدا کی جائے۔ارواحِ مطہرہ ومقدسہ یعنی علوم حقائق کی صورتیں جو کہ درحقیقت ملائکہ کے اسماء سے موسوم ہیں۔خانہءقلب میں داخل نہ ہوں گی۔تصفیہ قلب کی اس منزل کے طے کرنے کے بعد انسان ملائکہ سے علمِ لدنی حاصل کرتا ہے۔اور اپنے نفس کی کتاب سے جو کہ جامع جمیع کتابِ الٰہی ہے۔آیات واسماء وصفات پڑھتا ہے۔اور کتابِ انفسی کے اجمال کی تفصیل کا مشاہدہ آفاق میں بااعتبار تعینہائے خارجی کے کرتا ہے۔بہرحال! علمِ لدنی کے حصول کے ساتھ ساتھ حروفِ مقطعات کا علم حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔یادرہے۔کہ! اس دنیا میں تمام علوم کی ماں علمِ لدنی کو کہا جاتا ہے۔

☆ **بصیرت۔** علم کے مدان سے نکل کر بہترواں میدان ''بصیرت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و جعل لکم السمع والابصار۔** (ترجمہ) اور تمھیں کان اور آنکھیں عطا کیں۔(القرآن ۔78:16 , 09:32 , 23:27) یادرہے۔کہ! آنکھ سے کسی چیز کو دیکھنا بصارت ہے، قلب

سے کسی چیز کو دیکھنا اور جاننا بصیرت ہے۔اور عقل وفہم سے کسی چیز کو دیکھنا اور جاننا ادراک ہے۔بصیرت دل کی وہ بینائی ہے۔جو نورِ قدس سے روشنی حاصل کرتی ہے۔اور جس سے کہ حقائق الاشیاء اور ظواہر کے بواطن پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔حدیثِ نبوی ﷺ میں آتا ہے۔مومن کی فراست سے ڈرو۔کہ! وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔بہر حال! بصر سے مراد دیدہ وری ہے۔ بصر کی تین اقسام ہیں۔بصیرتِ عقل۔ بصیرتِ حکمت۔ بصیرتِ فراست۔

بصرِ عقل کے تین فوائد ہیں۔ اول: اپنے سود وزیاں کو پہچاننا اور مقاصد کے انجام پر نگاہ رکھنا۔کیونکہ! اس کے باعث انسان ہر قسم کی ملامت سے بچ جاتا ہے۔ دوئم: خلق کے مراتب، مختلف عادات میں ہر شخص کی طاقت، عقل وخرد میں اس کی قوت اور ہر انسان کی مقدارِ عزم کو دیکھنا۔یہ جملہ امور سلامتی کے موجب ہیں۔ سوئم: ہمہ وقت لوگوں کے ساتھ معاملات میں زیادہ اہم امر کو ملحوظِ خاطر رکھنا۔کیونکہ! یہی بات انسان کی فضیلت وعظمت کا پیرایہ ہے۔

یہ سب عقل کے پیمانہ جات ہیں۔ان کے علاوہ باقی سب خرابی ہی خرابی ہے۔ بصرِ حکمت کی تین علامات ہیں۔اول: ہر قضیے کو شفقت سے دیکھنا۔تاکہ! فتنہ ونزاع درمیان میں باقی نہ رہے۔ دوئم: تقدیر کے ہر معاملے میں حیرت کا مشاہدہ کرنا۔تاکہ جلد بازی ختم ہوجائے۔ سوئم: صنعتِ خداوندی میں اشاراتِ غیبیہ کو دیکھنا۔تاکہ! آگاہیءذات میں اضافہ ہو۔ باطنی مسرت اس راہ (بصرِ حکمت) کی خصوصیت ہے۔

بصرِ فراست کی تین اقسام ہیں۔ تجربہ سے فراست۔ استدلالی فراست۔ دیدہءدل سے فراست۔ **تجربہ سے فراست**: یہ تمام اہلِ تمیز انسانوں کا حصہ ہے۔یہ دید سے متعلق ہے۔یا شنید سے تعلق رکھتی ہے۔یا پھر انسان اسے دانائی سے حاصل کرتا ہے۔ **استدلالی فراست**: یہ دانش مندوں کو میسر ہے۔استدلالی فراست سے مراد دین میں شرعی قیاس،حدودِ دین میں عقلی قیاس اور عامۃ الناس کا طبعی قیاس ہے۔

دیدہءدِل سے فراست: یہ وہ نور ہے۔جو کہ اہلِ ایمان کے قلوب میں ہے۔کیونکہ! یہ ایک برق کی مانند ہے۔جو دل میں چمکتا ہے۔اس کی تابش صحیح (عرفان ومعارف) لے کر آتی ہے۔ یا ایک تموج ہے۔جو دل میں پیدا ہوتا ہے۔جس کے آخر میں حقیقت نمودار ہوتی ہے۔یا پھر اس کے مفہوم کسی غیبی امر پر حتمی اور آخری وقوف ہوتا ہے۔ یہ (نظوری فراست) حضرت خضرؑ کی شان ہے۔

☆ **حیات**۔ بصیرت کے میدان سے نکل کر تیرھواں میدان ''حیات'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **اومن کان میتا فاحیینہ**۔(ترجمہ) بلا ایک شخص کہ مردہ تھا۔پھر ہم نے اسے زندہ کیا۔(القرآن۔122:06) یہاں پر حیات سے مراد جسم کی نہیں بلکہ دل کی زندگانی ہے۔اور دل کی زندگانی تین باتوں سے عبارت ہے۔(کیونکہ!) ہر وہ دل کہ جس میں ان تین باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں۔وہ مردہ ہے۔ وہ زندگی کہ جس میں علم کے ساتھ ساتھ خوفِ الٰہی بھی ہو۔ وہ زندگی کہ جس میں علم کے ساتھ ساتھ اُمید بھی ہو۔ وہ زندگی کہ جس میں علم کے ساتھ ساتھ آشنائی بھی ہو۔ وہ زندگی کہ جس میں علم کے ساتھ ساتھ خوفِ الٰہی بھی ہو۔ آدمی کو پاک دامن بناتی ہے۔ اسے دیدہءدیدار بخشتی ہے۔ اور وہ سیدھی راہ پر چلتا ہے۔ وہ زندگی کہ جس میں علم کے ساتھ ساتھ اُمید بھی ہو۔ اس میں آدمی کو سواری میسر ہے۔ اس کے پاس مکمل زادِ سفر ہے۔اور اس کی راہ بھی قریب ہے۔ وہ زندگی کہ جس میں علم کے ساتھ آشنائی بھی ہو۔ آدمی کو عظیم المرتبت بنادیتی ہے۔اس کے فکر کو آزاد کردیتی ہے۔ اور دل کو مطمئن کردیتی ہے۔ وہ خوف جو علم کے بغیر ہو۔خارجیوں کا خوف ہے۔وہ اُمید جو علم کے بغیر ہو۔رجاء پسندوں کی اُمید ہے۔ وہ آشنائی جو علم کے بغیر ہو۔ بہانہ سازوں کی آشنائی ہے۔بہر حال! حقیقت تو یہ ہے۔کہ! وہ علم الٰہیاتی ہے۔جو امید وبیم اور آشنائی کے ساتھ مشروط ومربوط ہو۔ حیات سے مراد زیست،زندگی،آگاہیءشعور،ظہور اور بروز ہے۔اور موت کے مقابلے میں حیات اقتضائی،اضطراری اور اختیاری ہوتی ہے۔

حیاتِ اقتضائی: حسبِ اقتضائی ذاتی واقع ہوتی ہے۔جیسے کہ تجددِ امثال،مکون اور بروز۔ **حیاتِ اضطراری**: حیاتِ ابدی ہے۔جو عالمِ برزخ اور عالمِ ملکوت میں حسبِ استعداد اور حسبِ حالت عطا فرمائی جاتی ہے۔اسے حیات بعد الممات بھی کہا جاتا ہے۔ **حیاتِ اختیاری**: حیاتِ ابدی قلبی بواسطہ تزکیہ،تصفیہ وتجلیہ۔ حیات وممات کی دو اقسام اور بھی بیان کی جاتی ہیں۔جنہیں حسی حیات اور معنوی حیات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حیاتِ حسی: وہ حیوانی زندگی ہے۔جو جملہ حیوانات میں باہم اور مشترک ہے۔ حیاتِ معنوی: وہ حقیقی اور روحانی زندگی ہے۔جو خواصِ افرادِ انسانی کے ساتھ مختص ہے۔یہ زندگی تین طریقوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ اول: جہل ونادانی کی موت سے نکل علم ودانش کی زندگی میں آجانا۔ دوئم: تفرقہ کی موت سے نکل کر حقیقت کی جانب متوجہ ہونے میں ہمت صَرف کرنا۔ سوئم: فقدان ونایافت کی مردنی سے نکل کر وجود ویافت کی حیات سے زندہ ہونا۔اور اپنی ذات سے فنا ہوکر بقائے حق کی جانب گامزن ہوکر بقا پانا۔ اور انہی تین طریقوں سے ہی مماتِ حسی اور مماتِ معنوی کا فرق بھی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

☆ **حکمت**۔ حیات کے میدان سے نکل کر چودھواں میدان ''حکمت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **یؤتی الحکمۃ من یشآء**۔(ترجمہ) اللہ تعالیٰ جسے چاہے۔اپنی طرف سے حکمت عطا فرماتا ہے۔(القرآن۔269:02) حکمت سے مراد کسی چیز کا صحیح وقوف وادراک ہے۔یعنی حکمت درحقیقت علم وعقل کا ایک عظیم وشریف مقام ومرتبہ ہے۔جو انبیاءؑ اور اولیاء کو عطا کیا گیا۔اس کے تین درجات ہیں۔ دیدار کا درجہ۔ گفتار کا درجہ۔ عمل زندگی گزارنے کا درجہ۔ دیدار کے درجہ سے مراد ہے۔ کسی کام کے مطابق اس کی جانچ پڑتال کرنا۔ کسی چیز کو اس کے درست مقام پر رکھنا۔ ہر وجودِ انسانی میں (اس کے جوہرِ ذاتی) کا صحیح عرفان ہونا۔کیونکہ! یہ عین حکمت ہے۔

گفتار کے درجے سے مراد ہے۔کہ! برمحل بات کرنا۔ابتدائے سخن میں اس کی انتہا کو معلوم کرنا۔ہر سخن کے ظاہر میں اس کی تہہ تک پہنچ جانا۔کیونکہ! یہ بنائے

حکمت ہے۔ حکمت سے زندگی گزارنا تین امور سے متعلق ہے۔خلق کے ساتھ شفقت ومروت سے اپنے معاملات کی نگہداشت کرنا۔امید وبیم کے درمیان ذاتی معاملات کی اہمیت کا دھیان رکھنا۔ہیبت وانس کے درمیان حق تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملات کی نگہبانی کرنا۔ کیونکہ! یہ ثمرہ ءحکمت ہے۔اسے خوب اچھی طرح سے سمجھنا چاہیئے۔ یادرہے۔کہ! علمِ حقائق وہ علم ہے۔کہ جس سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔اس علم کو دوسرے علوم سے عام وخاص کی نسبت حاصل ہے۔اس کا موضوع کسی حدِ معین پر محدود نہیں ہوسکتا۔بلکہ تمام علوم کا موضوع اس کا موضوع ہے۔اسی کا نام''علمِ حکمت'' ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ!**ومن یؤ تی الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا**۔(ترجمہ)اور جو کوئی دیا گیا حکمت۔پس دیا گیا بھلائی بہت۔(القرآن۔37:02)

☆ **معرفت**۔ حکمت کے میدان سے نکل کر پچھتر واں میدان''''معرفت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **اعینھم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق**۔(ترجمہ) آپ عرفانِ حق کے باعث ان کی آنکھوں کو اشکبار دیکھیں گے۔(القرآن۔83:05)

معرفت سے مراد پہچان ہے۔اس کے تین ابواب ہیں۔اور تین ابواب مزید تین درجات میں تین ترتیبات کے ساتھ ہیں۔

بابِ اول :وجودِ باری تعالیٰ۔اس کی یکتائی اوراس کے بے مثل ہونے کا عرفان۔یہ بنائے اسلام کا باب ہے۔اس باب تک رسائی کی راہ امورِ دنیوی کی بست وکشاد میں صانع کی تدبیر کے مشاہدے سے ہے۔ بابِ دوئم :اس کی لامحدود قدرت،دانائی اورمہربانی کی شناخت۔ یہ بنائے ایمان کا باب ہے۔اس باب کی راہ تک رسائی مظاہرِ قدرت کے عرفان میں صانع کی حکمت کو دیکھنا ہے۔ بابِ سوئم :اس کے احسان،دوست داری اورقرب کی پہچان۔یہ بنائے اخلاص کا باب ہے۔اس باب کی راہ تک رسائی امور کی غور و پرداخت میں مولا کریم کی عنایت کو دیکھنے اور جرموں کی فروگزاشت سے مربوط ہے۔یہ باب اہلِ معرفت کا باب ہے۔یہ اہلِ محبت کے لئے اکسیر ہے۔اور خاصانِ بارگاہ کا طریق ہے۔یہ طریق دل نشین،نشاط انگیز اور محبت افزا ہے۔

حضرت یحیٰ بن معاذ رازی کا فرمان ہے۔کہ! **من عرف نفسه فقد عرف ربه**۔ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔اُس نے رب کو پہچان لیا۔

☆ **کرامت**۔ معرفت کے میدان سے نکل کر چھہتر واں میدان''کرامت'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و جعلنی من المکر مین**۔(ترجمہ) اور مجھے عزت والوں میں سے کیا۔(القرآن۔07:36) کرامت سے مراد ایسا امر جس کی استطاعت انسانی عقل وسوچ سے بالا اور جس کی انجام دہی انسانی کوشش واستعداد سے ناممکن العمل ہو۔کرامت اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک انعام ہے۔کرامت کی دواقسام ہیں۔ کرامت فی اللہ۔کرامت فی الخلق۔ کرامت فی اللہ ،جو کہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان تعلقات سے متعلق ہے۔اس کا علم کسی غیر کو نہیں ہوسکتا۔

کرامت فی الخلق،جو کہ کسی قدر بندوں سے متعلق ہے۔کرامت فی الخلق کی مزید دواقسام ہیں۔تصرف فی الخلق۔اظہارِ خرقِ عادات۔ تصرف فی الخلق طالبانِ حق کے لئے مفید اور کارآمد ہے۔اس کی بدولت مریدین کے قلوب اور طبائع وافعال وحرکات واخلاق کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔یہ قلبِ ماہیت چونکہ بتدریج واقع ہوتی ہے۔اس کا فوری اظہار علوم پر نہیں ہوتا۔ اظہارِ خرقِ عادات کی فوری طور پر نمائش ہو جاتی ہے۔مگر ارشاد وطلبِ حق کے امور میں مفید نہیں۔یہ استثناء اس صورت کے لوگ ان خوارق کو دیکھ کر صاحبِ کرامت (شیخ ومربی) کے معتقد ہو جائیں۔اور طلبِ حق میں اس کی جانب رجوع کریں۔اور مستفید ومتفع ہوں۔بہرحال! اللہ رب العزت کی جانب سے بندے کے حال پر کرامت اس قدر ہے۔کہ جس کا کوئی حد و حساب نہیں۔بنیادی طور پر وہ تین باتوں سے عبارت ہے۔ اول: وہ کرامت جو ہدایت وبرگزیدگی سے متعلق ہے۔اس کے بارے میں قرآنِ حکیم میں وارد ہے۔کہ! **کرمت علی**۔(مجھ کو بڑائی عطا کی) دوئم : وہ کرامت جو سب کے لئے کافی و وافی ہے۔قرآنِ حکیم میں وارد ہے۔کہ! **کر منا بنی آدم**۔(اور ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی) سوئم: وہ کرامت جو قربِ الٰہی سے وابستہ ہے۔قرآنِ حکیم میں وارد ہے۔کہ! **و جعلنی من المکر مین**۔(اور مجھے عزت والوں میں سے کیا) کرامتِ ہدایت کے تین نشانات ہیں۔ اسلام میں استقامتِ احوال۔ اخلاق وخدمت میں سنتِ مطہرہ کی پیروی۔ اپنے مقدر پر صدقِ یقین۔ وہ کرامت جو سب کے لئے کافی و وافی ہے۔اس کی تین علامتیں ہیں۔ کسی حیلے اور جھگڑے کے بغیر رزق کا ہر روز پہنچنا۔ کسی تردد کے بغیر سکون وعافیت کا میسر آنا۔ کسی قسم کی چاپلوسی اور خواری کے بغیر عیش ومسرت کا نصیب ہونا۔ وہ کرامت جو قربِ خداوندی سے وابستہ ہے۔اس کے تین نشانات ہیں۔خدمت کا بے تکلف انجام دینا۔ مستقبل کا موافق حال ہونا۔ خیر وبرکت سے بہرہ یابی اور قبولیتِ دُعا۔

☆ **حقیقت**۔ کرامت کے میدان سے نکل کر ستتر واں میدان'' حقیقت '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و علمنٰه من لدنا علما**۔(القرآن۔65:18)اس اعتبار سے کہ! تمام شریعتیں سر بسر حقائق ہیں۔لہذا جو کچھ حق ہے۔وہ بالکل حقیقت ہے۔ حقیقت ظہورِ ذاتِ حق بلا حجاب تعینات۔ اربابِ تصوف میں اس کا استعمال چند طور پر ہوتا ہے۔اول تو حقیقت کا استعمال مجاز کے مقابلے میں ہوتا ہے۔یہاں حقیقت سے مراد باطن اور مجاز سے مراد ظاہر ہے۔ہر شئے میں عالمِ شہادت مجاز ہے۔جس کے مقابلے میں عالم،مثال حقیقت ہے۔اور اگر عالمِ مثال مجاز ہے۔تو عالمِ ارواح حقیقت ہے۔اور اگر عالمِ ارواح مجاز ہے۔تو اس کے مقابل عالمِ اعیان حقیقت ہے۔اور اگر عالمِ اعیان مجاز ہے۔تو اس کے مقابل علم حقیقت ہے۔اور اگر علم مجاز ہے۔تو اس کے مقابلے میں ذات حقیقت ہے۔اب چونکہ ذات ہر چیز کی مبدع ہے۔اسی لئے وہ حقیقۃ الحقائق ہے۔جیسا کہ مشہور ہے۔**حقیقة کل شیء هو الحق**۔(ہر شئے کی حقیقت حق ہی ہے) بندہ کے اوصاف جب حق تعالیٰ کے اوصاف میں محو(Merge) ہو جاتے ہیں۔اور بندہ کی ذات حق تعالیٰ کی ذات میں گم اور فنا ہو جاتی ہے۔تو بندہ اپنی حقیقت کو پالیتا ہے۔ دوسرا استعمال حقیقت کا اعتبارات کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ذاتِ حق تعالیٰ ہر چیز کی حقیقت ہے۔اور ہر چیز کا وجود اعتباری ہے۔اور حق

تعالیٰ ہی سے اپنا وجود پائے ہوئے ہے۔ وہ چونکہ مستقل حقیقت ہے۔ اسی لئے حق تعالیٰ ہی حقیقۃ الحقائق ہے۔ تیسرا استعمال حقیقت کا اس موقع پر ہوتا ہے۔ جہاں کسی چیز کو واقع اور فی نفس الامر بیان کرنا منظور ہوتا ہے۔ اس محل میں اس لفظ سے مراد صوَرِعلمیہ اور اعیانِ ثابتہ سے ہوتی ہے۔ جنہیں حقائق الممکنات بھی کہتے ہیں۔ یادرہے۔ کہ! علمِ حقائق وہ علم ہے۔ کہ جس سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس علم کو دوسرے علوم سے عام و خاص کی نسبت حاصل ہے۔ اس کا موضوع کسی حدِ معین پر محدود نہیں ہوسکتا۔ بلکہ تمام علوم کا موضوع ہے۔ اسی کا نام ''علمِ حکمت'' ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **ومن یؤ تی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا** ۔(ترجمہ) اور جو کوئی دیا گیا حکمت۔ پس دیا گیا بھلائی بہت۔ (القرآن۔37:02) حقائق کے تین اصول ہیں۔ ان تین حقیقتوں میں سے! حقیقتِ اول یہ ہے۔ کہ! اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا، اس سے واقف اور بے مثل و بے مثال ہے۔ کسی کام کی اصل اور اس کے آغاز و انجام کا علم تو صِرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس کے احکامات کے رموز و اسرارِ الٰہیہ کی وہ تاویلات جو نگاہِ خلق سے مخفی ہیں۔ انہیں صِرف وہی جانتا ہے۔

حقیقتِ دوئم یہ ہے۔ کہ! جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر نبیؑ کو سکھلائی ہے۔ جو کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر پوشیدہ تھی۔ جبکہ حضرت خضر نبیؑ اس سے آگاہ تھے۔ اس حقیقت سے تین باتیں ظہور پذیر ہوئیں۔ کشتی کا توڑنا۔ لڑکے کو مار ڈالنا۔ دیوار کو درست کرنا۔

حقیقتِ سوئم یہ ہے۔ کہ! اہلِ حکمت اس کے باعث بینا ہیں۔ اہلِ معرفت اس کے سبب دانا ہیں۔ اور اہلِ بصیرت اس سے آشنا ہیں۔

حقیقت کے ایک ہزار اجزاء ہیں۔ اور ایک ہزار درجات ہیں۔ اور وہ تین ترتیبوں پر ہیں۔ **الھام۔ فراست۔ ابصار۔**

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ! **فاذا ھم مبصرون** ۔(ترجمہ) پس ناگہاں وہ دیدہ ور ہو جاتے ہیں۔ (القرآن۔201:07) اِبصار سے مراد کسی چیز کو صحیح طور سے دیکھنا ہے۔ جس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے۔ جس طرح سے چاہے اور جس چیز کے بارے میں چاہے۔ دیدہ ور (بصیرت رکھنے والا) بنا دیتا ہے۔ آنحضرت نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ! ہر بندے کے دل کی دو آنکھیں ہوتی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ تو اس کے قلب کی دونوں آنکھیں کھول دیتا ہے۔ تاکہ وہ ان چیزوں کو دیکھ لے۔ جو اس کی ظاہری آنکھوں سے مخفی ہے۔

☆ **ولایت۔** حقیقت کے میدان سے نکل کر اُٹھہتر واں میدان'' ولایت '' کا نکلتا ہے۔ وہ حضرات جو اس زمرے سے متعلق ہیں۔ اولیاء اللہ ہیں۔ اور اوتادان کے درمیان ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ۔(ترجمہ) یادرکھو! اولیاء اللہ (اللہ تعالیٰ کے حقیقی دوستوں) پر نہ کوئی خوف ہے۔ اور نہ ہی وہ کبھی غمگین ہوں گے۔ (القرآن۔62:10) اولیاء اللہ کی تین علامات ہیں۔

سلامتی قلب۔ سخاوتِ نفس۔ نصیحتِ خلق۔ سلامتی قلب سے مراد تین باتوں سے نجات حاصل کرنا ہے۔ بارگاہِ خداوندی میں شکایت سے۔ مخلوق کے ساتھ جھگڑنے سے۔ خود پسندی سے۔ سخاوتِ نفس کے تین نشانات ہیں۔ اپنی خواہشات سے کنارہ کشی اختیار کرنا۔ لوگ جن امور میں غرق ہیں۔ ان سے پیچھے ہٹ جانا۔ کثرتِ دنیا کا انتظار نہ کرنا۔ نصیحتِ خلق کے تین نشانات ہیں۔ نیک لوگوں سے دوستی رکھنا۔ گناہ گاروں سے درگزر کرنا۔ خلق کی خیر خواہی کرنا۔ یہ اخلاقِ عالیہ ہیں۔ اِن کے تین اصول ہیں۔ نیک دلی۔ جوانمردی۔ کم آزاری۔

☆ **تسلیم۔** ولایت کے میدان سے نکل کر اناسی واں میدان'' تسلیم '' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **وسلموا تسلیما** ۔(ترجمہ) اور (حضرت جناب رسالت مآب ﷺ پر) خوب سلام بھیجا کرو۔ (القرآن۔56:33) تسلیم سے مراد خود کو ان تمام امور میں جو خلاق اور مخلوق کے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے۔ اور جن کا تعلق اعتقاد و خدمت اور معاملہ وحقیقت سے ہے۔ ان سب کی بنیاد تسلیم ہے۔ اور تسلیم کی مزید تین اقسام ہیں۔ **تسلیم توحید۔ تسلیم قسمت۔ تسلیم تعظیم۔**

تسلیم توحید تین باتوں سے عبارت ہے۔ بن دیکھے اللہ تعالیٰ کو پہچاننا۔ اس کی نایافت کو قبول کرنا۔ بغیر کسی معاوضے کے عبادت کرنا۔

تسلیم قسمت تین باتوں پر مبنی ہے۔ اس کی کارسازی پر کامل اعتماد۔ نیک گمان کے ساتھ اس کے فرامین کو ماننا۔ حظِ نفس کی تگ و دو سے احتراز۔

تسلیم تعظیم کے تین نشانات ہیں۔ اس کی ہدایت کے مقابلے میں اپنی کوشش کو بے حقیقت دیکھنا۔ اس کی عنایات میں اپنی ہمت کو حقیر سمجھنا۔ اس کے فضل و کرم میں اپنے نام و نشان سے صَرفِ نظر کرنا۔

☆ **استسلام۔** تسلیم کے میدان سے نکل کر اسی واں میدان'' استسلام '' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **قل ان الھدی اللہ ھو الھدی . وامرنا لنسلم لرب العالمین** ۔(ترجمہ) آپ فرمادیں۔ کہ! بے شک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ کہ دونوں جہانوں کے پروردگار کے لئے مطیع ہو جائیں۔ (القرآن۔71:06) استسلام دراصل اسلام کی حقیقت کو کہا جاتا ہے۔

استسلام کے تین درجات ہیں۔ شرک سے نجات۔ ہر مخالفت سے رہائی۔ اپنی ذات سے دستگاری۔

شرک تین طرح کا ہے۔ شرکِ عظیم ہر ایک کو معلوم ہے۔ اس سے کم تر شرک شک واشتباہ ہے۔ سب سے ادنیٰ شرک ریا ہے۔

یادرہے۔ کہ! جو شخص شرک کے ان تینوں درجات سے بچ نکلا۔ اس نے گویا کہ تین سخت آزمائشوں سے نجات پائی۔

ہر مخالفت سے رہائی تین باتوں سے عبارت ہے۔ دین میں بدعت سے۔ دینی احکامات پر اظہارِ غضب۔ عہد شکنی۔

رستگاریٔ ذات تین چیزوں سے نجات پر مبنی ہے۔ اپنی خواہشات سے۔ ہر حیلہ سازی سے۔ ذاتی دبدبے سے۔

قولِ غوثیہ : حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں۔کہ! اسلام کا معنیٰ استسلام ہے۔یعنی سرِ تسلیم خم کر دینا۔خود کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔اور اولیاء اللہ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے سر جھکا لئے ہیں۔چوں چرا، کرا ور نہ کر کو بھلا دیا ہے۔وہ طرح طرح کی طاعتیں بجا لاتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے سامنے خوف کے قدموں پر کھڑے رہتے ہیں۔ان پر ہر وقت خوف طاری رہتا ہے۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے۔کہ! **یؤ تون ما اٰتو ا و قلو بهم و جله**۔(یعنی کہ) وہ کچھ بھی کریں۔مگر ان کے دل ڈرے رہتے ہیں۔

☆ **اعتصام**۔ استسلام کے میدان سے نکل کر اکاسی واں میدان'' اعتصام '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **واعتصموا بحبل الله جمیعا**۔(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔(القرآن۔**103:03**) اعتصام سے مراد کسی چیز کو پکڑنا ہے۔ اعتصام تین طرح کا ہے۔

اول: توحید سے اعتصام ،کہ جس کے بارے میں قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔ **فقد استمسک با لعروۃ الو ثقٰی**۔(ترجمہ) پس اس نے بڑے محکم حلقے کو پکڑ لیا۔(القرآن۔**256:02 , 23:31**) دوئم: قرآنِ حکیم سے اعتصام اور اس پر عمل پیرا ہونے سے یہی مراد ہے۔کہ! **واعتصموا بحبل الله جمیعا**۔(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔(القرآن۔**103:03**) سوئم: ذاتِ باری تعالیٰ اس پر شاہد ہے۔کہ! **و من یعتصم با لله**۔(ترجمہ) جو اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے۔(القرآن۔**101:03**) توحید سے اعتصام تین باتوں کے ساتھ وابستہ ہے۔ زمین و آسمان کا واحد شہنشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تمام امور کا واحد مبداء صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ احکامات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ سے صادر ہوتے ہیں۔ قرآنِ حکیم سے اعتصام تین باتوں پر مبنی ہے۔ یہ جان لینا کہ دین قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کے فرامین سے ہی وابستہ ہے۔ قرآنِ حکیم لانے والا حق ہے۔ اس کے اوامر و نواہی کی پاسداری اور متشابہاتِ قرآن کا اقرار کرنا۔ حق سے اعتصام تین باتوں سے عبارت ہے۔ اس کی ضمانت دینے والی شان پر اظہارِ اعتماد۔ اس کے لطف و کرم سے وابستگی۔ بارگاہِ بے نیاز میں دستِ نیاز اُٹھانا۔ (بقولِ شیخ سعدیؒ)

کفِ نیاز بہ درگاہِ بے نیاز برآر   کہ کارِ مردِ خدا جز خدای خوانی نیست

☆ **انفراد**۔اعتصام کے میدان سے نکل کر بیاسی واں میدان'' انفراد '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **قل انما اعظکم بواحدۃ . ان تقوموا لله مثنٰی و فرادٰی**۔(ترجمہ) آپ فرمادیں۔کہ! میں تمھیں صِرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں۔یہ کہ! اللہ تعالیٰ کے لئے دو دو اور ایک ایک کھڑے ہوجاؤ۔(القرآن۔**46:34**) انفراد سے مراد یکتا ہونا ہے۔ انفراد تین طرح کا ہے۔ قصد کی جداگانہ شان میں قصد کرنے والوں کا انفراد۔ توکل کی درستی میں متوکلین کا انفراد۔ غلبہء ہیبت یا نسیمِ اُنس کے وقت اہلِ وجدان کا اُنس۔اہلِ قصد کے انفراد کی تین علامات ہیں۔ اپنی ذات اور ہر دو جہاں سے قدم ہٹالینا۔ خود کو اپنے سامنے ملحوظ نہ رکھنا۔ مولا کریم سے اس کی ذات کے بغیر راضی رہنا۔(**اَز حق بجز حق خر سند نا بودن**)

متوکلین کا انفراد تین طرح کا ہے۔ اسباب پر تکیہ نہ لگائے رہنا۔ علائقِ دنیوی کو قبول نہ کرنا۔ اپنی تدبیر سے احتراز کرنا۔

اہلِ وجدان کا انفراد تین باتوں سے عبارت ہے۔ نفس کا فنا ہوجانا۔ خلق سے روپوشی اختیار کرنا۔ محبتِ الٰہی میں سرمستی و سرشاری۔

☆ **سر**۔ افراد کے میدان سے نکل کر تراسی واں میدان'' سر '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **والله یعلم اسرار هم**۔(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ ان کے چھپانے کو جانتا ہے۔(القرآن۔ **26:47**) سر انسان کی آرزوؤں کا وہ حاصل ہے۔جس کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے ہے۔اور وہ اس قدر پوشیدہ ہے۔کہ! اس کے بارے میں عبارت آرائی محال ہے۔اور خود انسان بھی اس کے بیان سے قاصر ہے۔

وہ تین طرح کا ہے۔ بنی نوعِ انسانی سے پوشیدہ۔فرشتوں سے پوشیدہ۔ اپنی ذات سے پوشیدہ۔ جو بنی نوعِ انسان سے پوشیدہ ہے۔ اس سے مراد خلوت میں خدمت کرنا ہے۔جو فرشتوں سے پوشیدہ ہے۔وہ حقائق کا انکشاف ہے۔جو خود اپنی ذات سے پوشیدہ ہے۔ وہ رابطہء الٰہی میں محو، مستغرق اور مشغول ہے۔ خلوت میں خدمت کی شرائط سے مراد تین باتیں ہیں۔ خدمت کے اصول کا عرفان۔ حقوق العباد کو پامال نہ کرنا۔ خلق سے اپنے دکھ درد کو چھپانا۔(اور) جسے یہ حال و کیفیت نصیب نہ ہو۔اس کی خلوت معصیت ہے۔ حقیقت کے انکشاف کی تین علامات ہیں۔ فراخ دلی سے تقدیرِ خداوندی کو قبول کرنا۔ خلق کی عذر داریوں کو بہ غور جانچنا۔حق تعالیٰ کے انعامات پر اپنی نگاہ کو مرکوز رکھنا۔ رابطہء الٰہی میں محویت، استغراق اور مشغولیت چشم زدن میں بجلی کی طرح انسان پر غالب آنے والا ہے۔اس طور پر کرے۔کہ بندے کے دل کی آنکھ وابستہء حق ہوجاتی ہے۔یہ حال تین کیفیات کے درمیان ہے۔خوف صِرف ایک ہی ذات (حق متعال) سے۔ اُمید صرف ایک ہی ذات (حق متعال) سے۔ محبت صِرف ایک ہی ذات (حق متعال) سے۔ اور وہ ذات بجز ذاتِ حقیقتِ حق کے سوا اور کچھ نہیں۔اور جو بھی کچھ اس (حق تعالیٰ) کے علاوہ ہے۔وہ لاشے اور عدمِ محض ہے۔

☆ **غناء**۔ سر کے میدان سے نکل کر چوراسی واں میدان'' غناء '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **و و جدک عآئلا فا غنٰی**۔(ترجمہ) اور آپ کو حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا۔(القرآن۔**08:93**) غنا سے مراد تونگری ہے۔غنا تین باتوں سے عبارت ہے۔غنائے مال۔غنائے عادت۔ غنائے قلب۔ غنائے مال تین طرح کا ہے۔ جو غنا رزقِ حلال سے متعلق ہے۔ اس میں محنت درکار ہے۔ جو غنا حرام سے پیدا ہوتی ہے۔وہ لعنت ہے۔جو غنا کثرتِ مال سے پیدا ہو۔وہ عذاب ہے۔غنائے عادت کا تعلق نفس سے ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔کہ! **الغنٰی غنی النفس**۔ غنائے نفس تین باتوں سے عبارت ہے۔خوشنودی۔قناعت۔جوانمردی۔ غنائے دل، روایتِ حدیث میں غنائے قلب سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس سے مراد تین باتیں ہیں۔بلند ہمتی ساری کائنات سے بڑھ کر ہے۔انسان کی مراد بہشت سے اعلیٰ ہے۔سکون و راحت ساتوں زمینوں اور آسمانوں سے بہتر ہے۔

☆ **بسط**۔ غناء کے میدان سے نکل کر پچاسی واں میدان ''بسط'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **افمن شرح اللہ صدرہ للا سلام فھو علی نور من ربہ** ۔(ترجمہ) تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا۔تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔(القرآن۔**22:39**) علمائے متصوفین کے مطابق وارداتِ قلبی کے بند ہو جانے کو قبض اور وارداتِ قلبی کے کھل جانے کو بسط کہا جاتا ہے۔

بہرحال! بسط سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندے کے دل ، وقت اور ہمت کو وسعت عطا کرنا۔ وہ تین طرح کا ہے۔بسطِ دُعا۔بسطِ خدمت۔بسطِ طلب۔

بسطِ دُعا کے تین نشانات ہیں۔احترام کے ساتھ اپنے مالک کو پکارنا۔ ہیبتِ الٰہی کے ساتھ گریہ کرنا۔ وہ سوال کرنا، کہ جس میں صِرف طلبِ خیر ہو۔

بسطِ خدمت کی تین علامات ہیں۔ انسان کے بے شمار کام اس پر آسان ہو جاتے ہیں۔ بے پناہ جذبہء خدمت جو کہ خلق سے پوشیدہ ہو۔ خدمت کے وقت دل کی پیش قدمی۔ بسطِ طلب کے تین نشانات ہیں۔ معلومات کی کمی کے باوجود فوائد کی کثرت۔ خدمت قلیل مگر لذتِ کثیر۔ فکر کم مگر دیدار کی دولت فراواں۔ بسط دو طرح کا ہوتا ہے۔ بسطِ مفید۔ بسطِ مُضر۔

بسطِ مفید یا بسطِ محمودہ دراصل وہ بسط ہے۔کہ جس میں سالک کی دل بستگی ،منزلِ سلوک کی دلچسپی کا باعث ہو۔اور سالک آگے بڑھتا چلا جائے۔اور یہ دل چسپیاں مزید ترقی کی امنگیں دل میں پیدا کرتی جائیں۔ **بسطِ مضر یا بسطِ مذموم** دراصل وہ بسط ہے۔کہ جس میں سالک کی دل بستگی ،منزلِ سلوک کی دلچسپی کا باعث تو ہو۔مگر سالک آگے نہ بڑھ سکے۔ یاد رہے۔کہ! جب سالک کو ابتداء ہی میں خوف ورجاء سے سابقہ پڑتا ہے۔جونہی اس کی ترقی ہونے لگتی ہے۔تو اُس پر قبض وبسط کی حالتیں طاری ہونے لگتی ہیں۔جب وہ زیادہ ترقی کرتا ہے۔تو اُن سے بھی اعلیٰ تر حالتوں سے اسے سابقہ پڑتا ہے۔جنہیں ہیبت واُنس کہا جاتا ہے۔کیونکہ! قبض وبسط کا تعلق امورِ حاضرہ سے ہے۔وارداتِ غیبی قلب پر وارد ہوں۔تو بسط ورد بند ہو جاتے ہیں۔اور نتیجے میں قبض پیدا ہو جاتا ہے۔جبکہ! خوف ورجاء کا تعلق مستقبل سے ہے۔امرِ مکروہ درحقیقت مستقبل سے خوف اور امرِ محبوب مستقبل سے رجاء کا پیدا ہونا ہے۔یہ سالک کے امورِ ابتدائی ہیں۔ وارداتِ قلبی سے تجاوز کر کے جب سالک دولتِ مشاہدہ سے سرفراز ہوتا ہے۔تو ہیبت وانسیت کے درمیان چوگان بنایا جاتا ہے۔ مشاہدہء جلال کا نتیجہ ہیبت جبکہ مشاہدہ جمال کا نتیجہ اُنسیت ہوتا ہے۔یا بعض کے نزدیک غیبت میں ہیبت اور صحو میں اُنس پیدا ہوتا ہے۔

لیکن صوفیائے محققین نے ہیبت واُنس سے بھی پناہ طلب کی ہے۔کیونکہ! وہ جلال وجمال کی تفریق سے بھی بلند تر پرواز کرنے اور آشیانہء ذات میں متمکن ہونے کے آرزومند رہتے ہیں۔اہلِ تمکین کے احوال تغیر سے بالاتر ہیں۔وہ عین وجود میں محو ہوتے ہیں۔اُن کے لئے تو نہ ہیبت ہے نہ اُنس۔نہ علم ہے اور نہ ہی حِس۔اور اُن کی ترقی بھی وجود ہی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔

☆ **انبساط**۔بسط کے میدان سے نکل کر چھیاسی واں میدان ''انبساط'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فاوا الی الکھف ینشر لکم ربکم من رحمتہ** ۔(ترجمہ) پس تم غار میں پناہ لو۔تمھارا رب تمھارے لئے اپنی رحمت پھیلا دے گا۔(القرآن۔**16:18**) انبساط سے مراد حضوری سے مطلع ہونا اور آرزوئے دیدار ہے۔طالبانِ دیدار تین قسم کے لوگ ہیں۔ پیروی کرنے والے جو کہ آنحضور نبی مکرم ﷺ کی اس دُعا کے مطابق دُعا کرتے ہیں۔**اسئلک لذۃ النظر الی وجھک** ۔(ترجمہ) اے اللہ تعالیٰ! میں تیرے رُخِ مبارک کی جانب لذتِ نگاہ کا طلب گار رہوں۔(الحدیث)

اس طبقہ کے لوگوں کے لئے تین باتیں ضروری ہیں۔مقامِ دیدار کی طرف رجوع۔ خود کو (عجز وانکساری کی وجہ سے) دیدار کے قابل نہ سمجھنا۔ جنابِ سرورِ کائنات ﷺ کی مکمل اتباع کرنا۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں۔جو غافل ہیں۔مگر دیدار کے آرزو رکھتے ہیں۔وہ ایک عادت کے تحت ذاتِ باری تعالیٰ کے متلاشی ہیں۔ فی الحقیقت دیدار کے اہل تیسری قسم کے یہ لوگ ہیں۔ جنہیں قلبی انبساط میسر ہے۔اور ان کا نفس فانی ہو چکا ہے۔ دل میں (آتشِ عشق) فروزاں ہے۔ جن کی روح آرزو کے ساتھ یکجان ہے۔

☆ **سماع**۔ انبساط کے میدان سے نکل کر ستاسی واں میدان ''سماع'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **ولو علم اللہ فیھم خیرا لا سمعھم** ۔(ترجمہ) اگر اللہ تعالیٰ ان میں کچھ بھلائی جانتا۔تو انہیں سنا دیتا۔(القرآن۔**23:08**)

سماع کے تین مفاہیم ہیں۔ خواب سے بیدار کرنا ، سکون سے نکل کر حرکت اختیار کرنا ، کشتہء عشق کو پانی دینا۔

سالک کے لئے یہ جاننا نہایت ضروری ہے۔کہ! سویا ہوا کون ہے؟ آرام میں کون ہے؟ کشتہء عشق کسے کہتے ہیں؟ بہرحال! سماع حیات بخش ہے۔اہلِ سماع تین قسم کے افراد ہیں۔ پہلا طبقہ وہ ہے۔جو سماع اور اس کی روح سے باطنی طور پر واقف ہے۔ دوسرا طبقہ وہ ہے۔۔ ۔تیسرا طبقہ وہ ہے۔جس کے کیف وسرور کا مرکز ایک لطیفہء نور ہے۔جو سماع کے ظاہر و باطن اور اس کے اشارات کے درمیان مخفی ہے۔

پہلی قسم کے لوگوں نے سماع کو تین باتوں کے ساتھ قبول کیا۔گوش وہوش کے ساتھ۔ امتیازی صلاحیتوں کے ساتھ۔ فطری حرکات کے ساتھ۔

سماع نے اس طبقے کے لوگوں کو تین لذتوں سے باز رکھا۔ دنیوی آسائش سے۔ دنیوی غموں سے۔ دنیوی اشغال سے۔

دوسری قسم کے لوگوں نے سماع کو تین امور سے قبول کیا۔ گوش سے۔ لطافتِ نگاہ سے۔ نیازمندی کے ساتھ استفادہ کے باعث۔

سماع نے انہیں دو ہدیوں سے نوازا ہے۔ہر دکھ و تکلیف سے نجات۔ نکتہ ہائے حکمت سے۔

تیسرے طبقے کے لوگوں نے بھی سماع کو باتوں کے ساتھ قبول کیا ہے۔فنائے نفس کے ساتھ۔ دلِ مضطرب کے ساتھ۔سوزِ جاں کے ساتھ۔

انہیں یہ تین کیفیات میسر آئیں۔ محبت کے جھونکے۔ سرمستی ازل کی یاد۔ مسرتِ جاوید۔ (بقول شاعر حضرت شیخ احمد جامؒ)

جاں بریں یک بیت داد است آں بزرگ　　آرے ایں گوہر زِ کانے دیگر است

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر است

☆ **اطلاع**۔ سماع کے میدان سے نکل کر اٹھاسی واں میدان'' اطلاع '' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **سنریھم ایٰتنا فی الاٰ فاق و فی انفسھم** ۔(ترجمہ) ہم عنقریب ان کو آفاق میں اور خود ان کی ذات میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ (القرآن ۔ 53:41) سننے والے کی اطلاع کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی جناب سے اپنے نصیب پر آگاہ ہونا ہے۔ اطلاع پانے والے تین قسم کے افراد ہیں۔

اول: وہ اطلاع جو بیداریء دل کے ساتھ قرآن حکیم کے سننے والے کو تین چیزیں عطا کرتی ہیں۔ ایسا خوف جو خطا سے روکتا ہے۔ ایسی اُمید جو خدمت پر ثابت قدم رکھتی ہے۔ ایسا سکونِ قلب جو امرِ الٰہی کے ساتھ موافقت کرتا ہے۔ دوئم: ایسی اطلاع جو فراغتِ قلب کے ساتھ علم کے سننے والے کو تین چیزوں سے نوازتی ہے۔ عمل میں پاکیزگی۔ عقل میں ہدایت۔ دل میں تونگری۔ سوئم: وہ اطلاع جس میں بصیرتِ قلب کے ساتھ اشارارتِ معرفت سننے والے کو تین باتوں سے بہرہ ور کرتی ہیں۔ عرفانِ خداوندی میں معاونت۔ ہیبتِ الٰہی کی تجلی۔ نسیمِ قرب۔

☆ **وجد**۔ اطلاع کے میدان سے نکل کر نواسی واں میدان'' وجد '' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **و ر بطنا علیٰ قلو بھم اذ قا مو ا** ۔(ترجمہ) اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا۔ جب وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ (القرآن ۔ 14:18) وجد سنگِ اختیار اور آہنِ نیازمندی کے درمیان آتشِ سوزاں کی مانند ہے۔ یہ تین طرح کا ہے۔ نفس کے لئے۔ دل کے لئے۔ روح کے لئے۔ وہ وجد کہ نفس کو لاحق ہوتا ہے۔ یہ باطنی وجد ہوتا ہے۔ یہ وجد عقل پر چھا جاتا ہے۔ اس سے صبر و سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یہ اسرارِ الٰہی کو فاش کر دیتا ہے۔ وہ وجد کہ دل کو لاحق ہوتا ہے۔ یہ وجد معنوی ہے۔ انسانی قوت پر غالب آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے! انسانی وجود حرکت میں آتا ہے۔ وہ نعرہ زنی کرتا ہے۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے۔ وہ وجد کہ روح کو لاحق ہوتا ہے۔ وجد شہودی ہے۔ کیونکہ! اس میں حق تعالیٰ بندے پر نگاہ کرم ڈالتا ہے۔ اس میں! انسان کو اللہ تعالیٰ سے فی الفور حظِ وافر نصیب ہوتا ہے۔ اس کا نفس حقیقتِ ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ اس کی روح اس عالم سے منقطع ہونا چاہتی ہے۔

☆ **لحظہ**۔ وجد کے میدان سے نکل کر نوے واں میدان'' لحظہ '' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترٰنی** ۔(ترجمہ) آپ پہاڑ کی طرف دیکھیں۔ پس اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا۔ تو آپ عنقریب مجھے دیکھیں گے۔ (القرآن۔ 143:07) صاحبِ وجد کے لحظہ سے مراد اس کا اپنے باطنی مقصد پر نگاہ ڈالنا ہے۔ اس میں تین قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پہلے وہ ہیبت زدہ انسان کہ جس نے! اپنے مقصد کی تلاش کی۔ زمانے کے مکر و فریب دیکھے۔ اور فانی ہو کر مقامِ وصول تک پہنچا۔ یہ وہ طبقہ ہے۔ کہ! جس نے زہد اختیار کیا۔ اور خدمت کو شعار بنایا۔ دوسرے وہ عاشق کہ جس نے! سعادتمندی کی تلاش کی۔ اس کا نشان پایا۔ علائق سے یکسو ہو کر مقامِ وصول تک پہنچا۔ یہ وہ طبقہ ہے۔ کہ! جس نے احترام و حیاء کو اپنایا۔

تیسرے وہ درمند لوگ کہ جنہوں نے! اپنے اوقات کو ملحوظ رکھا۔ نورِ خداوندی کو (اپنے ظاہر و باطن میں) پایا۔ ذاتِ حق میں مستغرق ہو کر مقامِ وصول تک جا پہنچا۔ یہ وہ طبقہ ہے۔ کہ! جس نے اپنے نفس سے انقطاع اختیار کیا۔ اور نجات پائی۔ اسے اچھی طرح سمجھنا چاہیئے۔

☆ **وقت**۔ لحظہ کے میدان سے نکل کر اکانواں میدان'' وقت '' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری ہے۔ کہ! **جئت علیٰ قدر یمٰو سی** ۔(ترجمہ) اے موسیٰؑ! آپؑ رسالت کے اندازے پر پہنچے۔ (القرآن۔ 40:20) وقت وہ ہے۔ کہ! حق کے سوا اس میں اور کوئی چیز نہیں سما سکتی۔

وقت تین قسم کے لوگوں کو محیط ہے۔ ایک کا وقت برق کی طرح سبک رو ہے۔ دوسرے کا وقت پائیدار ہے۔ تیسرے کا وقت غالب ہے۔

جو وقت برق کی طرح ہے۔ وہ باطنی کدورتوں کو صاف کرنے والا ہے۔ برق کی سی سرعت رکھنے والا وقت فکر سے جنم لیتا ہے۔ یہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آخرت کا ذکر روشن ہو جاتا ہے۔ جو وقت پائیدار ہے۔ وہ انسان کو ہر لحہ ذاتِ حق کے ساتھ مشغول رکھنے والا ہے۔ یہ لذتِ ذِکر سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اُخروی لذتوں کو محو کر دیتا ہے۔ تا آنکہ! انسان کو مشاہدء ذاتِ حق حاصل ہو جاتا ہے۔ جو وقت غالب ہے۔ وہ ہلاک کر دینے والا ہے۔ یہ سماعِ مشاہدات سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ انسانی رسوم و قیود کو ختم کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ماسوا اللہ یکسر فراموش ہو جاتے ہیں۔

☆ **نفس**۔ وقت کے میدان سے نکل کر بیانواں میدان'' نفس '' کا نکلتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **فلما آفاق قال سبحٰنک** ۔(ترجمہ) جب حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ ہوش میں آئے۔ تو فرمانے لگے۔ کہ! تیری ذات پاک ہے۔ (القرآن ۔ 143:07) نفس اپنے وقت کا مالک ہے۔ اور اس میں کسی چیز کی آمیزش نہیں۔

اہلِ حقیقت کے انفاس کی تین اقسام ہیں۔ توبہ کرنے والوں کی آہ و زاری۔ عاشق و بے خود کا جوش و خروش۔ اہلِ وجد کی نعرہ زنی۔

توبہ کرنے والے کی آہ و زاری! شیطان کو دور کرتی ہے۔ گناہوں کو دھو ڈالتی ہے۔ کشائشِ قلب کا موجب ہے۔

سرمست و سرشار انسان کا جوش و خروش! دنیوی محبت کو ختم کر دیتا ہے۔ اسبابِ دنیوی سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ مخلوق کو فراموش کر دیتا ہے۔ (یاد رہے۔ کہ) اہلِ وجد کی نعرہ زنی! روح میں درد و گداز پیدا کرتی ہے۔ دل کو پیاسا رکھتی ہے۔ حجابات اُٹھا دیتی ہے۔

☆ **مکاشفہ** ۔نفس کے میدان سے نکل کر تیرا نواں میدان ''مکاشفہ'' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **ما کذب الفواد ما رای** ۔(ترجمہ) جو کچھ آپ نے دیکھا۔آپ کے دل نے اسے جھوٹ نہ جانا۔(القرآن۔ 11:53) مکاشفہ حق کا دل سے دیدار کرنا ہے۔

مکاشفہ کی تین علامات ہیں۔ ذِکر کے باعث دل کا استغراق۔ نظر کے مشاہدات سے ذہن کا معمور ہونا۔ ضمیر کا حقیقتِ امور سے مطلع ہونا۔

ذِکر کے باعث دل کا استغراق تین باتوں سے عبارت ہے۔ حقیقت سے لبریز گفتار۔ خلق سے بے زاری۔ دُعا کا الہام۔ لطائفِ نظر سے ذہن کے معمور ہونے کی تین نشانیاں ہیں۔ احوال پر غالب آنا۔ صدقِ معاملہ پر مداومت۔ایک ارفع و اعلیٰ مسرت (نعیمِ اُخروی) سے شناسا ہونا۔ ضمیر کے حقیقت سے مطلع ہونے کے بھی تین نشانات ہیں۔ انسان سکون و اطمینان حاصل کرتا ہے۔ اسے ملائکہ کا سا وقار نصیب ہوتا ہے۔ اسے اہلِ دین کی استقامت میسر آتی ہے۔ کچھ لوگوں کو مشاہدے اور معائنے میں فرق کا پتا نہیں چلتا۔حالانکہ! مکاشفہ سے مراد حضوریء معنوی،ناسوت و ملکوت و جبروت و لاہوت کا نفس و دل و روح و سر کے سامنے آشکار ہو جانا۔اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو اُن واقعات سے پہلے سے ہی مطلع فرما دینا ، جو دنیا میں پیش آنے والے ہیں۔(اسی طرح سے) معائنہ سے مراد نورِ تجلیاتِ ذاتِ بے کیف و بے جہت و بے مثل و بے مثال کا دلِ سالک پر چمکنا۔یعنی روئیتِ الٰہی بلا حجاب ِتعین۔

☆ **سرور**۔ مکاشفہ کے میدان سے نکل کر چورانوں میدان'' سرور '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **فبذٰلک فلیفرحوا . ھو خیر مما یجمعون** ۔(ترجمہ) پس چاہیئے۔کہ! لوگ اس سے خوش ہوں۔وہ اس سے بہتر ہے۔جو وہ جمع کرتے ہیں۔(القرآن۔58:01) سرور سے مراد مسرت ہے۔

جملہ مسرتیں تین اقسام کی ہیں۔ پہلی مسرت جو کہ معصیت پر حرام ہے۔ دوسری دنیا پر مسرت کا اظہار مکروہ ہے۔تیسری مسرت واجب ہے۔ پہلی مسرت جو کہ معصیت پر حرام ہے۔وہ بایں طور پر حرام ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** ۔(ترجمہ) تُو مت اِترا۔بے شک اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(القرآن۔58:01) اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **انہ لفرح فخور** ۔(ترجمہ) بے شک! وہ انسان خوشیاں منانے والا اور فخر کرنے والا ہے۔(القرآن۔72:28) دوسری مسرت یعنی دنیا پر مسرت کا اظہار مکروہ ہے۔جیسا کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ! **وفرحوا بالحیٰوۃ الدنیا** ۔(ترجمہ) اور کافر دنیوی زندگی پر خوش ہو رہے۔(القرآن۔26:13) اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **ولا تفرحوا بما اٰتٰکم** ۔(ترجمہ) اور جو اس نے تمھیں دیا۔اس پر مت اِتراؤ۔(القرآن۔23:57) تیسری مسرت کہ واجب ہے۔حق تعالیٰ کے ساتھ خوش رہنا ہے۔جیسا کہ مولا کریم نے ارشاد فرمایا۔ **فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ** ۔(ترجمہ) پس جو سودا آپ نے کیا۔اس سے کیا ہے۔اس پر خوش رہیں۔(القرآن۔111:09) حرام پر اظہارِ مسرت سے ! دل مر جاتا ہے۔ انسان کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس کے دوست دشمن بن جاتے ہیں۔مکروہ مسرت سے! آبرو ریزی ہوتی ہے۔ فتنے اُمڈ آتے ہیں۔ عمر کا زیاں ہوتا ہے۔ مسرتِ واجب تین طرح کی ہے۔ پہلی قسم ، ایک مسلمان کی مسرت ! جس نے حجاباتِ نفسانی کو دور کر دیا۔ بابِ رحمت کھولا۔ اور بارگاہِ ایزدی میں پہنچا دیا۔دوسری قسم،احساناتِ خداوندی پر اظہارِ مسرت کی ہے۔جس نے! عتابِ الٰہی سے بچایا۔ آرشوئے بہشت سے بے نیاز کر دیا۔ اور حقیقت سے شاد کام کیا۔ تیسری قسم ،دوستی سے متعلق ہے۔ جو کہ! انسان کو خلق کے بغیر اُنس عطا کرتی ہے۔ خزانے کے بغیر تونگر کر دیتی ہے۔ سپاہ و لشکر کے بغیر اعزاز و اکرام بخشتی ہے۔

☆ **انس**۔ سرور کے میدان سے نکل کر پچانواں میداں'' اُنس '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب** ۔(ترجمہ) اے میرے حبیب! جب میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں۔تو آپ فرما دیں۔میں (بلاشبہ،ان کے بالکل ہی) قریب ہوں۔(القرآن۔186:02) اُن سے مراد قربِ محبوبِ حق میں آرام و آسائش پانا۔ قربِ محبوب میں آرام و آسائش پانا تین قِسم کے لوگوں کو میسر ہے۔ اس مرید صادق کو جو وعدہء خداوندی کو سُن لے۔ اس عارفِ کامل کو، کہ جسے (منزلِ مقصودِ حقیقی کا) نشان مل جائے۔ اس عاشقِ صادق کو، کہ جو اپنی مرادِ حقیقی کی جانب نگران رہے۔ وہ مرید صادق جو وعدہء الٰہی سن پائے۔اس میں تین نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔حلاوتِ خدمت۔تمام جانداروں (جن وانس، چرند پرند، پھل پھول بیل بوٹے،درخت شاخیں ٹہنیاں وغیرہا) پر (اپنی اولاد کی طرح حقیقی شفقت)۔ اخلاصِ دعوت۔

وہ عارفِ کامل کہ جسے (منزلِ مقصودِ حقیقی کا) نشان مل جائے۔ دُعا کے ساتھ مانوس ہونا۔ شیرینیء فکر۔ زندگی سے سیر چشمی۔

وہ عاشقِ صادق کہ جو اپنی مرادِ حقیقی کی جانب دھیان رکھے۔اس میں تین علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ آزادی۔سرت۔بے قراری۔

زمن بر صوفی و مُلا سلامے، کہ پیغامِ خدا گفتند مارا ولے تاویلِ شاں در حیرت انداخت ، خدا و جبرائیل و مصطفٰے را

☆ **دھشت**۔اُنس کے میدان سے نکل کر چھیانواں میدان'' دہشت '' کا نکلتا ہے۔ دہشت کا مفہوم یہ ہے۔کہ! کوئی غلبہء محبت میں اپنے وجود سے آزاد اور اپنی ذات سے جدا ہو۔ دہشت ایک حال ہے۔کہ! جس میں! جسم ،صبر کی طاقت نہیں رکھتا۔ دل ،عقل کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ نگاہ امتیاز نہیں رکھتی۔ جسم اس لئے صبر کی طاقت نہیں رکھتا۔کیونکہ! دل ،حصولِ فراغت میں عاجز آ جاتا ہے۔ ہیبت انسان کے جان و دل کے مابین تفرقہ ڈال دیتی ہے۔ طاقت کا سلطان کمزور ہو جاتا ہے۔ دل ،عقل کی طرف اس باعث مائل نہیں ہوتا۔کیونکہ! روح اسے بلاتی ہے۔ اس میں کیفیتِ وجد پیدا ہوتی ہے۔تشنگیء باطن ،شدت اختیار کر لیتی ہے۔ نگاہ میں امتیاز اس لئے نہیں رہتا۔کیونکہ! وہ مشاہدے کے نور میں مستغرق ہو جاتی ہے۔ لطفِ خداوندی کی ندا اسے پہنچتی ہے۔ حجاباتِ وجود، انسان کے سامنے سے اُٹھ جاتے ہیں۔

☆ **مشاھدہ۔** دہشت کے میدان سے نکل کرستانواں میدان'' مشاہدہ '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **او القٰی السمع وھو شھید** ۔(ترجمہ)یا جس نے (قلب سے) متوجہ ہوکرسُنا۔اوروہ اس پرگواہ ہے۔(القرآن۔ 37:50) مشاہدے کامفہوم، خالق اورمخلوق کے مابین جملہ حجابات کا اُٹھ جانا ہے۔اس (مقامِ مشاہدہ) تک رسائی تین باتوں سے عبارت ہے۔ علم کے درجے سے حکمت کے درجے تک پہنچنا۔ صبر کے درجے سے تصفیہء باطن کے درجے تک پہنچنا۔ معرفت کے درجے سے حقیقت کے رُتبے تک پہنچنا۔ ایک سالک علم کے درجے سے حکمت کے مرتبے تک تین باتوں کے باعث پہنچ سکتا ہے۔ علم پرعمل پیرا ہوکر۔ احکاماتِ الٰہی کی تعظیم سے۔ سنتِ نبوی ﷺ کی حقیقی ودائمی پیروی سے۔ یہ واقعتاً اہلِ حکمت کا مقام و مرتبہ ہے۔ ایک سالک صبر کے درجے سے تصفیہء باطن کے مقام ومرتبہ تک تین باتوں کی وجہ سے پہنچ پاتا ہے۔ باہمی نزاع ترک کرکے۔ اپنی حکمتِ عملی سے کنارہ کش ہوکر۔ رضائے الٰہی کوخود پرلازم کرنے سے۔ یہ اہلِ رضا کا مقام ومرتبہ ہے۔

ایک سالک معرفت کے درجے سے حقیقت کے مقام ومرتبے تک تین باتوں کے ذریعے سے پہنچتا ہے۔ خلوت میں اوامرِ الٰہی کا احترام کرنے سے۔ رفاقت میں ایثار اختیار کرنے سے۔ اپنی خدمت سے شرمسار ہوکر۔

☆ **معائنہ** ۔مشاہدہ کے میدان سے نکل کراٹھانواں میدان'' معائنہ '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **الم تر الی ربک کیف مد الظل** ۔(ترجمہ) بھلاآپ نے اپنے پروردگارکی قدرت کونہیں دیکھا۔کہ وہ کس طرح سے سائے کو پھیلا دیتا ہے۔(القرآن۔ 45:25) معائنہ کا مفہوم کامل طور پردیکھنا ہے۔اوروہ تین باتوں سے عبارت ہے۔ محبت کوقبولیت کی آنکھ سے دیکھنا۔ ہرفردکوانفرادی نگاہ سے دیکھنا۔ حاضرکوحضوری کی نگاہ سے دیکھنا۔ محبت کوقبولیت کی آنکھ سے دیکھنے سے مراد یہ ہے۔کہ! ایسے انسان نے عذرکی آوازکوقبول کیا۔ اس نے ندائے لطف کی قبولیت چاہی۔ اس نے ارادے کی نداکوقبول کیااورشعورکی آغازپرلبیک کہا۔ ہرفردکوانفرادی نگاہ سے دیکھنے سے مراد یہ ہے۔کہ! ہدایت میں منفرد ہے۔کہ اس نے ذاتِ واحدکی شہادت دی۔ معرفت میں منفرد ہے۔کہ اس نے ذاتِ واحدکا شکریہ ادا کیا۔ رعایت میں بھی منفرد ہے۔کہ! اس نے ذاتِ وحدہ لاشریک ہی سے اپنی ارادت قائم رکھی۔ حاضرکوحضوری کی نگاہ سے دیکھنے سے مراد یہ ہے۔کہ! اپنی ذات سے دوسری کی حالت میں مقربانِ بارگاہِ لم یزل کا قرب اختیارکرنا۔ اپنی ذات سے حجاب کی صورت میں اہلِ حضورکے پاس حاضرہو۔کیونکہ! وہ ذات تواپنی جانب قصدکرنے والوں سے بالکل بھی دورنہیں۔ اوراہلِ طلب سے گم بھی نہیں۔اورنہ ہی اہلِ ارادت سے غائب ہے۔

☆ **فناء۔** معائنہ کے میدان سے نکل کرننانواں میدان'' فناء '' کا نکلتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔کہ! **کل شیء ھالک الا وجھہ . لہ الحکم والیہ ترجعون** ۔(ترجمہ) اس کی ذاتِ پاک کے سواہرچیز ہلاک ہوجانے والی ہے۔حکم اسی کا ہے۔اورتم اسی کی طرف لوٹ کرجاؤ گے۔(القرآن۔ 88:28) فنا سے مرادنیستی ہے۔اورنیستی دراصل تین چیزوں کے تین چیزوں میں فنا ہونے سے عبارت ہے۔

فناء بغیر بقاء کا مزہ نہیں مِلتا خودی مٹاؤ نہ جب تک ، خدا نہیں مِلتا

تلاش کا یافت میں فنا ہوجانا۔ عرفان کا اس میں فنا ہونا کہ! جس کا عرفان ہوچکا ہو۔ دیکھنے کا اس میں فنا ہونا، کہ جسے دیکھ لیا جائے۔

ہے بقاء عشق کی راہوں میں فنا ہو جانا خود میں رہنا ، نہ کبھی خود سے جدا ہو جانا

حادث، لایزل وقدیم ذات کے بارے میں کیا جان سکتا ہے۔جوذات کہ باقی ہے۔اس کا فانی سے کیا علاقہ۔ وہ ذاتِ والا صفات، بے استحقاق انسان کے ساتھ کیسے مل سکتی ہے۔ ماسواجس قدرہیں۔وہ تین باتوں پرمبنی ہیں۔

جوچیزنہیں رہی۔ وہ ماضی ہے۔ جوگم ہے۔ وہ حال ہے۔ جس کاعلم نہیں۔ وہ مستقبل ہے۔

پس ذاتِ حق تعالیٰ کے سوادنیا و مافیہا ہرچیز فانی ہے۔اورہستی کی شان اسی کوہی زیبا ہے۔لہٰذا ہستی جس قدرہے۔وہی ہے۔

گر فنا خواہی ، زِ خود آزاد شو گر بقاء خواہی ، بخود آباد شو

وہ بارش جودریا وسمندرمیں جاپہنچی۔ سوپہنچ ہی گئی۔ تمام ستارے دن کے وقت ناپید ہوگئے۔ جواپنی ذات (یعنی نفس) تک پہنچا۔ وہ یقیناً مولائے کل مولائے حق تک بھی پہنچ گیا۔ ان شاءاللہ۔ **(من عرف نفسہ فقد عرف ربہ)**

بقول مولانا عارف رومیؒ : مَیں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا۔کہ! مَیں آپ کو جاننے سے پہلے مرنا نہیں چاہتا۔تو اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا۔کہ! جو مجھے جان گیا۔وہ کبھی نہیں مرتا۔(بقولِ علامہ محمد اقبالؒ)

فنا فی اللہ کی تہہ میں ، بقاء کا راز مضمر ہے جسے مرنا نہیں آتا ، اُسے جینا نہیں آتا

☆ **بقاء۔** فناءکےمیدان سے نکل کرسوواں میدان '' بقاء '' کا نکلتا ہے۔ارشادِباری تعالیٰ ہے۔کہ! **واللہ خیر وابقٰی** ۔(ترجمہ) اوراللہ تعالیٰ ہی بہتراوردائماً باقی رہنے والا ہے۔(القرآن۔ 73:20) **کل من علیھا فان . و یبقٰی و جہ ربک ذوالجلال والاکرام** ۔(ترجمہ) ہرشئے فناہونے والی ہے۔اور(صرف) آپ کے رب ہی کی ذات باقی رہے گی۔جوجلال واکرام ہے۔(سورہ رحمٰن)

بقاء سے مراد ایک ایسا مقام ومرتبہ کہ جودائماً ہو۔جس کوکبھی فنا نہ ہو۔کیونکہ! بقاء کے میدان میں صِرف اورصِرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔اوربس۔کیونکہ! وہ تمام علائق میں منقطع ہے۔تمام اسباب میں مضمحل ہے۔تمام رسوم میں باطل ہے۔

تمام حدود میں میں لا شئے ہے۔ ہر فہم میں فانی ہے۔ جملہ تاریخ میں مہمل ہے۔ تمام اشارات میں ختم ہے۔ تمام عبارات میں مسترد ہے۔ خیر میں زائل ہے۔ بے شک وہ تو حق یکتا ہے۔ جبکہ طالبِ حق اپنی ذات کے ساتھ باقی ہے۔ یاد رہے۔ کہ!

یہ صد میدان تمام کے تمام عشقِ الٰہی میں سرشار ہوکر قربِ رحمانی میں جاکر ختم ہو جاتے ہیں۔ عشق کا میدان، دوستی کا میدان ہے۔ اور دوستی کا میدان، محبت کا میدان ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کہ! **یحبھم و یحبو نھم** ۔ (اللہ اُن کو چاہتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو چاہتے ہیں) اسی طرح سے ارشادِ ربانی ہے۔ کہ! **قل ان کنتم تحبون اللہ** ۔ (کہو۔ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو۔) لیکن دوستی کے بھی تین میدان ہیں۔ راستی۔ مستی۔ نیستی۔ حدیثِ نبوی ﷺ میں آیا ہے۔ کہ! خبردار ہو جاؤ۔ عقل کی علامات میں سے یہ ہیں۔ (کہ) دُنیائے فانی سے کنارہ کشی کرنی ، آخرت کی طرف توجہ دینا ، قبر میں رہنے کے لئے توشہ اختیار کرنا اور قیامت کے حساب کتاب کے لئے تیاری کرنا۔

حق تعالیٰ ھُو کے ساتھ آشنائی سے دوستداری تک ہزار مقامات ہیں۔ اور آگاہی سے دلیری تک ہزار منازل ہیں۔ اور یہ **صد میدان** ان سب پر محیط ہیں۔ اور ہمیشہ کی طرح صِرف اور صِرف اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت طلب کی جاتی ہے۔ تاکہ اُسی ذاتِ باری تعالیٰ کا حقیقی ودائمی قرب حاصل ہو سکے۔ انشاء اللہ العظیم۔ نہ کہ دنیاوی عیش وعشرت کی محبت۔

دیکھے ہیں بہت ہم نے ہنگامے محبت کے   آغاز بھی رُسوائی ، انجام بھی رُسوائی

مغزِ صد میدان : حضرت ابونصر سراج ؒ اپنی کتاب ''اللمع فی التصوف'' میں فرماتے ہیں۔ کہ! کسی پوچھنے والے نے پوچھا۔ کہ! حدیث کی نسبت اصحابِ حدیث ، فقہ کی نسبت فقہاء ، زہد کی نسبت زہاد ، توکل کی نسبت متوکلین اور صبر کی نسبت صابرین ہے۔ لیکن صوفیاء کی نسبت کس سے ہے؟ تو جواب مِلا۔ کہ! صوفیاء کی نسبت نہ تو کسی علم سے ہے۔ اور نہ کسی حال سے ہے۔ وہ (صوفیاء) تو درحقیقت جملہ علوم (وفنون) کے معدن اور جمیع نیک اعمال واخلاق کے مخزن ہیں۔ کیونکہ! وہ مسلسل ایک حال (وکیفیت) سے دوسرے حال (وکیفیت) کی جانب گامزن رہتے ہیں۔ اور ان پر غالب خصوصیات لمحہ بہ لمحہ بدلتی رہتی ہیں۔ اسی لئے انہیں ان کے احوال (وکیفیات اور مشاہدات) میں کسی حال پر منسوب (ومحمول) نہیں کیا جا سکتا۔

دوسروں کو وہ نصیحت کہ جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ (قرآنِ حکیم میں ہے) **لم تقو لون ما لا تفعلون** ۔ کیوں کہتے ہو وہ (کہ) جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ **کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون** ۔ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے وہ بات۔ کہ جو (دوسروں کو تو) کہو۔ مگر خود (اُسی نصیحت وبات پر) عمل نہ کرو۔ (سورہ الصّف) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے۔ کہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ کہ! ایک شخص کو (بروزِ قیامت) لایا جائے گا۔ اور اسے آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہ اس میں چکی پیسے گا۔ جیسے گدھا (چکی) پیستا ہے۔ پھر دوزخ کے لوگ اس (شخص) کے چاروں اطراف میں جمع ہو جائیں گے۔ اور کہیں گے۔ (کہ) اے فلاں! کیا تم نیکیوں کا حکم کرتے اور برائیوں سے روکا نہیں کرتے تھے؟ وہ شخص کہے گا۔ میں اچھی بات کے لئے کہتا تو ضرور تھا۔ لیکن خود (اُس اچھی بات پر عمل) نہیں کرتا تھا۔ جبکہ بُری بات سے روکتا بھی تھا۔ لیکن خود (بھی وہ برے اعمال کیا) کرتا تھا۔

میانِ خالق و مخلوق رمزیست   کراما کاتبین را ہم خبر نیست

ایک آیت کا مفہوم : الستُ بربکم ، قالُوا بلٰی ۔۔۔ (تشریح وتفسیر)

انبیاء کرامؑ نے دوسجدے کئے ، عوام مؤمنین نے ایک سجدہ کیا۔ جبکہ کفار نے سجدہ نہیں کیا۔ مگر اس بات کی سند موجود نہیں۔ البتہ چند احادیث وآیات سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے۔ اس روز کو ''روزِ الست'' یا ''روزِ ازل'' بھی کہا جاتا ہے۔ (بہرحال! بقولِ بعضے) چار میثاق لئے گئے تھے۔ ۱۔ اول تو پانچ اولُ العزم انبیائے کرامؑ سے کہ جن میں آنحضرت رسالت مآب خاتم النبیین ﷺ ، حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت موسیٰؑ ، حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ سے اول میثاق لیا گیا۔ ۲۔ دوسرا میثاق باقی جُملہ انبیاءؑ سے لیا گیا تھا۔ ۳۔ تیسرا میثاق علمائے عُظام سے لیا گیا تھا۔ ۴۔ چوتھا میثاق عوام الناس سے لیا گیا تھا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی ضمن میں فرمایا کہ! **واذ اخذنا من النبیین ۔۔۔۔ منھم میثاقا غلیظا** ۔ اور یاد کیجئے وہ وقت جب لیا۔ ہم نے میثاق (یعنی عہد) پیغمبروں سے اور آپ ﷺ سے اور حضرت نوحؑ سے اور حضرت ابراہیمؑ سے اور حضرت موسیٰؑ سے اور حضرت عیسیٰؑ بن مریم سے لیا۔ ہم نے ان لوگوں سے مستحکم عہد۔ اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **واذ اخذاللہ میثاق ۔۔۔ بہ ولتنصرنہ** ۔ اور یاد کیجئے۔ اس وقت کو جب عہد لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا پیغمبروں سے ، جو کچھ دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے پھر آوے۔ تم لوگوں کے پاس پیغمبر تصدیق کرنے والا اس چیز کی جو تمھارے پاس ہے۔ تو تم لوگ اس پر ایمان لانا۔ اور اس کی مدد کرنا۔ تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ! **واذ اخذاللہ میثاق ... للناس ولا تکتمونہ** ۔ اور یاد کیجئے۔ اس وقت کو کہ جب عہد لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب سے یہ کہ ضرور بیان کرنا۔ تم لوگ دوسرے لوگوں سے جو کچھ اس کتاب میں ہے۔ جو تم لوگوں کو دی گئی ہے۔ اور تم لوگ وہ نہ چھپانا۔

تفسیر از حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی ؒ: حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی ؒ اپنے کلام ''شاہ جو رسالو'' میں فرمایا ہے۔ کہ! ''الستُ بربکم'' ایک عہدِ زریں کا نام ہے۔ اور انہوں نے اس عہد کو ''عشقِ حقیقی'' کی بنیاد قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک روحوں کا ''بلیٰ'' کہنا صرف زبان سے اقرار نہیں تھا۔ بلکہ یہ محبت کا پہلا نغمہ تھا۔ روحیں اپنے محبوبِ حقیقی (اللہ) کے جمال کو دیکھ کر اس پر فدا ہو گئیں۔ حضرت شاہ صاحب ؒ کے مطابق ''الست'' صرف ماضی کا ایک واقعہ نہیں۔ بلکہ ایک موجودہ کیفیت ہے۔ جو شخص اپنے دل کی دنیا کو پاک کر لیتا ہے۔ اسے اپنے اندر ''الست بربکم'' کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔